سلسلہ آصفیہ نمبر ۳۰

مراثی انیس

جلد دوم

یعنی

جناب میر ببر علی صاحب انیس لکھنوی مرحوم و مغفور کی

متوسط عمر کا کلام

مرتبہ

[illegible]نا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ مرحوم و مغفور

۱۹۳۶ء

[illegible] دوم

میر ببر علي انیس لکھنوي
ولادت سنه ۱۸۰۵ع وفات سنه ۱۸۷۴ع

مراثی انیس جلد دوم
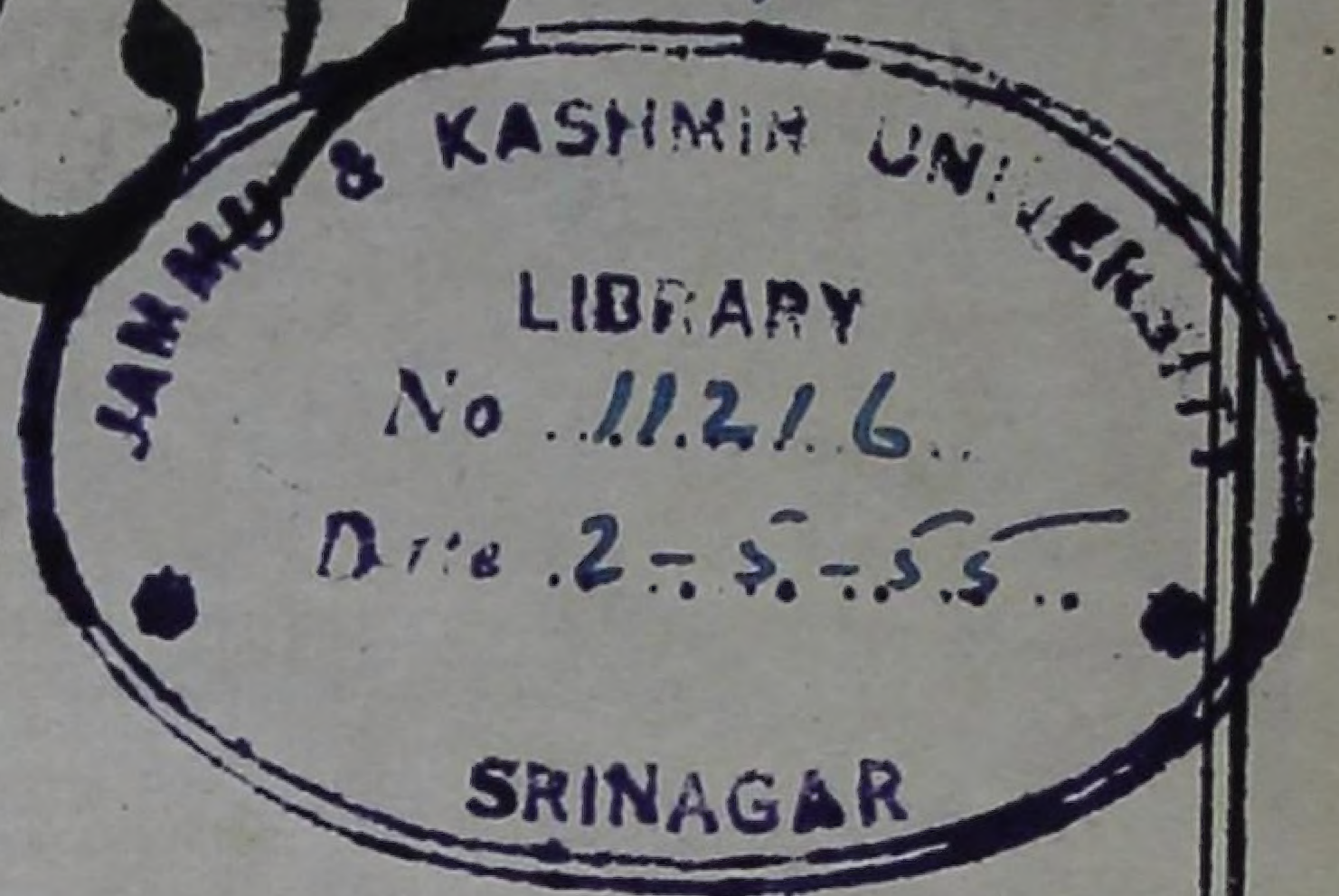
طبع ثانی

پہلا اڈیشن مارچ ۱۹۲۳ء میں شایع ہوا تھا بارہ برس کے بعد طبع ثانی کی نوبت آئی ہی۔ اردو ادب کے ساتھ اس کے ہمدردوں کی دلچسپی کا اندازہ کرتے ہوئے یہ بھی میر صاحب کے کلام کی کرامت معلوم ہوتی ہی کہ دیر ہی سے سہی دوسرے اڈیشن کی نوبت تو آگئی ورنہ بہت سی اردو کتابیں تو ایک مرتبہ چھپنے کے بعد پریس کی صورت ہی نہیں دیکھتیں اور اس طرح اردو ادب کے بہت سے جواہر ریزے کمیاب نہیں بلکہ نایاب ہو جاتے ہیں۔

اس جلد کی طبع ثانی میں مزید صحت کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہی۔ پہلا اڈیشن جس کی صحت و ترتیب مولانا حیدر علی طبع طباطبائی مرحوم نے کی تھی اس میں کتابت یا مقابلے کی غلطیاں رہ گئی تھیں اب اس دوران میں بعض قلمی مرثیے ملے ان کو سامنے رکھ کر صحت کی گئی اور بعض ایسی غلطیاں جو سیاق و سباق پر غور کرنے سے سمجھ میں آسکتی تھیں ان کو بھی درست کیا گیا ہی۔ بہر حال ناظرین طبع اول سے اس کو باعتبار صحت بہتر پائیں گے۔ طباعت اور کتابت تقطیع اور قسم کاغذ سب طبع اول کے مطابق ہی۔

اس مختصر تمہید میں میر صاحب کے کلام پر ریویو کرنا مقصود نہیں نہ اس کی ضرورت کیونکہ طباطبائی مرحوم نے جو مضمون "ختام المسک" کے عنوان سے طبع اول کے لئے لکھا تھا اس کے مطالعہ کے بعد کسی مزید ریویو کی ضرورت باقی نہیں رہتی

فی الواقع مرحوم مولف نے اس مضمون کو اپنے مرتبہ مجموعہ مراثی انیس کے مقدمہ

کے طور پر لکھا تھا لیکن وہ پریس میں اس وقت پہونچا جبکہ پہلی جلد شایع ہو چکی تھی اور دوسری جلد چھپ کر تیار ہو گئی تھی اس لیے "ختام المسک" کو آخر الذکر جلد کے عنوان سے آخر میں جگہ دی گئی تھی اب میں نے اس مضمون کی اہمیت اور مولف کے منشا کو مد نظر رکھ کر اس کو اس جلد کا افتتاحیہ بنانا مناسب سمجھا تاکہ مراثی کے مطالعہ سے پہلے ناظرین طباطبائی مرحوم کے ذریعہ سے میر صاحب کی شاعری اور ان کے کلام سے متعارف ہو جائیں۔

خاکسار

نظامی بدایونی

۱۵ر جولائی ۱۹۳۶ عیسوی

سلسلہ آصفیہ نمبر (۴)

مراثی انیس جلد دوم

تمہید طبع اوّل

خدا کا شکر ہی کہ میر انیس کے کلام کی آج دوسری جلد حامیان اُردو ادب کے ہاتھوں تک پہنچتی ہی۔ پہلی جلد میں میر صاحب کی ہاف ٹون تصویر اور ایک مقدمہ بھی شامل ہی۔ لیکن یہ جلد اس سے محروم ہی۔ البتہ اس جلد کے آخر میں مولینا طباطبائی صاحب کا لکھا ہوا ایک خاتمہ ہی۔ جس کو "ختام المسک" کے عنوان کے ذیل میں آپ ملاحظہ فرمائینگے اُس نے اس جلد دوم کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا ہی۔ میر صاحب نے کم و بیش اکھتر[1] سال کی عمر پائی تھی۔ مولینا طباطبائی نے ان کے کلام کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہی۔ سب سے پہلی جلد میں سب سے آخری زمانہ کا مشتاقانہ کلام شایع ہو چکا ہی۔ اس دوسری جلد میں متوسط عمر کا کلام آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔ یہ کلام ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۴ء تک کے زمانہ کا ہو سکتا ہی۔ تیسری جلد میں، جو زیر ترتیب ہی ابتدائی دس سال یعنی سولھویں سال سے پچیسویں (۲۵) سال تک کی عمر کا کلام ہوگا۔ بہرحال یہ متوسط عمر کا کلام جو اس دوسری جلد میں شامل ہی ۱۸۵۶ء سے پہلے کا کلام ہی اور یہ زمانہ وہ زمانہ تھا جب کہ واجد علی شاہ اور اُن سے قبل امجد علی شاہ اودھ کے تخت کو رونق دے رہے تھے اور اردو شاعری کا دَور دَورہ تھا۔ اگر اس وقت لکھنؤ میں انیس و دبیر جیسے اُستادان فن اُردو کو چار چاند لگا رہے تھے تو اُدھر دہلی میں غالب اور ذوق و مومن جیسے قادر الکلام شعراء اُردو ادب کی محفلوں کو گرما رہے تھے۔ آج جب کہ اس زمانہ کو ساٹھ ستر سال گزر چکے ہیں وہ محاورات جو میر انیس کے زمانہ تک فصحا کے کلام میں داخل تھے مثلاً جاگہ۔ جائے۔ جا۔ یا۔ بہنا۔ تلے ہات۔ لال۔ روکیو۔ جانیو۔ کیجو۔ دیجو۔ کہیو۔ ڈوبا ؤ۔ جیوں۔ سو۔ ہیگا۔ اسواری بسترا۔ بن" وغیرہ فصیح اُردو کے لیے موجب عار سمجھے جاتے ہیں لیکن کون جانتا ہی کہ آج کے فصیح محاوروں پہ کل کیا گذرے گی

---

[1] میر انیس ۱۲۳۰ھ (۱۸۰۵ء) میں پیدا ہوئے ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۸۷۴ء میں انتقال ہوا۔

ہیں سچے دل سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہی کہ میر صاحب نے اُردو پر جو احسان کیا ہی اس سے موجودہ اور آئندہ نسلیں سبکدوش نہیں ہو سکتیں۔

نظم رزمی کے سب سے زبردست کارنامے زبان فارسی میں شاہنامہ فردوسی و سکندر نامہ نظامی ہیں لیکن میر صاحب کا ہر ہر مرثیہ اس میدان میں سب سے گوئے سبقت لے گیا ہی۔ میر صاحب کے ان جواہر پاروں کو اس خوبصورتی اور اہتمام کے ساتھ اُردو داں پبلک کے سامنے پیش کرنے کی ہمت افزائی اور سرپرستی اعلیحضرت بندگان عالی حضور **نظام** آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ کی سرکار کی طرف سے ہوئی ہی جس کے لیئے ہم جس قدر بھی منت پذیر ہوں کم ہی۔

عالی جناب سیّد **راس مسعود** صاحب المخاطب بہ نواب مسعود یار جنگ بہادر ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ کی ذات بھی قابل شکریہ ہی کہ اُنھوں نے میر انیس کے بیش بہا کلام کو اپنی اُردو ادب کی اسکیم کے تحت میں شامل کرکے اس کی تصحیح و تدوین کا انتظام فرمایا اور آج وہ اس آب و تاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے مبارک ہاتھوں تک پہنچ سکا۔ فقط

خاکسار

نظامی۔ بدایونی

بدایوں۔ ۱۱ر مارچ ۱۹۳۴ء

۷۸۶

میر انیس کی شاعری اور ان کے مراثی

از

مولنا سید علی حیدر صاحب طبا طباطبائی نظم لکھنوی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن

مرحوم و مغفور

میر انیس کا کلام اب مجلس عزا کے ساتھ مخصوص نہیں رہا آخر اُس کی خوبیاں بزم ادب میں اُسے لے آئیں اس محفل میں یگانہ و بے گانہ آشنا و نا آشنا زباں داں و بے زباں سب اُس کے مشتاق ہیں۔ کان اُس آواز کو ڈھونڈھتے ہیں جو دل دُکھا دے۔ آنکھ اسی رنگ کو پسند کرتی ہے جو کوئی سماں دکھا دے۔ خدا نے ہر انسان کو زبان اور زبان کو قوتِ بیان عطا کی ہے لیکن ہر بیان میں سحر ہر زبان میں اعجاز نہیں ہوتا ہر زمین سے خزانہ نہیں نکلتا۔ ہر بدلی سے مُن نہیں برستا۔ رونا ہنسنا کس کو نہیں آتا مگر کسی کے رونے میں موتی بکھرتے ہیں ہنسنے میں پھول جھڑتے ہیں۔ بہت لوگوں نے چورنگ لگانے کی کبادہ کھینچنے کی مدتوں مشق کی ہوگی مگر ایک شخص ہے کہ اُس کا وار خالی ہی نہیں جاتا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ جو زبان سے نکلتا ہے دل میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ کلام کے مانوس بیان کے دل کش ہونے کی کوئی حد نہیں۔ ایک تذکرہ میں مولوی ذکاء اللہ مرحوم کا یہ قول مجھے نہیں بھولتا۔ انیس کو کہتے ہیں "معلوم ہوتا تھا کہ ایک شخص منبر پر بیٹھا ہوا سحر کر رہا ہے" ایک مہندس مجسطی خوان دن کو تارے دیکھ کر کیوں کر حیران نہ ہو جائے۔ بخدا میر انیس کے اس مصرع میں مجھے سحر معلوم ہوتا ہے ع

"صغرا مری آواز کو پہچان گئے تم"

یا مثلاً یہ مصرع میر صاحب کا ع

جان آ گئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

دیکھنے میں ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اُس مقام کو دیکھیے جس مقام پر یہ بات اُن کی زبان سے نکلی ہے اور کتنے معنے اس مصرع میں بھرے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے ہجوم فوج میں بھائیوں کا ساتھ چھوٹ گیا تھا

دونوں شہید ہونے کی آرزو میں آرہے تھے ایک دوسرے کو سمجھا کہ شہید ہوگیا کہ یکایک ؎

جب شبیر سا پہنچا وہ ادھر یہ ادھر آیا جاں آگئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

یہاں بھائیوں کے قلب کی کس حالت کو شاعر نے دکھایا اور کتنے بڑے مضمون کو چار لفظوں میں سمجھایا ہے کیا اس کے سحر حلال ہونے میں کچھ کلام ہے؟

حر شہید کی میدان میں آمد دیکھئے ؎

برچھیوں اُڑتا ہے دبکے نہ سنانوں سے آنکھ لڑجاتی ہے دریا کے نگہبانوں سے

دیکھئے پہلے مصرع میں سوار کی تنومندی اور راں باگ کی صورت اور فرس کی اچپلاہٹ اور شوخی کی تصویر کھنچ جاتی ہے اور دوسرا مصرع آپ کو یہ دکھلا رہا ہے کہ خیام اہل بیت سے دریا تک کتنی مسافت تھی۔ حافظ کا قول ہے انما الشعر صناعة وضرب من التصویر۔ جو شخص فن بلاغت کے لطائف سے ناواقف ہے اتنا وہ بھی سمجھ جاتا ہے کہ یہ بیان کچھ غیر معمولی ہے۔

شاعری اور فسانہ نگاری شاعر کا کمال جسے سحر اور اعجاز کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں بس اسی طرز میں منحصر ہے شاعری کی جان اور شاعر کی پہچان انھیں باتوں سے ہے اور یہ میدان انھیں شعرا کو ملا ہے جنھوں نے فسانہ نگاری کی ہے۔ دنیا میں جتنے بڑے شاعر جہاں جہاں گزرے ہیں سب فسانہ نگار رہتے ورنہ فلسفہ و تصوف تغزل و پند و عبرت و قومی مرثیہ وغیرہ گو قابل ستائش ہیں اور ان فنون میں بھی بڑے بڑے کارنامے اساتذہ روزگار کے موجود ہیں۔ لیکن اس میدان سے کوسوں دور ہیں۔ قدما کے نزدیک ان چیزوں کا شمار مقطعات میں ہے۔ غیر شاعر کا بھی اس میں حصّہ ہے۔ مگر فسانہ نگاری ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ یوں تو کہانی کہ لینا کون نہیں جانتا مگر آسمان کے تارے توڑ لانا ہر ایک کی دسترس سے باہر ہے۔ اس میدان میں شاعر اپنے پاس غیر کو نہیں آنے دیتا۔ القاص لا یحب القاص۔

میر انیس کو مصوری میراث میں ملی تھی سودا و میر قصیدہ و غزل کے اُستاد تھے مگر مثنوی کہنا میر حسن کا حصہ تھا۔ انھوں نے بدر منیر و دخت وزیر و عیش بائی کی جو تصویریں کھینچی ہیں یہی مصوری میر انیس کو میراث میں ملی تھی۔ انھوں نے امام حسین اور حضرت عباس پھر حر شہید و ابن مظاہر میں جو امتیاز رکھا ہے وہ مصوری کی حدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ ابن مظاہر کی مدح میں کہتے ہیں ؎

انداز جوانوں کے بھی پیرانہ سری بھی پروانۂ جانباز بھی شمع سحری بھی

زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی

ایک اور صورت دیکھئے! ابن مظاہر امام کی رکاب تھامے میدان کی طرف رواں ہیں۔ اس مقام پر میر انیس کہتے ہیں ؎

ہمراہ دو قدم جو چلے جھوم جھوم کے — رعشہ وداع ہو گیا ہاتھوں کو چوم کے

اہل بیت میں ایک بی بی دختر زہرا ہیں ایک خاتون کسریٰ کی پوتی ہیں۔ دونوں کے ماتم کرنے اور بین کرنے کی شان علحدہ علحدہ ہے۔ فرزند کی لاش پر کہتی ہیں ع

"کس نے تجھے مڑوڑ لیا نوجواں مرے"

انصار امام کے صبر و شکیبائی کی حالت دیکھیے ؎

پیاس ایسی تھی کہ آ گئی جاں ہونٹوں پر — صبر ایسا تھا کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

میر انیس کی اس مصوّری کو لکھنؤ کے عوام الناس ان الفاظ میں ادا کرتے تھے کہ "حفظ مراتب جیسا ان کے کلام میں ہوتا ہے وہ انھیں کے ساتھ مخصوص ہے"

میر صاحب کے کلام کو مرزا دبیر کے کلام پر اس باب میں خاص امتیاز حاصل ہے کہ ایسی برجستگی ہر مقام پر مرزا صاحب کے کلام میں نہیں پائی جاتی میر انیس کے ان مصرعوں کو دیکھیے:۔

ع مارا جسے تڑپ کے وہ توسن بہ رہ گیا

ع میداں میں چاندنی ہے کلائی کے نور سے

ع جنگل کو جو دیکھا تو ہوا ہو گیا گھوڑا

اور مرزا صاحب کی اس بیت کو دیکھیے۔ حضرت امام الساجدین نے اپنے پوتے کو آتے ہوئے دیکھا ہے کہتی ہیں ؎

قربان ہو گئی یہ مرا پوتا آتا ہے — بابا کو اس کے قتل کیا روتا آتا ہے

ایسی ڈھیلی بندش میر انیس کے یہاں ہو ممکن نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انیس اپنے کلام پر بار بار نظر کرتے تھے اور دبیر دوبارہ دیکھتے ہی نہ تھے۔ رَو میں قلم سے چست یا سست جو نکلا بعینہ باقی رہا۔

میر انیس کی ایک اور خصوصیت | ایک اور خصوصیت ان کے کلام کی یہ مشہور ہے اور بہت صحیح ہے کہ سلسلہ نہیں ٹوٹنے پاتا واقع میں جو مرثیہ ہے اوّل سے آخر تک ایک مسلسل افسانہ غم ہے۔ میر صاحب مرثیوں میں سراپا اکثر کہا کرتے تھے اور زمانہ قدیم سے شعرا میں اس کا التزام چلا آتا تھا سراپا کہنا شاعر کا فرض تھا سراپا سخن ایک کتاب لکھنؤ میں تالیف ہوئی جس میں ایک ایک عضو کو ردیف قرار دے کر شعرا نے جو غزلیں لکھی ہیں سب جمع کر دی ہیں۔ مرثیہ کی تمہیدیں ایسی بے لطف و بے ربط جو اور لوگوں کے کلام میں پائی جاتی ہیں میر صاحب کے مرثیے اس بے عنوانی سے بالکل پاک ہیں۔ ان کی تمہیدیں نہایت پُر درد و معنی خیز ہوتی ہیں۔ یہ بات میں کسی کے کلام میں نہیں دیکھتا۔ میر صاحب پھر خود ہی کچھ متنبہ ہوئے۔ اور دست و بازو چشم و ابرو و شان و شوکت و دبدبہ و شجاعت کے ذکر پر اختصار کرنے لگے۔ اور اپنے تلامذہ کو بھی روک دیا

سمجھ گئے کہ مرثیہ میں سراپا کہنا بے محل ہی۔ اس فن میں یہ اصلاح میر انیس نے ہی کی ہی۔ ساقی نامہ کبھی مرثیہ میں میر صاحب نے نہیں کہا۔ اُن کے بعد یہ ایجاد ہوا اور بہت ہی بے تکا ثابت ہوا۔

بعض مصرعے میر صاحب کے ایک زمانہ سے مجھے یاد ہیں۔ یاد کیا کہ دل پر نقش ہیں وہ ان مطبوعہ مرثیوں میں نہیں ملتے۔ ع

اترا ہوا چلّہ ہی یہ ابرو کی کماں کا

ع پڑتا ہی دو نگڑا ابھی جیسے اساڑھ میں

اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اُن کا کلام تلف بھی ہوگیا ہی۔

میر صاحب کا مبلغ علم میر صاحب اور مرزا صاحب کے مبلغ علم کے متعلق مشہور ہی کہ مرزا صاحب کو استعداد زیادہ تھی مگر جس بنا پر یہ بات مشہور ہوئی ہی وہ یہ ہی کہ مرزا صاحب بڑے زبردست شاعر تھے ہر رنگ میں اُن کا کلام موجود ہی۔ مگر خاص طرز اُن کا خاقانی کا سا اغلاق و اغراق اور خسرو کے سے صنائع و بدائع ہی۔ بعض مرثیوں میں کچھ بعید الفہم استعارے اور ترکیبیں بھی ہیں۔ مثلاً یہ مرثیہ "دو انجیل مسیح لب شبیر ہی عباس" عوام ناس کا دستور ہی اپنے قصور فہم کو شاعر کے کمال پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ فردوسی سے نظامی زیادہ ذی علم معلوم ہوتا ہی دلیل اس کی یہ کہ سکندر نامہ مشکل ہی شاہ نامہ آسان ہی۔ میر صاحب کے کلام سے اتنا تو معلوم ہوتا ہی کہ علوم متعارفہ سے ناواقف بھی نہ تھے۔ تلوار کی تعریف میں کہتے ہیں۔ ع

ہر جزو تن کو لایتجزیٰ بنا دیا

قاسم بن حسن نے ازرق کو قتل کیا ہی اس مقام پر کہتے ہیں ع

لو کو فیو گرا دیا حرفِ ثقیل کو

ذوق کا یہ مصرع :۔ جو ہر فرد ہی بالفرض تو کیا بے قسمت

یا ایک صاحب کا یہ شعر ؎

میں جزو لایتجزیٰ کو بھی کروں تقسیم
اگر کرے مری قسمت نہ طفرہ نظّام

مصنف کے باخبر ہونے کی خبر دیتا ہی۔ جزو میں اور لایتجزیٰ میں میر صاحب نے فصل کر دیا یہ ہر شخص کا کام نہ تھا۔ یا حرفِ ثقیل کے گرانے کا ذکر کو فیوں سے کس قدر پر لطف ایہام تناسب ہی اس طرح کون کہہ سکتا ہی۔

میر صاحب کے کلام میں بعض صنائع معنویہ اور لفظیہ انگریزی کے ادبیات سے جو لوگ متاثر ہوئے انھوں نے آنکھ بند کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ صنائع و بدائع رخسار فصاحت کے لیے ایک بدنما دھبہ ہی،" اور

اصل امر یہ ہی کہ صنائع معنویہ جان ہیں تخئیل کی اور لفظیہ زیور ہیں کلام کا۔ جو لوگ خوش بیان ہوتے ہیں اُن کی تو گفتگو بھی صنائع وبدائع سے خالی نہیں ہوتی ہاں تصنع کو صنعت سمجھ لینا غلطی ہی۔ تصنع اور شی ہی صنعت اور شی ہی۔ مثلاً ایہام صورت ایک صنعت ہی۔ سننے والے کو معلوم ہو کہ ندی کی آواز آرہی ہی یا مینہ برس رہا ہی یا مثلاً نقارہ بج رہا ہی یا دودھ پیتا بچہ کچھ کہہ رہا ہی۔ فردوسی کہتا ہی ؎

چو کودک لب از شیر مادر بشست | بگہوارہ محمود گوید نخست
ز نقارہ آواز آمد برون | کہ دون ست دون ست گردون دون

خسرو نے اس کا جواب کہا ؎

صدائے طبل دان برآئین او | کہ دین دین او دین او دین او

خسرو اور فردوسی کے دونوں شعروں میں فرق بس اتنا ہی کہ فردوسی نے نقارہ کی دوہری ضرب آخر میں رکھی اور خسرو نے اوّل میں رکھی ہی، اس کے علاوہ دوں اور دیں میں بڑا فرق ہی۔ میرحسن نے اُردو میں یہی معنی پیدا کیے ہیں ع

کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں

مرزا دبیر کا ایک مصرع اس طرح سُننے میں آیا ع

دوں دوں عمر کمینہ کمینہ یزید شوم

میرانیس نے بھی وہی بات دوہرائی ہی مگر آواز کا پاٹ بھی دکھایا ہی ع

گردوں دوں کے پار ہوئی طبل کی صدا

شاہزادہ مرزا جہاں قدر مرحوم کہتے ہیں ؎

سُن لو یہ کہہ رہے ہیں جلاجل بنحر می | لشکر جہنمی ہی یہ لشکر جہنمی

ملائکہ کے پروں کی آواز کو میں نے اس طرح باندھا ہی ؎

آتی تھی پروں سے حَقِّ حَقِّ الحق کی صدا

ہملہ کوئی صنعت نہیں ہی نہ اس سے کوئی معنوی خوبی پیدا ہو نہ لفظی محض ارتکاب تصنع ہی مگر اس میں بھی انیس نے چند بند کہہ کر یہ دکھا دیا کہ ہم اس میں بھی عاجز نہیں ہیں۔ ایک مبصر یہ کہہ سکتا ہی کہ آپ عاجز نہ تھے محنت تو رایگاں ہوئی نقطوں کے نہ ہونے سے کیا خوبی پیدا ہوئی اور شاعر کے نازک دماغ نے کیونکر یہ زحمت گوارا کی اسی طرح صنعت جناس و ایہام تناسب بھی میر صاحب کے کلام میں پایا جاتا ہی جیسے

موت ہنستی ہے

یہ صنعت ارسطو کے وقت سے بلکہ بہت پیشتر سے یونانی و لاطینی زبان میں بلکہ یورپ کے بیشتر و اکثر اہل قلم میں رائج تھی اب اس زمانہ کے علمی انکشافات نے اس صنعت کو مہذّب مجلسوں میں سے نکال دیا۔ نوبت یہ پہونچی تھی کہ واعظ منبر اور جسٹس حکم قتل میں ان صنعتوں کو استعمال کرنے لگے تھے اور یہ ایک ظلم تھا۔ وضع شئی فی غیر محلّہ ہونے میں اس کے شک نہیں۔ دوسرے یہ کہ ابتذال کا خیال بھی لوگوں نے ترک کر دیا تھا۔ اگر بے محل اور مبتذل نہ ہو تو یہ صنعت بھی صنعت ہے۔ مطلقاً اس کے ترک کا حکم نہیں ہو سکتا شاہ ایران کی مدح میں نشاط کا یہ مصرع

نقش سم سمنگت سجدہ گہ سنگیں

اس امر کا شاہد ہے کہ اگر بے محل و مبتذل نہ ہو تو صنعت جناس کلام کا زیور ہو جاتی ہے ایک اردو کی مثال یہ شعر ہے ؎

جھکا کر پلا دے مجھے آج مے
جھنکا کر پلایا تو کیا لطف ہے

ساقی نامہ میں ہے اور ابتذال سے بھی پاک ہے نہ بے محل ہے نہ مبتذل اسے کیوں ترک کریں۔ اعجاز خسروی وغیرہ میں اس قسم کا التزام کہ کہیں بہار کا ضلع اختیار کیا۔ کہیں خزاں کا۔ کہیں عروض کا۔ کہیں منطق کا۔ میر صاحب نے بھی بعض مرثیوں میں اس التزام کی طرف قلم اُٹھایا ہے اور یہ باتیں اُنھیں مرثیوں میں پائی جاتی ہیں جو غالباً مرحوم کے زمانہ شباب کا کلام ہے۔ اس سلسلہ ترتیب کی تیسری جلد میں دیکھنا کہ اکثر مرثیے اسی زمانہ کے کہے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ شباب ہی کے زمانہ میں شاعر ہر رنگ میں ڈوب جاتا ہے۔ ہر میدان کی طرف دوڑنے لگتا ہے گو اُس کا فطری سلیقہ اور طبعی رنگ جو ودیعت صانع ہے اپنی جھلک ان صورتوں میں بھی دکھاتا رہتا ہے۔

اب سے سو برس پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ اُردو کے قافیوں میں بھی ایطا ہو سکتا ہے اور حرف روی و وصل کسے کہتے ہیں۔ قدما کے کلام میں بے کس و بے آس قافیہ چپ و رس و راس و عباس دیکھنے میں آیا۔ اسے ان لوگوں کا اجتہاد سمجھیے کہ راست کی ت جب تقطیع میں نہیں لی جاتی تو قافیہ میں اس کا لحاظ کیا ضرور ہے۔ بے کس و بے آس کی ترکیب میں مجھے حیرانی تھی مگر بات سمجھ میں آگئی کہ آس یہاں اُمید کے معنی پر ہندی لفظ نہیں ہے بلکہ آس عربی کا لفظ چارہ گر کے معنی پر ہے۔ میر صاحب مقطع میں کہتے ہیں ع

لکھنؤ کے طبقہ کو تو سدا رکھ آباد

یہاں فعلاتن کی جگہ مفعولن باندھا ہے جس طرح ناسخ کہتے ہیں ؎

ناسخ قول ہے بجا حضرت میر درد کا

مفتعلن کی جگہ مفعولن باندھا ہے۔ اسی طرح میر صاحب نے بتول عذرا کو بھی نظم کیا ہے مگر جہاں جہاں ہے وہاں اصول عروض سے بہ عمل تسکین درست ہے۔ اور کوئی گنجائش گفتگو کی نہیں ہے۔

میر صاحب کے مرثیوں میں تصرّف اس کے علاوہ میر صاحب و مرزا صاحب کے بستوں سے جو مرثیے نکلنے لگے تو مرثیہ خوانوں کا ایک بڑا فرقہ پیدا ہو گیا کہ ان بزرگوں کا کلام جا بجا مجلسوں میں شہروں شہروں پڑھتے پھرتے تھے۔ بہت لوگوں کا ذریعہ معاش یہی ہو گیا تھا۔ مشکل اُنھیں یہ پیش آتی تھی کہ کسی امیر کی مجلس میں بہت سے ذاکر پڑھنے والے ہیں ان کو بھی پندرہ بیس بند تک پڑھنے کی اجازت ہے۔ اب یہ مرثیہ میں تصرّف کرنے پر آمادہ ہیں۔ چاہتے ہیں بیس ہی بند میں مطلع بھی ہو رخصت بھی ہو۔ رزم بھی شہادت بھی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کچھ موزوں کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں تو خود ہی بند انتخاب کر لیے۔ ربط کے لیے مصرعے بدل بدل دیئے۔ ادھر کی بیت اُدھر لگا دی ایک مرثیے کے بند دوسرے مرثیے میں لگا دیئے بحر بدل گئی تو انھیں خبر نہ ہوئی۔ خود ایسا نہ کر سکے تو کسی دوست سے مشورہ کر کے مرثیہ میں اس طرح کے تصرف کیئے مجھے خوب یاد ہے کہ یہ کام بعض احباب کی خاطر سے میں نے خود کیا ہے اور ایک دفعہ نہیں بہت دفعہ ایسا ہوا ہے۔ مدتوں بڑے مرثیوں میں سے چھوٹے چھوٹے مرثیئے اس ترکیب سے نکلتے تھے اور مجلسوں میں پڑھے جاتے تھے۔ سوزخواں انھیں مرثیوں کی نقلیں لے لیکر اُس پر سوز رکھتے تھے اس سے ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کا کلام شاہ نامہ کی طرح غیر کے تصرف سے پاک نہیں رہا۔

میر صاحب کی زبان میر صاحب کے خاندان کی زبان وہ زبان ہے جو دلی سے فیض آباد سے لکھنؤ میں آئی۔ میر صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

سچ ہے کہ یہ زبان کوئی جانتا نہیں جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

ساتھ ہی اس کے فکر اور سانس کو مونث ہی وہ نظم کیا کرتے ہیں۔ ڈھکیلنے کو ڈھکیلنا ہی کہتے تھے ہتھیار سجانے کو ہتھیار سجنا ہی نظم کرتے ہیں۔ پے کو پہ بولتے تھے۔ ونتّیس کو اونتیس نظم کرتے تھے فرماتے ہیں ؎

باریک بیں سمجھ گئے مطلب انیس کا
اُنتیس کا وہ چاند ہے یہ چاند تیس کا

کچھ قدیم اُردو کے الفاظ میر صاحب کی زبان پر رہ گئے تھے جو اب متروک ہو گئے ہیں مثلاً جگہ کو جاگہ نہ اب دلی میں بولتے ہیں نہ لکھنؤ میں اور سچ پوچھیئے تو صحیح لفظ یہی تھا۔

میر انیس کے کلام کی ترتیب و تصحیح کتنی ہی مرتبہ میرے پاس اطراف ہندوستان سے اُردو زبان کے ہوا خواہوں نے اپنی یہ درخواست بھیجی کہ میر انیس کے کلام کی تصحیح و ترتیب اپنی زندگی میں کر دے۔ پھر کوئی شخص اس کام کے شایاں نہ ملے گا بعض لوگوں نے یہاں تک لکھا کہ اس کے تمام

مصارف بھی ہم دینے کو موجود ہیں منگا لیجئے۔ اور میرا بھی جی چاہا کہ میں ان موتیوں کی ایک لڑی گوندھ کر اُس کی آب وتاب سے بزم ادب کو روشن کر دوں لیکن بُرا ہو اس تعطل و تن آسانی کا کچھ بھی نہ ہوا خدا جزائے خیر دے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات سرکار عالی کو کہ انھوں نے یہ کام مجھ سے لے لیا۔ اسی طرح نواب عماد الملک بہادر نے جس زمانہ میں وہ ناظم تعلیمات تھے مجھ سے دیوان غالب کی شرح لکھوائی ورنہ سارا یہ کلام آج تک اُلجھا ہوا رہ گیا ہوتا میں خود سے کبھی نہ لکھتا شاید اُردو کی اس خدمت سے محروم ہی رہتا۔

ترتیب کلام مجھے اسی طرح اچھی معلوم ہوئی کہ پہلی اور دوسری جلد میں میر صاحب کے وہ مرثیے شایع ہوں جو اُن کی اُستادی کی دلیل اُن کے کمال کی سند ہیں تیسری جلد میں زمانہ شباب کا کلام ہو اُن کے عنفوانِ مشق و زورِ قلم کی یہ مثال اپنے اندازہ و تخمین پر بھروسا کر کے میں نے دکھائی ہی۔ انھیں تین جلدوں میں چند مرثیے ایسے ایسے واقعات کے نکل آئے جن کا ذکر حضرات اہل سنت وجماعت کی مجلسوں میں نہیں چاہیئے مثلاً حضرت رسالت وسیدہ کے حالات وفات و واقعہ شہادت امیر المومنین و امام حسن کے علاوہ بھی بعض مرثیوں کے رجز میں اس قسم کے مضامین دیکھ کر میں نے چوتھی جلد میں یہ سب مرثیے رکھ دیئے۔ پانچویں جلد میں ابتدائی مرثیے ہیں اس موضوع کو کہ اکثر شروع کرتے ہیں اور کسی روایت کو نظم کر کے ختم کر دیتے ہیں مگر میر صاحب کی زبان و طرز بیان کی شان اُس میں بھی موجود ہی۔

تصحیح میں زیادہ تر بھروسا پُرانے قلمی مرثیوں پر کیا گیا لیکن تعجب اس بات پر ہوتا ہی کہ منشی نولکشور کے سوا میر صاحب کے کلام کو جمع کرنے کا کسی کو خیال ہی نہیں آیا۔ منشی صاحب موصوف نے جہاں تک ممکن ہوا نخاس سے قلمی مرثیے خریدے اور کچھ مرثیے جو ذاکروں کے پاس تھے بہ صرف زرِ کثیر مول لے لیئے اور چھپوا دیئے خود میر صاحب کے بستے بیس سات آٹھ مرثیے میر محمد صاحب سلیس کے پاس رہ گئے تھے آخر وہ بھی چھپ گئے۔ غرض تمام مرثیوں کا قلمی ذخیرہ کسی جگہ سے ممکن نہ ہوا۔ کچھ مرثیے میرے پاس تھے کچھ اور احباب سے لیکر کام نکالا۔ جن مطبوعہ مرثیوں کا قلمی نسخہ ملا ہی نہیں اُن کی تصحیح میں اپنی زبان دانی و سخن سنجی سے استعانت کی۔

مثلاً امام حسین نے بچپن میں روزہ رکھا ہی جناب رسالت کی خدمت میں عرض کر رہے ہیں کہ جو بچہ پہلے پہل روزہ رکھتا ہی سو (مطبوعہ)

کچھ کچھ اُسے ماں باپ بھی بھائی بھی ہیں دیتے
حضرت بھی ہیں کچھ روزہ کشائی ہمیں دیتے

دوسرے مصرع کی تصحیح اس طرح کر دی۔ ع

حضرت ہمیں کچھ روزہ کشائی بھی ہیں دیتے

یا مثلاً کسی غازی نے حریف کو نیزہ مارا اُس نے ہاتھ پر روکا نیزہ ہتھیلی میں سے گزرتا ہوا شانہ تک پہنچ گیا۔ اس مقام پر

مصرع (مطبوعہ) یہ ہے:-

نیزہ تو ہاتھ میں گیا ہاتھ آستیں ہوا

اس کی تصحیح اس طرح کی گئی ع

نیزہ تو ہاتھ بن گیا ہاتھ آستیں ہوا

یا مثلاً ایک مرثیہ کا مصرع (مطبوعہ) اس طرح ہے ع

ہے بے نیاز دُہن قصارے سے شمع طور

اس کی تصحیح اس طرح کی گئی ع

ہے بے نیاز دُہن دعصارے سے شمع طور

یا مثلاً بیر الالم کے ذکر میں میر صاحب فرماتے ہیں (مطبوعہ)

بیر الالم کی آگ کا روشن ہے سب پہ حال　　　دو شخص جل کے رہ گئے تھے صورت غزال

اس کی تصحیح اس طرح کی گئی ع

دو شخص جل کے رہ گئے تھے صورتِ زغال

یہ سب مثالیں کاتب کی غلطیوں کی ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے بھی عمداً تحریف نہیں کی ہے بلکہ روہیں کچھ کا کچھ لکھ گیا ہے۔

اس کے علاوہ اہل ادب کی مجلسوں میں میری عمر گزری ہے۔ میں نے جس طرح کسی مصرع یا بیت کو سنا ہے اس کے خلاف اگر چھاپہ میں پایا تو تصحیح کر دی۔

مثلاً میر صاحب کے سلام کی ایک بیت مجھے اس طرح یاد ہے ؎

عالم پیری میں آئے کون پاس

ہے عصا گرجی ہوئی دیوار ہوں

دوسرا مصرع مطبوعہ جلدوں میں اس طرح ہے ع

ہے عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

میر رضا حسین صاحب نگیں کے پاس میر صاحب کے بہت سے سندی مرثیے ہیں اُن کی عنایت سے میرے دیکھنے میں آئے مطبوعہ مرثیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں بھی اُنھوں نے میرے ساتھ زحمت اُٹھائی۔ بعض مرثیے جو اُن کے پاس نہ نکلے اُن کے مقابلہ کے لیئے ولایت حسین خاں صاحب برجیں اور شیخ صاحب علی صاحب کے بستہ کے مرثیے نکلوا لائے نگیں کے والد مرحوم میر صاحب کے خاص شاگردوں میں تھے اُنھیں کے ساتھ

حیدرآباد میں لکھنؤ سے آئے اور یہاں اُن کا منصب ہوگیا۔ خان صاحب و شیخ صاحب میر نفیس کے خاص تلامذہ میں ہیں، ان کو بھی لکھنؤ چھوڑے ہوئے عمر گزر گئی۔ میر ہادی علی صاحب کنتوری شاعر و ذاکر اور میر صاحب کا کلام پڑھنے والوں میں ہیں اُن سے بھی قلمی مرثیے مل نے لیئے اور اُن سے کام نکلا۔ نواب ضیغم جنگ بہادر میر اُنس کے خاص شاگرد و مرثیہ گو ہیں جناب سید محمد حسن صاحب بلگرامی صدر محاسب سرکار عالی بڑے صاحبِ ذوق زبان اُردو کے ادیب ہیں ان دونوں صاحبوں سے بھی چند مرثیے ملے اور مقابلہ میں کام آئے۔

خداوند عالم اس عہد عثمانی کو شوکت صاحب قرآنی عطا فرمائے۔ جس کے بذل وعطا کے صدہا مذہبی و ادبی و سیاسی و اخلاقی کارنامے تاریخ ہند میں ہمیشہ یادگار رہیں گے اُسی کی فیض گستری و علم پروری کا ایک ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ ادبیات زبان اُردو میں جان ڈال دی۔

ح۔ ع۔ طباطبائی

۲۹ر جنوری ۱۹۲۳ء

فہرست مراثی

جلد دُوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ (۱)

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظمِ ثریا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جنھیں نسبت ہے نبیؐ سے

بھر دے دُرِ مقصود سے اس درجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلّم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسنِ بیاں کو
تحسین کا سمٰوات سے غُل تا بسمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہرِ منوّر سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر
کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو وہ دَور اور چلیں جام
جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایّام
صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشیں سے
کوثر کی یہ موج آ گئی ہے خلدِ بریں سے

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبعِ اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
دکھلائے ہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہو صف آرا صفتِ لشکرِ جرّار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خوں خوار
مد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
عالم کو دکھا دے بُرِشِ سیفِ الٰہی
جرات کا دھنی تو ہی یہ چلّائیں سپاہی
لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

تائید کا ہنگام ہے یا حیدرِ صفدر
امداد ترا کام ہے یا حیدرِ صفدر
تو صاحبِ اکرام ہے یا حیدرِ صفدر
تیرا ہی کرم عام ہے یا حیدرِ صفدر
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بکف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں میں ایک طرف ہوں

ناقدریِ عالم کی شکایت نہیں مولا
کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
میں کیا ہوں کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

نیک و بد عالم میں تامّل نہیں کرتے
خاروں کے لیئے رخ طرفِ گل نہیں کرتے
خاموش ہیں گو شیشۂ دل چور ہوئے ہیں
اُلماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خذف کو
اندھیر یہ ہی چاند بتاتے ہیں کلف کو
ضایع ہیں دُر و لعلِ بدخشان و عدن کے
ہی لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر
ہیں بند مرصّع تو ورق خوانِ جواہر
بنیاے رقومات ہنر چاہیئے اس کو
کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار
اب ہی کوئی طالب نہ شناسا نہ خریدار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو آج
ہی باعثِ ایجادِ جہاں خلق کے سرتاج
اُمید اسی گھر کی وسیلہ اِسی گھر کا
میں کیا ہوں مری طبع ہی کیا اے شہِ شاہاں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لا یعلم و لا علم کی کیا سحر بیانی
نہ ذہن میں جودت نہ طبیعت میں روانی
میں کیا ہوں فرشتوں کی طاقت ہی تو کیا ہی

عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
تعریفِ خوش الحانیٔ بلبل نہیں کرتے
اشکوں کے ٹپاٹپ پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں
دُر کو تو گھٹاتے ہیں بڑھاتے ہیں صدف کو
کھو دیتے ہیں شیشے کے لیئے دُرِّ نجف کو
مٹی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے
ہنگامِ سخن کھلتی ہی دکانِ جواہر
دیکھے اسے ہاں ہی کوئی خواہانِ جواہر
سودا ہی جواہر کا نظر چاہیئے اس کو
ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلبگار
ہی کون دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے
ہی آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج
ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندہ محتاج
دولت یہی میری یہی توشہ ہی سفر کا
حسّان و فرزدق ہیں یہاں عاجز و حیراں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخنداں
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی
حضرت پہ ہویدا ہی مری ہیچمدانی
گویا ہوں فقط ہی یہ تری فیض رسانی
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مداح خدا ہی

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے
ہاں سچ ہی کہ اتنی بھی تعلّی نہ روا تھی
مجرم ہوں کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمرا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبّت پہ امامِ ازلی کی
ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر
منظور ہی اک باب میں دو فصل کی تحریر
یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
شعباں کی ہی تاریخ سوم روزِ ولادت
دونوں میں بہر حال ہی تحصیلِ سعادت
مدّاح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہی
مقبول ہوئی عرض۔ گنہ عفو ہوئے سب
شامل ہوا افضالِ محمّد کرمِ ربّ
پشتی پہ ہیں سب رکنِ رکینِ دینِ متیں کے
نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہِ زمن کی
چہرہ کی بحالی سے قبا چست ہی تن کی
اک فرد پُرانی نہیں دفتر میں ہمارے
ہاں ای فلکِ پیر نئے سر سے جواں ہو
ای ظلمتِ غمِ دین تو عالم سے نہاں ہو
شادی ہی ولادت کی ید اللہ کے گھر میں

خود سر بہ گریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
تقصیر بحل کیجیے بے جا کیا میں نے
مولا یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی
بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
تقلیدِ کلامِ جُہلا کی نہیں میں نے
ساری یہ تعلّی ہی حمایت پہ علی کی
دن رات وظیفہ ہی ثنا خوانیٔ شبیر
مولا کی مدد کا متمنّی ہی یہ دلگیر
اِک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو
اور ہی دہم ماہِ عزا یومِ شہادت
وہ بھی عملِ خیر ہی یہ بھی ہی عبادت
کوثر ہی صلا اِس کا بہشت اُس کا صِلا ہی
اُمید بر آئی مرا حاصل ہوا مطلب
ہوتے ہیں علم فوجِ مضامیں کے نشاں اب
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے
بخشی ہی رضا جائزہ فوجِ سخن کی
لو بر طرفی پڑ گئی مضمونِ کہن کی
بھرتی ہی نئی فوج کی لشکر میں ہمارے
ای ماہِ شبِ چار دہم نور فشاں ہو
ای روشنیٔ صبحِ شبِ عید عیاں ہو
خورشید اُترتا ہی شہنشاہ کے گھر میں

اے شمس و قمر اور قمر ہوتا ہے پیدا — نخلِ چمنِ دیں کا ثمر ہوتا ہے پیدا
مخدومۂ عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا — جو عرش کی ضو ہے وہ گہر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے — نو نورِ خدا ہوں گے عیاں نور سے جس کے

اے کعبۂ ایماں تری حرمت کے دن آئے — اے رکنِ یمانی تری شوکت کے دن آئے
اے بیتِ مقدس تری عزت کے دن آئے — اے چشمۂ زمزم تری چاہت کے دن آئے
اے سنگِ حرم جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں — اے کوہِ صفا اور صفائی ہوئی تجھ میں

اے یثرب و بطحا ترے والی کی ہے آمد — لے رتبۂ اعلیٰ شہِ عالی کی ہے آمد
عالم کی تغیری پہ بحالی کی ہے آمد — کہتے ہیں چمن ماہِ جلالی کی ہے آمد
یہ خانۂ کعبہ کی مباہات کے دن ہیں — یعقوب سے یوسف کی ملاقات کے دن ہیں

اے ارضِ مدینہ تجھے فوق اب ہے فلک پر — رونق جو سما پر ہے وہ اب ہوگی سمک پر
خورشید ملا تیرا ستارہ ہے چمک پر — صدقے گلِ تر ہیں ترے پھولوں کی جھلک پر
پر جس پہ فرشتوں کے بچھیں فرش وہی ہے — جس خاک پہ ہو نورِ خدا عرش وہی ہے

یا ختمِ رسل گوہرِ مقصود مبارک — یا نورِ خدا رحمتِ معبود مبارک
یا شاہِ نجف شادیِ مولود مبارک — یا خیرِ نسا اخترِ مسعود مبارک
رونق ہو سوا نور دوبالا رہے گھر میں — اس ماہِ دو ہفتہ کا اجالا رہے گھر میں

اے امتیو ہے یہ دمِ شکر گزاری — ہر بار کرو سجدۂ شکرِ یہ باری
اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمھاری — فردیں عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری
لکھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے — ناجی ہوئے صدقے سے حسین ابنِ علی کے

اے ماہِ معظم ترے اقبال کے صدقے — شوکت کے فدا عظمت و اجلال کے صدقے
اتری ہے برکت فاطمہ کے لال کے صدقے — جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
قرباں سحرِ عید اگر ہو تو بجا ہے — نوروز بھی اس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

قربانِ شبِ جمعہ شعبانِ خوش انجام
پیدا ہوا جس شب کو محمد کا گل اندام
قائم ہوا دین اور بڑھی رونقِ اسلام
ہم پلۂ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال شرفِ بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی شبِ قدر سے پوچھو

وہ نورِ قمر اور در افشانیِ انجم
تھی جس کے سبب روشنیِ دیدۂ مردم
وہ چہچہے رضواں کے وہ حوروں کا تبسم
آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلم
میکال شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریل تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

روشن تھا مدینے کا ہر اک کوچہ و بازار
جو راہ تھی خوشبو جو محلہ تھا وہ گلزار
کھولے ہوئے تھا آہوئے شب نافۂ تاتار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوسِ بریں کی

کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظم
رخ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالم
جبریل و سرافیل کو مہلت تھی نہ اک دم
بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھڑوں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

تھیں فاطمہ بے چین ادھر دردِ شکم سے
منہ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے دم سے
مضطر تھے علی بنتِ پیمبر کے الم سے
آرام تھا اک دم نہ شہِ قلعہ شکن کو
پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسن کو

کرتے تھے دعا بادشہِ یثرب و بطحا
راحم ہے تری ذاتِ مقدس مرے مولا
زہرا ہے کنیز اور مرا بچہ ترا بندہ
آسان کر اے بارِ خدا مشکلِ زہرا
نادار ہے اور فاقہ کش و زار و حزیں ہے
مادر بھی تشفی کے لیے پاس نہیں ہے

ناگاہ درِ حجرہ ہوا مطلعِ انوار
دکھلانے لگے نورِ تجلی در و دیوار
اسماء نے علی سے یہ کہا دوڑ کے اک بار
فرزند مبارک تمہیں یا حیدرِ کرار
اسپند کرو فاطمہ کے ماہِ جبیں پر
فرزند نہیں چاند یہ اترا ہے زمیں پر

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا
تصویرِ رسولِ عربی دیکھ رہے ہیں

فرحت یہ سُنا احمدِ مختار نے جس دم
آئے طرفِ خانۂ زہرا خوش و خرّم
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا

کی عرض یہ اسما نے کہ اے خاصۂ داور
ارشاد کیا احمدِ مختار نے ہنس کر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے

میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ تو نہیں ماہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر
بڑھ کر مددِ سیّدِ لولاک کرے گا

جس دم یہ خبر مخبرِ صادق نے سُنائی
بو اس گلِ تازہ کی محمدؐ نے جو پائی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولِ عربی نے

جان آ گئی یعقوب نے یوسف کو جو پایا
منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیار جو آیا
دِل ہِل گیا کی جب کہ نظر سینہ و سر پر

جوش آیا تھا رونے کا گھم تھام کے رقّت
حیدر سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت
پُرنور ہے گھر تم کو ملا ہے قمر ایسا

نقشہ ہے محمّد سے شہنشاہ کا سارا
اللہ نے اس گھر میں عجب چاند اُتارا
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبی دیکھ رہے ہیں

پس شکر کے سجدے کو جھکے قبلۂ عالم
فرمایا مبارک پسر اے ثانیِ مریم
ٹکڑا ہے یہ فرزند محمد کے جگر کا

نہلا لوں تو لے آؤں اُسے حجرے سے باہر
لے آ کہ نواسا ہے مرا طاہر و اطہر
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

یہ نورِ الٰہی ہے یہ ہے طیب و طاہر
یہ آیتِ ایماں ہے یہ ہے حجتِ باہر
کفّار کے قصّے کو یہی پاک کرے گا

اسما اُسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
ہنسنے لگے سُرخی رُخِ پُرنور پہ آئی
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبی نے

قرآں کی طرح رحلِ دو زانو پہ بٹھایا
بوسے لیے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
چوما جو گلا چل گئی تلوار جگر پر

اس کان میں فرمائی اذاں اس میں اقامت
کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت
دُنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

کیوں کر نہ ہو تم سا پدر اور فاطمہ سی ماں
کی عرض یہ حیدر نے کہ اے قبلۂ ایماں
اعلیٰ ہے وہ سب سے جو مقامِ شہِ دیں ہے
عالم میں ہے یہ سب برکت آپ کے دم سے
تا عرش پہونچ جاتا ہے سر فیضِ قدم سے
کچھ اس میں نہ زہرا کا ہے باعث نہ علی کا
فرمانے لگے ہنس کے شہِ یثربُ بطحا
کی عرض یہ حیدر نے کہ اے سیّدِ والا
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِّ علا پر
بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلِ خوش انجام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہرا کا گل اندام
یہ حسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
حُ سے ہے اشارا کہ یہ ہے حامیٔ اُمّت
یٰ اس کی بزرگی میں ہے یٰسں کی آیت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا
توقیر میں بے مثل شجاعت میں ہے یکتا
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
فیاض نے کونین کی دولت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا ہمّت اسے دی ہے
اعلیٰ ہے معظم ہے مکرّم ہے ولی ہے

دو شمس و قمر کا ہے یہ اک نیّرِ تاباں
حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرِ ذی شاں
بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہے
سرسبزیٔ دُنیا ہے اسی ابرِ کرم سے
عزت ہے غلاموں کی شہنشاہِ امم سے
سب ہے یہ بزرگی کہ نواسا ہے نبی کا
بھائی نے کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا
سبقت کروں حضرت پہ یہ مقدور ہے میرا
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ علام
یا ختمِ رسل ہم نے حسین اس کا رکھا نام
مشتق تو ہے احسان سے تصغیرِ حسن ہے
سمجھیں گے اِسی سین کو سب سینِ سعادت
ہے نون سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوت
یہ حُسن میں دس حصّہ زیادہ ہے حسن سے
تب اُس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
اب اور نہ ہوگا کوئی اس حسن کا لڑکا
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اسی پر
دی ہے جو علی کو وہ شجاعت اسے دی ہے
ان سب کے سوا اپنی محبّت اسے دی ہے
ہادی ہے وفادار ہے زاہد ہے سخی ہے

جب کر چکے ذکرِ کرمِ مالکِ تقدیر
کی صلِّ علیٰ کہہ کے محمد سے یہ تقریر
جب کی ہو زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں
ہو اس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود
ہو ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم و جود
مظلومی و غربت ہو عجب نام پہ اس کے
ہو یہ سببِ تہنیت و تعزیت اس دم
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
ہوگا یہ محرم میں ستم اے شہِ ذی جاہ
تاریخ دہم جمعہ کے دن عصر کے وقت آہ
کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہونگے
چلّائے محمد کہ میں بسمل ہوا بھائی
دل ہل گیا برچھی سی کلیجے میں در آئی
ممکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
جس وقت سُنی فاطمہؓ نے یہ خبرِ غم
چلّاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیِ مریم
خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
ہو ہو کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمنِ جانی
پیراہنِ صد چاک کفن ہوئے گا اس کا

جبریل نے پاس آن کے دیکھا رُخِ شبیر
یا شاہ یہ مہرو تو ہو صاف آپ کی تصویر
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں
یہ پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے
ہو شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توام
بے جرم و خطا ذبح کریں گے اسے ظلم
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چلے گی
چھپ جائے گا آنکھوں سے یہی چاند سا ماہ
نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گمراہ
گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہونگے
اے وائے اخی کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
یہ واقعہ سُن کر نہ جیے گی مری جائی
کیوں کر کہوں زہرا سے خبر مرگِ پسر کی
شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
بیٹی پہ چھری چل گئی یا سیّدِ عالم
کٹ جائے گی ہو ہو مرے شبیر کی گردن
ہو ہو یہ رہے گا تعبِ تشنہ دہانی
ہو ہو مرا محبوب مرا یوسفِ ثانی
سر نیزے پہ اور خاک پہ تن ہوئے گا اس کا

صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے

دُنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی

بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہِ عالم
اب دن ہی چھٹی کا مجھے عاشورِ محرم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سر دھوؤں گی بابا

حیدر ہیں کہاں آکے دلاسا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری
ہاں بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری
دِل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا

مرجائے گا تو تشنہ دہن ہائے حُسینا
اک جان پہ یہ رنج و محن ہائے حُسینا
گاڑیں گے نہ ظالم تنِ صد پاش کو ہے ہے

فرمایا محمدؐ نے کہ اے فاطمہ زہرا
خالق نے دیا ہے اسے وہ رُتبۂ اعلیٰ
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیۂ رب ہے

یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
اماں کے رُلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
اے کاش مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہے جگر سے
بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
مظلوم حسینؑ آج سے میں ان کو کہوں گی

بچھے گی زچہ خانے کے اندر صفِ ماتم
تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلکِ غم
چلّے میں بھی جہلم کی طرح روؤں گی بابا

زہرا کا بُرا حال ہے سمجھا نہیں دیتے
اے ہے مجھے فرزند کا پُرسا نہیں دیتے
آواز تو سُنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

اے میرے شہیدا اے مرے بیکس ترے واری
بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمھاری
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا

ہوجائے گا ٹکڑے یہ بدن ہائے حسینا
کوئی تجھے دے گا نہ کفن ہائے حسینا
رہواروں سے رُوندیں گے تری لاش کو ہے ہے

کیا مرضیِ معبود سے بندے کا ہے چارا
جبریل سوا کوئی نہیں جاننے والا
یہ لال ترا بخششِ اُمّت کا سبب ہے

اس بات کا غم ہے اگر اے جانِ پیمبر — بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلبر
جب قید سے ہووے گا رہا عابدِ مضطر — تربت میں وہی دفن کرے گا اسے آکر
ارواحِ رسولانِ زمن روئیں گی اس کو — سر پیٹ کے زینب سی بہن روئیں گی ہم کو

جب چرخ پہ ہووے گا عیاں ماہِ محرم — ہر گھر میں بپا ہووے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے ملک عرش سے واں رونے کو باہم — ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہوگا نہ کبھی کم
پر نور سدا اس کا عزا خانہ رہے گا — خورشیدِ جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

کیا اوج ہے کیا رتبہ ہے اس بزمِ عزا کا — غل عرش سے ہے فرش تلک صلِّ علیٰ کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں یاں کی فضا کا — پانی میں بھی ہے یاں کے مزا آبِ بقا کا
دربارِ معلّے ہے ولی ابنِ ولی کا — جاری ہے یہ سب فیض حسین ابنِ علی کا

لو یاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہے — وہ فصل خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے
مظلومیِ سلطانِ دو عالم کا بیاں ہے — ہنگامۂ عاشورِ محرم کا بیاں ہے
ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا — لو بزم میں کھلتا ہے مرقع شہدا کا

مطلع

اے خضرِ بیابانِ سخن راہبری کر — اے نیّرِ تابانِ خرد جلوہ گری کر
اے درد! عطا لذتِ زخمِ جگری کر — اے خوفِ الٰہی مجھے عصیاں سے بری کر
بندوں میں لکھا جاؤں امامِ ازلی کے — آزاد ہوں صدقے سے حسین ابنِ علی کے

قدسی کو نہیں بار یہ دربار ہے کس کا — فردوس کو ہے رشک یہ گلزار ہے کس کا
سب جنسِ شفاعت ہے یہ بازار ہے کس کا — خود بکتا ہے یوسف یہ خریدار ہے کس کا
ملتی ہے کہاں مفت متاعِ حسن ایسی — دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

مجلس کا زہے نور خوشا محفلِ عالی — حیدر کے محبوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اس کے جو ہے کونین کا والی — اثنا عشری پنجتنی شیعۂ غالی
ششدر ہو نہ کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہے — یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

ان میں جو مسن ہیں وہ پیمبر کے ہیں مہماں
اور جو متوسط ہیں وہ حیدر کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں علی اکبر کے ہیں مہماں
شیعوں کے پسر سب علی اصغر کے ہیں مہماں
سب خُرد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہیں
پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

ارشادِ نبی ہے کہ مددگار ہیں میرے
فرماتے ہیں حیدر کہ یہ غمخوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے
میں ان کا ہوں طالب طلبگار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

غم میں مرے بچّوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد
اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
بستی مرے شیعوں کی ہے خلق میں آباد
یہ حشر کے دن آتشِ دوزخ سے ہوں آزاد
مرتا ہے کوئی گر تو بُکا کرتا ہوں میں بھی
اُن کے لیئے بخشش کی دُعا کرتا ہوں میں بھی

مردم کے لیئے واجب عینی ہے یہ زاری
رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
ہے وقتِ معین پہ اداطاعتِ باری
یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
رو لو کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ سعادت اسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اسے جانو
ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اسے جانو
فاقے کیئے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمھارے لیئے کیا ظلم سہے ہیں

تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہے ہوا ہے
پانی ہے خنک مروحہ کش بادِ صبا ہے
کچھ گرمیِ عاشورہ کا بھی حال سُنا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے ہنگامِ بُکا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پہ
بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

لو چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کُرۂ نار
پانی پہ دد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہِ ابرار
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اُس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

قطرے جو پسینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار
شاہد الم فاقہ سے ہے زردیِ رُخسار
دُنیا میں ترستے رہے وہ آبِ رواں کو

مطلع سوم

دُنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں
بے دردو الم شام غریباں نہیں گزری
گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش
سرگرم سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
کس باغ پہ آسیبِ خزاں نہیں جاتا
ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دمِ تک
رہتی پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر
فرزند نہ مُسلم کے نہ ہمشیر کے دلبر
سب نذر کو دربارِ پیمبر میں گئے ہیں
منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت
سجّاد سے کچھ کہنے ہیں اسرارِ امامت
مطلوب یہ ہے زیب بدن رختِ کہن ہو

ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اخترِ سیّار
بے آبی سے اودے تھے لبِ لعل گہربار
جن ہونٹوں نے چوسا تھا محمد کی زباں کو
وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
دُنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری
گل پیرہن اکثر نظر آئے ہیں کفن پوش
گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش
شب کو تو چھپر کھٹ ہیں ہے تابوت ہیں دن کو
دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
گل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا
گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام
مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک
شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
قاسم ہیں نہ عباس نہ اکبر ہیں نہ اصغر
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں
پھر لے گئی ہے گھر میں سکینہ کی محبت
بانوے دو عالم سے بھی ہے آخری رخصت
تا بعدِ شہادت وہی ملبوسِ بدن ہو

خیمہ میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت
واں بین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں
حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر
وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں روؤں صفتِ ابر
لٹتے ہوئے اماں کا گھر آنکھوں سے دیکھوں
اس عمر میں تھوڑے غمِ جانکاہ اٹھائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
ہر شخص کو ہاں یوں تو سفر خلق سے کرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا
صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
ہے ہے تمھیں لے کے میں کہاں چھپ رہوں بھائی
کس دشتِ پر آشوب میں قسمت مجھے لائی
زہرا کا پسر وقت جدائی مجھے روئے
زینب کی وہ زاری وہ سکینہ کا بلکنا
وہ چاند سا منہ اور وہ بُندے کا چمکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ
ہم کڑھتے ہیں لو آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
کوثر پہ ہے تم بن نہیں آرام چچا کو

ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانا تھا قیامت
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں
امت کے لیے والدہ صاحب نے سہے جبر
تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مری قبر
ہے ہے تہِ خنجر تمھیں کن آنکھوں سے دیکھوں
اشک آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ بہائے
ٹکڑے دلِ شبر کے لگن میں نظر آئے
انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی
دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
اک دن میں بھرے گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا
لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
یارب کہیں مر جائے یداللہ کی جائی
سب کو تو ہیں روتی ہوں یہ بھائی مجھے روئے
وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی
فرماتے تھے شہ آؤ نہ جانِ پدر آؤ
خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں کی سنگھاؤ
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو

بی بی کہو کیا حال ہے اب ماں کا تمہاری
جب سے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری
تھی سب کی محبت انھیں بیٹے ہی کے دم تک
کس جا ہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں
کچھ ہم سے سنیں کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور لٹے گا
غش میں جو سنی بانوئے مضطر نے یہ تقریر
سر ننگے اٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیر
جاں تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا
یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہ خوش اقبال
تھا قبلۂ عالم کا بھی اس وقت عجب حال
فرماتے تھے جانکاہ جدائی کا الم ہے
وہ کہتی تھی کیوں کر میں اٹھوں اے مرے سرتاج
سر پر جو نہ ہوگا پسر صاحب معراج
چھوٹے جو قدم مرتبہ گھٹ جائے گا میرا
یاں آئی ہیں جب خانۂ کسریٰ ہوا برباد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد
لونڈی سے بہو ہو گئی زہرا و علی کی
چھبیس [26] برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو
شب بھر رہے تکیہ سر اقدس کا جو بازو
سر پہ نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب

کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری
دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری
کیا آخری رخصت کو بھی آئینگی نہ ہم تک
ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انھیں پائیں
اک دم کے مسافر ہیں ہمیں دیکھ تو جائیں
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا
ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرت شبیر
چلائی مجھے ہوش نہ تھا یا شہ دلگیر
یہ خادمہ رخصت کے لیے آتی ہے آقا
قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال
روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
اٹھو تمہیں روح علی اکبر کی قسم ہے
والی انھیں قدموں کی بدولت ہے مرا راج
چادر کے لیے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
قربان گئی تخت الٹ جائے گا میرا
وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبی کی
اب ہجر ہے تقدیر میں یا سید خوش خو
ہے ہے اسے اب رسی سے باندھیں گے جفا جو
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے
ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے

وارث محن اس دار کو داور نے کہا ہے
ہر چشم سے خون جگر اس غم میں بہا ہے

فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
ساتھ آٹھ برس تک نہ رہا زہرا و علی کا

سو سو برس اک گھر میں محبت سے رہے جو
اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا ان کو

کچھ مرگ سے چارہ نہیں ای بانوے خوشخو
ہے شاق فلک پر کہ رہیں ایک جگہ دو

کس کس پہ زمانہ نے جفا کی نہیں صاحب
اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب

لازم ہے خدا سے طلب خیر بشر کو
تھامے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو

آنا ہے تمھیں بھی وہیں جاتے ہیں جدھر کو
وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو

کھولے گا وہ رسی سے بندھے ہاتھ تمھارے
سجاد سا بیٹا ہے جواں ساتھ تمھارے

زینب کو تو دیکھو کہ ہے کس دکھ میں گرفتار
ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار

تنہا ہیں کہ بیجاں ہوئے دو چاند سے دلدار
دنیا سے گیا اکبر ناشاد سا غمخوار

بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہے
ان کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

یہ کہہ کے کچھ الفاظ کہے گوش پسر میں
بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں

اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
غش ہو گئی زینب یہ اٹھا درد جگر میں

ٹھہرا نہ گیا واں شہ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

کچھ بڑھ کے پھرے جانب قبلہ شہ بے پر
کعبے کی طرف عرش میں گردن انور

تھرائے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
کی حق سے مناجات کہ ہے خالق اکبر

حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

یارب یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے

بے کس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
سب ہیں ترے دریا کے گہر تیرے حوالے

عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

میرے نہیں بندے ہیں ترے اے مرے خالق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدی پہ منافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امام ازلی کی
میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں
ناموس لٹیں قید ہوں اور شام میں جائیں
بیڑی ہیں قدم طوق میں عابد کا گلا ہو
یہ کہہ کے گریبان مبارک کو کیا چاک
میت ہوئے شبیر کفن بن گئی پوشاک
مڑ کر نہ کسی دوست نہ غمخوار کو دیکھا
گردان کے دامن علی اکبر کو پکارے
لخت دل شبیر کدھر اس وقت سدھارے
آتے نہیں مسلم کے جگر بند کہاں ہیں
تنہائی میں ایک ایک کو حضرت نے پکارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسد اللہ کا پیارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
شبدیز نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا
زیور نے عجب حسن خدا ساز دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک چرخ بریں پر
اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر
واللہ تعلیٰ نہیں یہ کلمۂ حق ہے

بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ تو ہی رازق
نہ دوست ہے دنیا نہ زمانہ ہے موافق
دو بیٹیاں دو بہوئیں ہیں اس گھر میں علی کی
یا اہل ستم آگ سے خیمہ نہ جلائیں
مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
جس میں تری محبوب کی امت کا بھلا ہو
اور ڈال لی پیراہن پرنور میں کچھ خاک
بس فاتحۂ خیر پڑھا با دل غمناک
پاس آ کے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا
تھامو مرے گھوڑے کی رکاب اے مرے پیارے
بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں
کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
اونچا ہوا افلاک امامت کا ستارا
غل تھا کہ چلا قطب زماں عرش بریں پر
ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
فتراک نے اوج ہما پرواز دکھایا
غل تھا کہ پھر اترا ہے براق آج زمیں پر
حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
ہیں یوسف کنعان رسالت کی ہم تصویر
عالم کے مرقع میں حسین ایک ورق ہے

واللہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی
ہاں میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی
محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی
یوں سب ہیں مگر سبطِ پیمبر نہیں کوئی
باطل ہے اگر دعویِ اعجاز کرے گا
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا
اقبالِ علی خلقِ پیمبر ہمیں بخشا
سرداریِ فردوس کا افسر ہمیں بخشا
قدرت ہمیں دی نور ہمیں نہر ہمیں بخشا
ہم نور ہیں گھر طورِ تجلا ہے ہمارا
تختِ بن داؤد مصلّا ہے ہمارا

نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج
قوسین مکاں ختمِ رسل صاحبِ معراج
ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج
باپ ایسا صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج
لڑنے کو اگر حیدرِ صفدر نہ نکلتے
بت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے
کس مرحلۂ صعب کو سر کر کے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے
تھی کونسی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے
تھا کون جو ایمان تہِ صمصام نہ لایا
اُس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

اصنام بھی کچھ کم تھے نہ کفار تھے تھوڑے
طاقت تھی کہ عزّیٰ کو کوئی لات سے توڑے
بدکیشوں نے سجدے بھی کیے ہاتھ بھی جوڑے
بے توڑے وہ بت حیدرِ صفدر نے نہ چھوڑے
کعبے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
نکلے اسد اللہ اذاں دے کے حرم سے

اس عہد میں مالک اُسی تلوار کے ہم ہیں
جرار پسر حیدرِ کرار کے ہم ہیں
فرزند محمد سے جہاندار کے ہم ہیں
وارث شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
کچھ غیرِ کفن ساتھ نہیں لیکے گئے ہیں
تابوتِ سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

یہ فرق پہ عمامۂ سردارِ زمن ہے
یہ تیغِ علی ہے یہ کمر بندِ حسن ہے
یہ جوشنِ داؤد ہے جو حافظِ تن ہے
یہ پیرہنِ یوسفِ کنعانِ محن ہے
دکھلائیں سند دستِ رسولِ عربی کی
یہ مہرِ سلیماں ہے یہ خاتم ہے نبی کی

دیکھو تو یہ ہے کون سے جرّار کی تلوار
کس شیر کے قبضے میں ہے کرّار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
بجلی کی تو بجلی ہے یہ تلوار کی تلوار
قہر و غضبِ اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے
کہتے ہیں اسے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے

دم لے کہیں رُک کے وہ روانی نہیں اس میں
چلنے میں سبک تر ہے گرانی نہیں اس میں
جز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں
جل جائے سب آگ ہے پانی نہیں اس میں
چھوڑے گی نہ زندہ اُسے جو دشمنِ دیں ہے
نابیں نہیں غصّے سے اجل چیں بہ جبیں ہے

سب قطرے ہیں گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں
ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرا ہیں تو ہم ہیں
افضل ہیں تو ہم عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
تعلیمِ ملک عرش پہ تھا ورد ہمارا
جبریل سا اُستاد ہے شاگرد ہمارا

گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا
بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے میں بجز خاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شورِ اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

محسن سے بدی ہے یہی احساں کا عوض واہ
دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بدخواہ
گمراہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ
لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو واللہ
مل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
ہیں فوج سے بچ جاؤ گے تم قہرِ خدا سے

بستی میں کہیں مسکن و ماوا نہ کروں گا
یثرب میں بھی جانے کا ارادا نہ کروں گا
صابر ہوں کسی کا کبھی شکوا نہ کروں گا
اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

اعدا نے کہا قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے
ناری تو ہیں دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
فریادِ رسولِ دوسرا سے نہیں ڈرتے
خاتونِ قیامت کی بکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ جدھر دولتِ دنیا ہے اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

حضرت نے کہا خیر خبردار صفوں سے
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے
غربت کے چلن دیکھ چکے حرب کو دیکھو
ہاں گوشۂ عزلت خمِ شمشیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا
عنقائے ظفر فتح کا در کھول کے نکلا
جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہ نو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
بالا سے جو آئی وہ بلا جانبِ پستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دو دستی
زور اُن کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
بجلی سی جو گر کر صفِ کفار سے نکلی
گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ راہِ داماں کے
افلاک پہ چمکی کبھی سر پر کبھی آئی
گہ پڑ گئی سینہ پہ جگر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کو نسا قصہ تھا فرس کا
بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن رنگ تھا مرد سے ہرا تھا

آیا غضبُ اللہ کا ہشیار صفوں سے
کب بختی رکتے ہیں دو چار صفوں سے
لو بندۂ زر ہو تو مری ضرب کو دیکھو
واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
شہبازِ اجل صید کو پر تول کے نکلا
دکھلائے ہوا میں دو سر اک شمع کی لو نے
ناکا سپرِ مہر کو شمشیر کی ضو نے
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو
بس نیست ہوئی دم میں ستم گاروں کی ہستی
معلوم ہوا لٹ گئی سب کفر کی بستی
ٹوٹیں جو صفیں ہمت اسد اللہ نے توڑے
آوازِ بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
چلّے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے
کوندی کبھی جوشن پہ سپر پر کبھی آئی
تڑپی کبھی پہلو پہ کمر پر کبھی آئی
باقی تھا جو کچھ کاٹ دہ حصہ تھا فرس کا
ندی اُدھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی آئی
جوہر نہ کہو ہیٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دمِ جنگ پریوش اُسے کہنا
اِس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
سیبِ چمن خلد کی بو باس تھی پھل میں
سر ٹپکے تو موج اُس کی روانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہنچے
دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اُس کی بُجھی تھی

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی
کیا صاحبِ جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
ہر ڈال کے پھولوں کو اُڑاتا تھا پھل اس کا
ڈر جاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اُس کا
اس در سے گئی کھول کے وہ در نکل آئی

تیروں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں پہ رسالوں کی طرف سے
بس ہو گیا دفتر نظر ہی نام و نسب کا
پہونچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے

چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا
کہتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے

معشوق بھی سُرخ لباس اس نے جو پہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دولھن پھولوں کا گہنا
رہتی تھی وہ شبیر سے دولہ کی بغل میں
قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھری تھی

دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا
تھا لشکرِ باغی میں ازل سے عمل اُس کا
تھا قلعۂ چار آئینہ گویا محل اُس کا
گہ صدر میں بیٹھی کبھی باہر نکل آئی

جا پہونچی کمانداروں پہ بھالوں کی طرف سے
مُنہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا
ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

چورنگ تھے جینے تو کلیجہ تھا دو پارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے

معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
ڈر ڈر کے قدر انداز سنانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ اب ہمیں یا شاہِ زماں دو

شہ کہتے تھے ہے باڑھ پہ دریا نہ رکے گا
بے فتح و ظفر دلبرِ زہرا نہ رکے گا
ہے بحرِ غضب نام ہے قہرِ صمد اس کا
اس صف سے گئے بیچ سے اس غول کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغِ دو سر تول کے نکلے

دنیا جو بچی روحِ محمدؐ کا سبب تھا
لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امّت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
دعوت یونہیں کرتے ہیں مسافر کو بلا کر

پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
بھولی نہیں اکبر کی ہمیں تشنہ دہانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے

ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے

چلّاتے تھے قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے
دب دب کے سرِ عجز کمانوں نے جھکائے
سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
پھیلائے تھے دامن کو پھریرے کہ اماں دو

اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رکے گا
تا غرق نہ فرعون ہو موسیٰ نہ رکے گا
رکنے کا نہیں شام تلک حملہ رواں اس کا
جو فوج چڑھی منہ پہ اسے رول کے نکلے
گویا درِ خیبر کو علی کھول کے نکلے

شبیر اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا
شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبّت تھی زیادہ
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو رو کو ہمیں آ کر
ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر

اب زہر یہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے
وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہ کے ہاتھی کو پکارے
لڑتے ہوئے آپہونچے ہیں دریا کے کنارے
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹھوں کو ملادو
لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے
غافل ہو برادر تمھیں کس طرح جگائے
خوش ہونگا میں آگے جو علم لیکے بڑھو گے
کہکر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابنِ ولی پر
کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو
برگشتہ زمانہ تھا شہِ تشنہ گلو سے
جھک جاتے تھے ہرنے پہ جو غش میں شہِ ابرار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرِ دل افگار
اتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
زخمی ہی نہیں اب تری تکلیف گوارا
کیا بات تری خوب دیا ساتھ ہمارا
تو جس میں پلا ہی وہ گھر اک دم میں لٹے گا
گھیرے ہیں عدو خیمے تلک جا نہیں سکتے
مشکل ہی سنبھلنا تجھے دوڑا نہیں سکتے
حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہی زخموں کے تعب کا

الفت ہمیں لے آئی ہی پھر پاس تمھارے
عباس غش آتا ہی ہمیں پیاس کے مارے
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلادو
اٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے
ہی عصر کا وقت ای اسداللہ کے جائے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے
تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
سب ٹوٹ پڑے ایک حسین ابنِ علی پر
سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر سہ پہلو
سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سید کے لہو سے
منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
اب خاتمۂ جنگ ہی ای اسپِ وفادار
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا
گرتے ہیں سنبھلنے کا ہمیں بھی نہیں یارا
آپہونچا ہی منزل پہ یداللہ کا پیارا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا
کھوئی ہی جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے
میں دردرسیدہ ہوں مجھے درد ہی سب کا

کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری
گھوڑے نے سُنیں درد کی باتیں جو یہ ساری
چتوں کو بھی رقت ہوئی اس لطف و کرم پر
گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اُتریے
تلواریں لیئے گرد ہیں اعدا نہ اُتریے
ای وائے ستم صدر نشیں خاک نشیں ہو
شہ نے کہا تا چند مسافر سے محبت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہے صورت
بہتر ہی کہ اتروں نہیں تیورا کے گروں گا
ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اُترنا
گو مرحلہ صعب ہے دُنیا سے گزرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
اس دُکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی
کپڑے تنِ پُر نور کے سب خوں میں بھرے تھے
منھ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستمگار
رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جُدا ہو
یہ کہہ کے جو سر کا اسد اللہ کا جایا
فریاد نے زہرا کی دو عالم کو ہلایا
تڑپے نہ رہے صبر امامِ دو جہاں کا

میں نے تو کسی دن تجھے قمچی نہیں ماری
ڈونڈیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
منھ رکھ دیا اُس مرکبِ شہِ والا کے قدم پر
دم ہے ابھی مجھ میں مرے آقا نہ اُتریے
سب فوج چڑھی آتی ہے مولا نہ اُتریے
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو خالی مرا زیں ہو
وہ تو نے کیا ہوتا ہے جو حقِ رفاقت
نہ ہاتھ میں نہ پاؤں میں نہ قلب میں طاقت
پھٹ جائیں گے سب زخم جو غش کھا کے گروں گا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
ذی حق ہیں ہمیں اس کے کہ ورثہ ہے پدر کا
خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے
جا ڈیوڑھی پہ ای صاحبِ معراج کے رہوار
زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبردار
لے جائیو بانو کو جدھر حکمِ خدا ہو
ایک تیر جبیں پر بنِ اشعث نے لگایا
پیکانِ سر پہلو عقبِ سر نکل آیا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا تھا نہ وہ تیر
ابرو تک اُتر کر جو اُٹھی ظلم کی شمشیر
چلائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبی کا
بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہِ بے پیر
تھے ذکرِ خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
نیزے کا بنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار
ناوک بنِ کاہل کا کلیجے کے ہوا پار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
تھرّا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار
خوش ہو کے پکارا پسرِ سعد جفاکار
آخر ہی بس اب کام امامِ ازلی کا
لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہو گیا محشر
اِک سیّدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر
چلائے لعیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
ہلتا تھا فلک ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر
فرماتی تھیں فضہ جو اُڑھا دیتی تھی معجر
سر ننگے یوں ہیں جاؤنگی روضہ پہ نبی کے
اُس بھیڑ میں آکر وہ ضعیفہ یہ پکاری
گھوڑا تو ہے کوتل کدھر اتری ہے سواری
مرجاؤں گی حضرت کو چھپانے کی نہیں ہے

جو سر پہ لگی تیغِ بنِ مالکِ بے پیر
سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیر
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علی کا
جھکتے تھے کبھی غش میں اُٹھاتے تھے کبھی سر
یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
بازو میں در آیا تبرِ خولیِ خونخوار
دم رُک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا
شور دہلِ فتح ہوا فوج میں اک بار
ای خولی و شیث و بنِ ذی الجوشنِ جرّار
سر کاٹ لو سب مل کے حسین ابنِ علی کا
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
بُرقع تھا نہ مقنع تھا نہ موزے تھے نہ چادر
لو فاطمہ آتی ہے بچانے کو پسر کے
بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں کے گوہر
فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں چادر
پردا تو گیا ساتھ حسین ابنِ علی کے
ای سبطِ نبیؐ ابنِ علی عاشقِ باری
بھیّا بہن آئی ہے زیارت کو تمھاری
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں ہے

اُس وقت شہِ دیں نے سنی زاریِ خواہر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستمگر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آکے
اُٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
دوڑی یہ صدا سن کے یداللہ کی جائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا
سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پُکاری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربی کی
ہے ہے پسرِ صاحبِ معراج حسینا
گویا کہ علی قتل ہوئے آج حسینا
پُرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
قربان بہن اے مرے سرور مرے سیّد
اے فاقہ کش و بیکس و بے پر مرے سیّد
دیتے ہو صدا کچھ نہ بلاتے ہو بہن کو
بھیا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سیّدِ ذی جاہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی

جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہہ خنجر
زینب نکل آئی کہ ٹھہر جا ابھی دم بھر
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے
دی شہ نے یہ زینب کو صدا اشک بہا کے
دیکھو گی کسے ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں
چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی
پہونچیں تو سناں پر سرِ شبیرؑ کو دیکھا
دُکھ پائے بہن آپ کی مظلومی کے واری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہرا و علی کی
پردیس میں بیووں کا لُٹا راج حسینا
ہے ہے کفن و گور کے محتاج حسینا
لاشا بھی زمیں پر سے اُٹھاتا نہیں کوئی
مذبوحِ قفا کشتۂ خنجر مرے سیّد
پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر مرے سیّد
کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو
احمد ہیں نہ زہرا نہ حسن ہیں نہ یداللہ
چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
بھینا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی

ای مرے شہیدا ای مرے ماں جائے برادر
کس سے ترا لاشہ بہن اُٹھوائے برادر

کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر

انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بیجاں نہیں کرتا

خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل سینہ میں بیچین
لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینب نے کیے بین

اب حق سے دعا مانگ کہ ای خالقِ کونین
حاسد ہیں بہت دل کو عطا کر مرے تو چین

ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچمداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

رباعی میر انیسؔ

غیر مطبوعہ

دھوپ آکے یہاں پہ زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
آہوں کے ہیں پنکھے اور آنسوؤں کا چھڑکاؤ
یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

رباعی

کیوں کر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے
جب ملک کو چرخِ پیر برباد کرے
مانگو یہ دُعا کہ پھر خداوندِ کریم
اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

ایضاً

انساں ذی عقل و ذی ہوش ہو جاتا ہے
اور صاحبِ چشم و گوش ہو جاتا ہے
گر جان نہیں سخن تو بتلایئے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

مرثیہ (۲)

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہِ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
سجدوں سے نمازوں سے یہ رفعت کی سحر ہے
پیاسے ہے یہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہے
لٹنے کا نبا ہی کا پریشانی کا دن ہے

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی
دولت نہ رہے گی نہ بضاعت نہ کمائی
آج احمد و حیدر کے گریبان پھٹیں گے
بندہ وہ ہے جو دکھ میں رہے صابر و شاکر
بہتر ہے اُسے جتنا سبکبار مسافر
خلقت ہمیں سر پیٹ کے روئے گی جہاں میں

جو اہلِ حرم پردۂ عصمت میں ہیں مستور
مسکن سے نئی رانڈ نہ نکلے یہ ہے دستور
غش ہو گی کبھی اور کبھی اُشتر سے گرے گی
مرتا ہے پدر جس کا اُسے دیتے ہیں پُرسا
آزار میں عابد پہ ستم ہوئیں گے کیا کیا
اک حشر بپا تحت میں اور فوق میں ہو گا

سجدوں میں مہم عشق کی سر کی شہِ دیں نے
مڑ کر رُخ اکبر پہ نظر کی شہِ دیں نے
لو اُٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا
رونے کی تذلّل کی عبادت کی سحر ہے
عاشورِ محرم ہے شہادت کی سحر ہے
اولادِ پیمبرؐ کی یہ قربانی کا دِن ہے

یہ صبح دکھائے گی بھرے گھر کی صفائی
بیٹے سے جدا ہو گا پدر بھائی سے بھائی
اٹھارہ بنی فاطمہ کے حلق کٹیں گے
اک جان ہے سو موجود ہے اک سر ہے سو حاضر
یہ مرحلۂ عمر کی ہے منزلِ آخر
اب صبح کو کوئی ہم کو نہ ہوئے گی جہاں میں

کھل جائیں گے انبوہ میں اُن کے سرِ پُر نور
ان رانڈوں کا خیمہ بھی جلا دیں گے یہ مقہور
زہرا کی بہو شام میں سر ننگے پھرے گی
ہوئے گی یتیموں پہ مرے قہر کی ایذا
لے جائیں گے تا شام اُسے کانٹوں پہ اعدا
بیڑی میں قدم ہوں گے گلا طوق میں ہو گا

یہ کہہ کے بڑھے باہر تیمم شہِ صفدر
جنگل میں اذاں دینے لگا دلبرِ سرور
وہ صوتِ حسن اور وہ خوش الحانیِ اکبر
ہر شخص کو یاد آگئی آوازِ پیمبر
ہر نخل کو اک وجد تھا اس ظلم کے بن میں
تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

اکبر کی صدا سنتے ہی زینب یہ پکاری
تا حشر رہے خلق میں آواز تمھاری
قرباں موذن کے نمازی کے میں واری
قایم یہ جماعت رہے یا حضرتِ باری
ہر شام یونہیں طاعتِ معبود ادا ہو
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

آگے تھے عبا اوڑھے ہوئے شاہِ حجازی
پیچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی
ابرارِ جہاں فخرِ زماں صفدر و غازی
تھی اُن پہ خدا کو نظرِ بندہ نوازی
دُنیا میں یہ رُتبے نہ کبھی ہونگے کسی کے
معراج میں تھے ساتھ حسین ابن علی کے

وہ چاند سے چہرے وہ سپید اُن کی عبائیں
وہ خشک زبانوں پہ اثر دار دعائیں
لہجے وہ عرب کے وہ خوش انداز صدائیں
مشتاق تھیں حوریں کہ یہ جلدی اِدھر آئیں
اِک جوشِ محبت انھیں دکھلاتا تھا کوثر
کیا سب کی مُلاقات پہ لہراتا تھا کوثر

تسبیح و وظائف سے ہوئی جبکہ فراغت
حضرت نے پڑھی اُٹھ کے محمد کی زیارت
بس ہوگئی اک مجلسِ ماتم وہ جماعت
فرما کے یہ اُن سب سے گئے خیمہ میں حضرت
باہر علمِ فوجِ خدا لاتے ہیں جلدی
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

یاں لشکرِ اسلام مسلح ہوا سارا
واں کفر کی فوجیں ہوئیں میداں میں صف آرا
تھا رانڈوں کے حلقے میں یداللہ کا پیارا
چلّاتی تھیں سب ہائے مددگار ہمارا
پہلو سے پدر کے نہ سرکتی تھی سکینہ
لپٹی ہوئی دامن سے بلکتی تھی سکینہ

رخصت ہوئے رانڈوں سے جو شبیر بصد یاس
کاندھے پہ علم رکھ کے بڑھے حضرتِ عباس
مولا کے جگر بند مسلح تھے چپ و راس
وہ رنگ وہ گلدستۂ شبیر کی بو باس
ڈوبا تھا بدن عطر میں ایک ایک حسیں کا
پردا جو اُٹھا کُھل گیا درِ خلدِ بریں کا

گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے پہونچے جو وہ صفدر
ٹھہرا گیا مقتل میں ستمگاروں کا لشکر
ہر چند وہ دو لاکھ جواں تھے یہ بہتر
تھا رعبِ حق ایسا کہ صفیں ہو گئیں ابتر
اس فوج کا مالک پسرِ شاہِ نجف تھا
کثرت تو اُدھر تھی پہ خدا ان کی طرف تھا

چلّوں سے ملاتے تھے جو ناوک قدر انداز
ہنستے تھے اِدھر چھاتیاں تانے ہوئے جانباز
تھا عشق جگر گوشۂ زہرا پہ انھیں ناز
غل تھا کہ نہ ہے فوج نہ ہے شاہِ سرافراز
پہلو سے جدا سرورِ نامی کے نہ ہوں گے
باہر کبھی حلقے سے غلامی کے نہ ہوں گے

ناگاہ جفا کیشوں کی جانب سے چلے تیر
شہ کے رفقا ہو گئے سب دست بہ شمشیر
گھبرا کے بڑھے چند قدم حضرتِ شبیر
فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے پیر
للّٰلہ کرو پاس رسولِ عربی کا
آخر میں نواسا ہوں تمھارے ہی نبی کا

مہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر بتادو
سرزد ہوئی ہے کونسی تقصیر بتادو
کس امر پہ مجرم ہوا شبیر بتادو
شر رفع ہو ایسی کوئی تدبیر بتادو
روئے گی اگر بنتِ نبی عرش ہلے گا
بربادیِ سادات سے کیا تم کو ملے گا

بے کس جو ہو چین اہل جہاں دیتے ہیں اس کو
گھر چھوڑ کے جو آئے مکاں دیتے ہیں اس کو
لبِ تشنہ جو ہو آبِ رواں دیتے ہیں اس کو
طالب جو اماں کا ہو اماں دیتے ہیں اس کو
مہمان سے یوں ترکِ مروّت نہیں کرتے
تم لوگ تو خالی بھی محبت نہیں کرتے

کھانے کا نہ خواہاں ہوں نہ پانی کا طلبگار
کیا وجہ جو تم سب ہو مرے درپئے آزار
یہ اُس پہ تعدّی جو بلا میں ہو گرفتار
حاجی بھی ہوں اور قبرِ نبی کا بھی ہوں زوار
ماتم ہے بپا آلِ رسولِ مدنی میں
پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں

بچّوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے
اس گرمی میں دریا سے کنارا کیا میں نے
دُکھ درد میں کیا پاس تمھارا کیا میں نے
کچھ اپنے نہ آرام کا چارا کیا میں نے
صابر ہوں نظر جانبِ دریا نہیں کرتا
دو روز کا پیاسا ہوں پہ شکوا نہیں کرتا

سُن کے پکارا پسرِ سعد جفاکار
ہم حکم سے حاکم کے نہیں پھرنے کے زنہار
جلّادوں سے خواہانِ اماں قبلۂ دیں ہیں
حضرت نے کہا خیر خوشی جس میں تمھاری
ہاں بیکس و بے پر ہوں اے فرقۂ ناری
اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہوگے
اعدا سے یہ کہکر جو پھرے سیّدِ خوش خو
یوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو
منہ بھائی کا تکتا تھا کبھی گاہ پسر کا
کانپا جو کئی بار وہ مولا کا فدائی
بڑھ کر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہے بھائی
سیّد پہ جفا ہوتی ہے مرجانے کی جا ہے
شہزادۂ کونین ہے وہ صاحبِ توقیر
بیکس کے لیئے تیز ہیں تیغ و تبر و تیر
دو روز سے خاصانِ خدا تشنہ گلو ہیں
لڑتا ہوں تو بربادیِ عقبیٰ ہے سراسر
دشمن ہو یہ ہر سِتم آرا نہ لڑوں گر
سب خوش ہیں مری جان پہ دو دن سے بنی ہے
کیا شور بھی قسمت کہ ہوئے کس کے نمکخوار
کچھ غم نہیں سر جائے کہ تاراج ہو گھر بار
ہوں قول کا صادق جو کہا ہے وہ کروں گا

بے سود یہ تقریر ہے یا سیدِ ابرار
بیعت نہیں منظور تو پھر کھینچیئے تلوار
اس جنگ میں یا ہم نہیں یا آپ نہیں ہیں
کچھ جناب سے فرزندِ پیمبر نہیں عاری
پر لے گا مرے خوں کا عوض حضرتِ باری
بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہوگے
تھرّا گئے مظلومیِ حضرت پہ جفا جو
آنکھوں سے مگر حُر کی ٹپکنے لگے آنسو
بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشا تھا جگر کا
ثابت ہوا بیٹے پہ کہ سردی سے تپ آئی
تب حُرِّ جری نے اُسے یہ بات سنائی
یہ خوفِ جہنم سے بدن کانپ رہا ہے
بے جرم نبی زادے کیے رہتے ہیں یہ بے پیر
کس طرح بچاؤں کوئی بنتی نہیں تدبیر
مظلوم کی اک جان ہے اور لاکھ عدو ہیں
قتلِ پسرِ فاطمہ ہے قتلِ پیمبر
بچّے ہوں مصیبت میں گرفتار لٹے گھر
مرجاؤں گلا کاٹ کے یہ دل میں ٹھنی ہے
اللہ کے محبوب کا دشمن ہے جو غدّار
حق جس کی طرف ہے میں اُسی کا ہوں طلبگار
فرزندِ پیمبر کی رفاقت میں مروں گا

چہرہ مرا دفتر میں شہیدوں کے لکھا ہی
تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پروا مجھے کیا ہی
سب جیتے ہی جی تک ہیں ہوا آلِ نبی کے
بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہی پھر کیا
ساتھ اُس کا میں دونگا کہ جو ہی بیکس و تنہا
یاں کفر ہی ایماں کی اُودھر جلوہ گری ہی
بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہی سعادت
بھائی نے کہا کفر ہی حاکم کی اطاعت
مظلوم سے دور و نزدیک سپاہیے سے لڑیں ہم
سو سر ہوں تو زہراؔ کے جگر بند پہ واریں
سو بار جئیں مر کے تو ہمت کو نہ ہاریں
ہمراہیِ غدّار و بد افعال پہ لعنت
عبدِ حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر
دُنیا میں نہ ہوگا عمرِ سعد سا بے پیر
حافظ ہی خدا زور سے تلوار کے چلیے
حُر نے کہا احسنت مرے عبدِ وفادار
تعجیل مناسب نہیں ای صفدر و جرّار
پاک اپنے گناہوں سے جو ہولیں تو لڑیں گے
یہ کہہ کے گیا پاس عمر کے وہ دلاور
بولا وہ لعیں دستِ نجس پھیر کے مُنہ پر
کھولوں گا کمر لوٹ کے گھر سبطِ نبی کا

بہکا ہوں مگر ابنِ علی راہ نما ہی
ہر شخص کے اعمال جدا قبر جدا ہی
تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے
بولا حُرِ دیندار کہ خوشنودیِ زہرا
فرزندِ نبی نورِ خدا سیّدِ بطحا
تھوڑوں کا جو دے ساتھ وہ غازی ہی وہ جری ہی
آنکھوں سے چلیں گے کہ یہ ہی عین عبادت
کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترکِ رفاقت
کیا خوب محمدؐ کے نواسے سے لڑیں ہم
سو بیٹوں کو صدقے شہِ والا پہ اُتاریں
دُنیا کے لیے بندۂ مقبول کو ماریں
دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اُس مال پہ لعنت
گر لاکھ ہوں جانیں تو نثارِ سرِ شبیر
کہیے تو کروں اُن کے مٹا دینے کی تدبیر
اُس فوج میں چلیے تو اسے مار کے چلیے
آزاد ہی دوزخ سے غلامِ شہِ ابرار
بے توبہ ابھی تو ترا آقا ہی گنہگار
پھر آگ بھی ہووے گی تو ہم کود پڑیں گے
پوچھا ترا کیا قصد ہی ای مالکِ لشکر
منظور ہی تاراجیِ گلزارِ پیمبرؐ
بچّہ بھی نہ چھوڑوں گا حسین ابنِ علی کا

ہیں جمع پئے دعوتِ فرزندِ پیمبرؐ
بجگر مرے ہاتھوں سے کہاں جائیں گے سَرور
دوڑاؤں گا گھوڑے جسدِ شاہِ اُمم پر
تھرّا کے کہا حُر نے کہ ڈر قہرِ خدا سے
باز آ ستم و ظلم و تعدّی و جفا سے
شہزادوں سے اپنے کہیں بندا لڑے ہیں
چھوڑا ہے پیمبر نے امانت اُنھیں ہم میں
اللہ ترحم ہیں خوشی ہے کہ ستم میں
سادات کے بدخواہ نہ پھولے نہ پھلیں گے
بس زرد ہوا سُن کے یہ باتیں وہ سیہ رو
میں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو
جابر ہے یزید اس کا بھی کچھ خوف نہیں ہے
صالح ہو کہ طالح ہو کسی سے ہمیں کیا کام
مٹ جائے گا دفتر سے شجاعوں کے ترا نام
فرقہ یہ پیادوں کا ہے آفت نہ بپا ہو
برسوں سے ہے تو شام کے حاکم کا نمک خوار
مانا کہ حسین ابنِ علی ہیں شہِ ابرار
جنگِ اُحد و بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں
حُر نے کہا اب مجھکو کسی کا نہیں کچھ دھیان
زہرا کے جگر بند پہ صدقے ہے مری جان
جنّت ہے گھر اُس کا جو غلامِ شہِ دیں ہے

یہ تیر یہ نیزے یہ تبر اور یہ خنجر
پنجے ہیں یہ شیروں کے یہ سادات کا لشکر
چادر نہیں رہنے کی سرِ اہلِ حرم پر
بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھ پہ سما سے
کیا وجہ عداوت کی غریب الغربا سے
سادات ہیں یہ۔ ان کے حق اُمت پہ بڑے ہیں
روتے گئے دُنیا سے نبی آل کے غم میں
پٹنے کے ستانے کا نہیں حکم حرم میں
چھد جائے گا دل کس کا جو تیر ان پہ چلیں گے
بولا کہ مجھے کہنا ہے حر وہ خدا تو
اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شہِ خوش خو
ہیں لوگ رسالے کے کہیں آپ کہیں ہو
طالب ہیں کہ ہاتھ آئے زر و خلعت و انعام
سکتے میں ہے سن کر تری باتیں سپہِ شام
دنگا ابھی لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو
سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار
آ پڑتی ہے جب بات تو ہٹتے نہیں جرار
وہ کون تھے آخر جو پیمبر سے لڑے ہیں
سیّد پہ مرا ہاتھ اُٹھے یہ نہیں امکان
گھر شام میں لُٹ جائے پہ ضائع نہ ہو ایمان
لیتا ہوں وہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہے

شیطاں تجھے سننے نہیں دیتا مری تقریر
دوزخ ہی یہ منصب تو جہنم ہی یہ جاگیر
گر سبطِ پیمبر پہ ترا زور چلے گا

بے لعن نہ لے گا کوئی دنیا میں ترا نام
بربادی عقبےٰ ہی اس آغاز کا انجام
ناشاد و دل آزردہ و مغموم رہے گا

بیٹے نے کہا حر سے کہ اب خلد میں چلیے
آنکھیں قدمِ قبلۂ کونین پہ ملیے
سامع سخنِ حق کا یہ مردود نہ ہوگا

بھائی نے کہا تول کے شمشیرِ شرربار
یہ پند بھی بے جا ہی نصیحت بھی ہی بیکار
بدخواہِ جگر بندِ رسولِ مدنی ہی

چلّایا قریب آ کے غلامِ حرِ غازی
ہم دوست ہیں یہ دشمنِ سلطانِ حجازی
منحوس نے بدنام کیا قومِ عرب کو

نکلے چار جواں ہاتھ میں تولے ہوئے شمشیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرتِ شبیر
چاروں کے فرس بھر کے طرارے نکل آئے

اسلام کی سرحد میں جو پہنچے وہ نکوکار
بس باندھ کے ہاتھوں کو پکارا حرِ دیندار
کشتی ترے محرم کی تباہی میں پڑی ہی

بنیا وہ ہی سوجھے جسے انجام کی تدبیر
کھوتا ہی دو عالم سے تجھے حاکمِ بے پیر
تو تا بہ ابد نارِ جہنم میں جلے گا

کام آئے گا خلعت نہ پس از مرگ نہ انعام
بے کس کو ستا کر کبھی پائے گا نہ آرام
دنیا کی تمتع سے بھی محروم رہے گا

ہوتی ہی بس اب دیر جہنم سے نکلیے
چل کر چمنِ فاطمہ میں پھولیے پھلیے
جاہل کو نصیحت سے کبھی سود نہ ہوگا

ہاں جہلِ مرکب میں سیہ رو ہی گرفتار
عقبےٰ سے غرض کیا سگِ دنیا ہی یہ غدار
یہ دشمنِ دیں خلق میں گردن زدنی ہی

عوعو یوہیں کرتا ہی یہ سگ چھیڑیے تازی
ان آنکھوں نے دیکھی ہی بہت شعبدہ بازی
اس بوم کے سایہ سے حذر چاہیے سب کو

سنتا رہا چپکا سخنِ سخت وہ بے پیر
سیدھے کیے گھوڑے کہ کمانوں سے چلے تیر
بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے

رہواروں پہ چاروں نے رکھے کھول کے ہتھیار
یا عقدہ کشا یا شہِ دیں یا شہِ ابرار
اے نوحِ غریباں یہ حمایت کی گھڑی ہی

مشہورِ دو عالم ہی تری ہمتِ عالی
سر پر ہی گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی
انصار نہیں قوم و قبیلہ نہیں رکھتا
مولا ستمِ لشکرِ ظلم سے بچا لے
آقا غضبِ خالقِ عالم سے بچا لے

یہ اہلِ جفا دشمنِ شاہِ مدنی ہیں
اے خلق کے سردار ترا احسان ہی مجھ پر
ای سبطِ پیمبر ترا احسان ہی مجھ پر
اُس دن بھی کرم قبلۂ عالم نے کیا تھا
حضرت سے جو رخصت کو غلام آیا تھا سرِ رات
باقی ہی اگر زیست تو پھر ہوگی مُلاقات

کیا وجہ جو خادم پہ تلطّف نہیں ہوتا
ارشاد ہوا تھا مرے رونے پہ کہ بھائی
حضرت کی دُعاواں سے یہاں تک مجھے لائی
ہر چند گنہ ریگِ بیاباں سے سوا ہیں
حضرت نے سُنا حُر کا جو یہ نالۂ جانکاہ
آ ای مرے ہمدرد و مددگار ہوا خواہ

استادہ ہی کیوں دور تردد تجھے کیا ہی
جس حال میں ہو آکہ مرا گھر ترا گھر ہی
کاشانۂ لختِ دلِ حیدر ترا گھر ہی
فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابنِ سخی ہیں
سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی
توبہ کے لیے آیا ہوں ای خلق کے والی

میں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا
انبوہِ جنودِ الم و غم سے بچا لے
ای مالکِ فردوس جہنم سے بچا لے
ان سب میں ہیں چار جواں پنجتنی ہیں
ای خاصۂ داور ترا احسان ہی مجھ پر
ای مالکِ کوثر ترا احسان ہی مجھ پر

میں وہ ہوں کہ پانی جسے حضرت نے دیا تھا
فرمایا تھا مولا نے بصد لطف و مدارات
ای مخبرِ صادق مجھے بھولی نہیں وہ بات
وعدے ہیں کریموں کے تخلّف نہیں ہوتا
پھر بعدِ ملاقات نہ ہووے گی جُدائی
کر دیجے بندھے ہاتھوں کی اب عقدہ کشائی

پر آپ حمایت پہ جو آجائیں تو کیا ہیں
خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہِ ذی جاہ
بھائی میں بڑی دیر سے تکتا تھا تری راہ
پہلو میں جگہ ہی مرے دل میں تری جا ہی
ماتم کدۂ آلِ پیمبر ترا گھر ہی
جنت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہی
مہماں ہمیں پیارا ہی کہ ہم آلِ نبی ہیں

زندہ ہے جو مرتا ہے محبت میں ہماری
عفو و کرم و رحم ہے طینت میں ہماری
دشمن سے دلِ صاف میں کینہ نہیں رکھتے

اکبر سے اشارہ کیا مہمان کو لاؤ
حیدر کے نواسے ہیں کدھر اُن کو بلاؤ
اس گھر کا کرم خلق میں مشہور ہے پیارو

ارشادِ پدر سن کے بڑھے فوج سے اکبر
قاسم بھی چلے اسپِ صبا دم سے اُتر کر
ہنستے ہوئے نزدیک جو وہ گلبدن آئے

پانچوں کے قدم چوم کے بولا وہ دلاور
چھاتی سے لگا کر اُسے بولے علی اکبر
یہ عینِ عنایت ہے قسم ہم کو خدا کی

عباس نے فرمایا کہ اے حُرِّ وفادار
اللہ کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
ممکن ہے کہ وہ دوست کو غمناک کریں گے

اکبر نے لیا ہاتھ میں دستِ حُرِ ذی جاہ
قاسم تھے برادر کے برابر صفتِ ماہ
اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے

احسنت کی آئی جو صدا چار طرف سے
ممتاز ہوا قربِ شہِ دیں کے شرف سے
زردی جو گئی رنگِ سرور آگیا منہ پر

سب جرم ہے طاعت کی اطاعت میں ہماری
بگڑا بھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
کچھ جس میں کدورت ہو وہ سینہ نہیں رکھتے

عباس سے فرمایا کہ تم لینے کو جاؤ
قاسم سے کہا خلقِ حسن اس کو دکھاؤ
مہمان کے لے آنے کا دستور ہے پیارو

ہمراہ ہوئے ماہِ بنی ہاشمِ صفدر
لینے کو پیادہ گئے زینب کے بھی دلبر
سمجھا وہ کہ لینے کو مرے پنجتن آئے

شہزادو گنہگار ہے یہ بندۂ احقر
گھبرا نہ عطا پوش و خطا پوش ہیں سرور
آنکھیں تری جانب ہیں امامِ دوسرا کی

تو اُن کے کرم سے ابھی واقف نہیں نہار
بخشائیں ابھی تجھ سے اگر سو ہوں گنہگار
دم بھر میں گناہوں سے تجھے پاک کریں گے

عباس نے خود فرق پہ کھولا علمِ شاہ
زینب کے پسر دونوں چلے بیٹے کے ہمراہ
مہماں کو بڑی عزت و تکریم سے لائے

حضرت بھی بڑھے چند قدم فوج کی صف سے
لپٹا قدمِ لختِ دلِ شاہِ نجف سے
نعلین پہ سر رکھتے ہی نور آگیا منہ پر

چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہِ والا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا
اَب خوف ہی کیا دل ہی ترا کیوں تہ و بالا
غفّار ہی راحم ہی گنہ بخشنے والا
اَوج اُس کے لیئے ہی جو جھکا جاتا ہی بھائی
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہی بھائی

کھولے جو بندھے ہاتھ حُرِ بے سر و پا کے
بولا وہ جری کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کے
صدقے ترے اے بندہ مقبول خدا کے
سب ہیں ترے ناخن میں ہنرِ عقدہ کشا کے
عصیاں کی جو وحشت تھی وہ بالکل گئی مولا
صدقے سے ترے دل کی گرہ کھل گئی مولا

توبہ سے فراغت حُرِ غازی نے جو پائی
اُس وقت صدا ہاتفِ غیبی کی یہ آئی
مقبولِ خدا ہی جو کرے تجھ سے بھلائی
دی حق نے اُسے آتشِ دوزخ سے رہائی
باعث یہ بڑا تھا کہ نہ جلّادوں میں لکھا
حُر کو قلمِ عفو نے آزادوں میں لکھا

شہ بولے کہ تھا رنج و تردد میں سحر سے
آرام کر اَب کھول کے ہتھیار کمر سے
مہماں نے یہ کی عرض شہِ جن و بشر سے
اَب چین یہی ہی کہ لڑوں لشکرِ شر سے
دم بھر میں درِ رحمتِ غفار کھلیں گے
ہو جائے گی بند آنکھ تو ہتھیار کھلیں گے

فرمایا کہ مہمان کی دعوت کا ہی دستور
شکوہ نہ مگر کیجو کہ ہم آج ہیں مجبور
فاقہ بھی کئی دن سے ہی پانی سے بھی ہیں دور
خیر اَب وہیں ہو جائے گا جو ہی ہمیں منظور
محبوبِ الٰہی تری امداد کریں گے
ہم نعمتِ عقبیٰ سے تجھے شاد کریں گے

دُنیا جسے کہتے ہیں وہ اک راہ گزر ہی
اک دم میں اُدھر ہی بشر اک دم میں اِدھر ہی
دیکھا جسے اس میں وہ مہیائے سفر ہی
رہنا ہی جہاں تا بہ ابد گھر وہی گھر ہی
پہلے سے اُسے بھیج دے جو تجھ کو ملا ہی
اُس گھر کا چراغ آلِ محمد کی ولا ہی

ہمسایۂ محبوبِ خدا تجھ کو ملے گا
قربِ اسدِ قلعہ کشا تجھ کو ملے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا
کل آج کے فاقے کا مزا تجھ کو ملے گا
سب جیتے ہی جی تک کا یہ قصہ ہی برادر
حصّے میں ہمارے ترا حصّہ ہی برادر

کی دست ادب جوڑ کے مہماں نے یہ گفتار
باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ ستمگار
ڈنکے پہ اُدھر چوب پڑی لشکرِ کیں میں
عبّاس نے کھولا علمِ فوجِ پیمبر
کی عرض پدر سے علی اکبر نے یہ بڑھکر
فرمایا کہ اب کیا ہی لڑو لشکرِ شر سے
ہمشکل پیمبر جو بڑھے سن کے یہ احکام
کی عرض یہ منّت کہ مدد کا ہی یہ ہنگام
دلوا دو اجازت کہ غریب الغربا ہوں
فرمایا یہ شفقت علی اکبر نے کہ اچھا
کی عرض کہ اے قبلۂ دیں سیدِ بطحا
بھیجیں اِسے گر حکمِ امامِ مدنی ہو
حضرت نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے
بے کس کے عزیز و رفقا چھٹتے ہیں سارے
دم بھر نہیں گزرا کہ مُلاقات ہوئی ہی
پہلے بھی ملاقات میں برپا تھا تلاطم
میں بھی متردد تھا حواس اسکے بھی تھے گم
دیتے جو سپاہِ ستم و جور کے آئے
اب تو ہیں بلا شبہ ہم ان کے یہ ہمارا
پیاسا کہیں دریا سے بھی کرتا ہی کنارا
محجوب ہیں راحت کا سرانجام نہیں ہی

بھوکا اُسی نعمت کا ہی یہ عبدِ گنہگار
چالوں سے ملے تیر علم کھل گئے اِک بار
تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہِ دیں میں
جھومے صفتِ شیر جوانانِ دلاور
کیا حکم ہی تیر آتے ہیں اُس فوج سے سرور
بس وہ براہی کی تھی کہ سبقت ہوا اُدھر سے
شہزادے کے قدموں پہ گرا حرِ خوش انجام
خادم جو ہراول ہو تو ہو جائے بڑا نام
حسرت ہی کہ پہلے میں ہی آقا پہ فدا ہوں
ساتھ اُس کو لیئے آئے حضورِ شہِ والا
پہلے حرِ غازی کو ہی رخصت کی تمنّا
بہتر یہ ہی کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو
تم ہم سے جدا کرتے ہو مہماں کو ہمارے
آیا ہی ابھی اور ابھی کہدو کہ سدھارے
باتیں نہ ابھی کچھ نہ مدارات ہوئی ہی
دونوں طرف آمادۂ پیکار تھے مردم
آپس میں نہ صحبت ہوئی دم بھر نہ تکلّم
آئے بھی جو اب یہ سخن اس طور کے آئے
پیارے جو ہم اس کو ہیں تو یہ ہی ہمیں پیارا
تکلیف کوئی دوست کی کرتا ہی گوارا
پانی نہیں کھانا نہیں آرام نہیں ہی

اللہ رے عجلت ابھی آنا ابھی جانا
بے تابیِ تحصیلِ سعادت ہے یہ مانا
مشتاقِ محبت کو ہنساتے ہی رولانا
سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گزرا ہے زمانا
کیونکر ہو کہ تلواروں سے بیدم اسے دیکھیں
یہ دیکھ لے جی بھر کے ہیں ہم اسے دیکھیں

یہ دوست اسی طرح مدینے میں جو آتا
جس شے کی تمنا اسے ہوتی وہی پاتا
خود اُٹھ کے حسین ابن علی ہاتھ دُھلاتا
سادات کے مسکن سے یہ محروم نہ جاتا
بے حُسنِ طلب دیتے ہیں جو اہلِ سخا ہیں
خیر آج تو ہم آپ گرفتارِ بلا ہیں

کس پر ستمِ گردشِ دوراں نہیں ہوتا
کس کو المِ فرقتِ مہماں نہیں ہوتا
دنیا میں کسے صدمۂ ہجراں نہیں ہوتا
ہے کونسا مجمع جو پریشاں نہیں ہوتا
دو مر گئے ہیں ایک جگہ یہ بھی نہیں ہے
اک دوست کی ہے قبر کہیں ایک کہیں ہے

حُر سے علی اکبر نے یہ فرمایا کہ بھائی
منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جُدائی
گر کر قدمِ شہ پہ یہ بولا وہ فدائی
مر جاؤں گا پہلے جو رضا رن کی نہ پائی
اولاد بھی فیاض ہے ماں باپ سخی ہیں
محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں

بے مانگے تو سب طرح کی دولت مجھے بخشی
توقیر عنایت ہوئی عزت مجھے بخشی
حوریں مجھے دیں آپ نے جنت مجھے بخشی
حُر ہو گیا دوزخ سے وہ حرمت مجھے بخشی
یہ سب تو ملا اذنِ وغا بھی مجھے دیجے
پھیلائے ہوں دامن کہ رضا بھی مجھے دیجے

مجھ سے کوئی پوچھے تو کہ کیا لیکے چلا ہوں
مقبولِ الٰہی کی دُعا لیکے چلا ہوں
سیّد کی غلامی کا صِلا لیکے چلا ہوں
کافی ہے ابد تک شاہ عطا لیکے چلا ہوں
نام اس کا ہے بخشش یہ عنایت یہ دہش ہے
رخصت نہیں آزادیِ دوزخ کی سند ہے

مولا سے مجھے خلد کی جاگیر ملی ہے
غبطہ ہے ملائک کو وہ تقدیر ملی ہے
اکسیرِ غبارِ درِ شبیر ملی ہے
اس خاک پہ سونا ہے یہ توقیر ملی ہے
ہاتھ آئی وہ دولت جو زمانے میں نہیں ہے
یہ زر کسی خاقاں کے خزانے میں نہیں ہے

سرکار یہ وہ ہے کہ جو مانگا وہی پایا
ہونٹوں پہ کبھی حرف نہیں کا نہیں آیا
اللہ رکھے خلق میں تا حشر یہ سایا
فیاضِ دو عالم ہے ید اللہ کا جایا
کسریٰ ہو کہ حاتم ہو یہ ہمت نہیں رکھتا
اس گھر سے کوئی بڑھ کے سخاوت نہیں رکھتا

ناجی ہے وہی آلِ پیمبر جسے بخشیں
فردوس میں قصر اس کو ملے گھر جسے بخشیں
عالم کا ہو سرتاج یہ افسر جسے بخشیں
سونے کا بنائے وہ محل زر جسے بخشیں
وہ کیا ہے جو محتاج کو حاصل نہیں ہوتا
اس در کا گدا پھر کبھی سائل نہیں ہوتا

گھر ہو کہ زر و مال ہو یہ کیا نہیں دیتے
کس کشت پہ مینہ فیض کا برسا نہیں دیتے
دیتے ہیں یہ سب کچھ مگر ایذا نہیں دیتے
اس حُسن سے دیتے ہیں کہ گویا نہیں دیتے
کہدے کوئی یہ خیر کبھی اوروں نے کی ہے
اک روٹی کے سائل کو قطار اونٹوں کی دی ہے

شاہی انھیں اللہ نے دی بعد نبیؐ کے
یہ بعد علی کے ہیں علی بعد نبیؐ کے
ایسا نہیں دنیا میں سخی بعد نبی کے
ہوتے یہی ہوتا جو نبی بعد نبیؐ کے
وہ کونسی خوبی ہے جو پیدا نہیں ان میں
اک مہر نبوّت کے سوا کیا نہیں ان میں

کی حُر نے فصاحت سے جو مدّاحی سرور
نہوڑا لیا شرما کے سخی نے سرِ انور
اکبر سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر
کہدو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
مدّاح کو مہماں کو بہادر کو صلا دو
آؤ یہ عبا لیکے مری حُر کو اُڑھا دو

اکبر نے عبا لیکے جو مہماں کو اُڑھائی
شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
عباس پکارے کہ زہے عقدہ کشائی
لے خلعتِ رحمت تری امّید بر آئی
کونین کا اقبال و حشم جانیو اس کو
فردوس کے حلّے سے نہ کم جانیو اس کو

بولے یہ حبیب ابن مظاہر کہ خوشا حال
قسمت کے یہ معنی ہیں اسے کہتے ہیں اقبال
دم میں یہ ترقی و حشم اور یہ اقبال
گر دیتا ہے قطرے کو گہر فاطمہ کا لال
سید سے بھلا کونسا رتبہ نہ ملے گا
یہ گھر ہے سخی کا ابھی کیا کیا نہ ملے گا

رخصت ہوا جب سبطِ نبی سے حرِ جرار
تسلیم جو کی جھک کے تو روئے شہِ ابرار
دُنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی
خالق الم و صدمہ و آفت سے بچائے
غفارِ گنہ ہولِ قیامت سے بچائے
گھر خلد میں ہاتھ آئے یہاں سے جو سفر ہو
رو کر جو دعائیں اُسے دیتے تھے شہِ دیں
گھوڑے پہ چڑھا جب وہ بصد عزت و تمکیں
اللہ رے ضیا اخترِ طالع کی جبیں پر
وہ اوج وہ رفعت وہ جلال و حشم اُس کا
مُنہ دیکھتے تھے جن و بشر و مبدم اُس کا
تھا صبح تلک تاریوں میں، نور ہے اب تو
اشعارِ رجز پڑھ کے وہ جرار پکارا
آقا ہے مرا عرشِ معلےٰ کا ستارا
بھیجا ہے نواسے نے رسولِ دوسرا کے
یہ سنتے ہی برسانے لگے تیر ستمگار
دہنی طرف آیا پسرِ صفدر و جرار
کفار کے سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
لاشوں کو اٹھا لے گئے جب قبلۂ عالم
بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھا غم
چمکا کے فرس لڑنے لگا فوجِ گراں سے

چومے قدمِ شاہ پھر اگر روئی بار بار
فرمایا خدا حافظ و ناصر مرے غمخوار
عقبےٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی
ربِّ دو جہاں قبر کی وحشت سے بچائے
حافظ تجھے آہن کی جراحت سے بچائے
یہ آج کی منزل تجھے راحت سے بسر ہو
حور و ملک و جن و بشر کہتے تھے آمیں
شادی سے ہوا اور شگفتہ رُخِ رنگیں
آئینۂ خورشید چمکتا تھا زمیں پر
بڑھتا تھا سوئے گلشنِ جنت قدم اُس کا
غل تھا کہ بڑھاوے جسے چاہے کرم اُس کا
حر فوجِ ستمگار میں تھا جو رہا اب تو
آیا ہے غلام اُس کا علی کا ہے جو پیارا
ہاں فوج سے نکلے جسے ہو جنگ کا یارا
اے قوم ہراول ہوں میں لشکر کا خدا کے
بھائی حرِ غازی کا بڑھا تول کے تلوار
اک شیر سا نیزوں میں پھنسا عبدِ وفادار
مارے گئے لشکر کی صفیں رن میں الٹ کر
چھیڑا حرِ جرار نے شدیزِ صبا دم
پر صبر تو دیکھو کہ نہ آنکھیں ہوئیں پرنم
مُڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے

اللہ رے مہمانِ شہِ دیں کی لڑائی
اِک برق گری تیغ چمک کر جدھر آئی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبراتے تھے اعدا

چلّے سے اگر تیر کوئی جوڑ کے نکلا
چو رنگ کے دو ہاتھ جدھر چھوڑ کے نکلا
تلوار چمکتی تھی صفِ لشکرِ کیں پر

لشکر سے جو نکلا وہ قریب آکے نہ ٹھہرا
چہرے پہ سپہ کار سپر لاکے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو

ششدر تھے ستم گر کہ دو چار اس سے ہوں کیونکر
حلقے میں اجل کے ہیں فرار اس سے ہوں کیونکر
جی ہی تو جہاں خوں میں نہایا نہیں جاتا

کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی
کس کس کو پری بن کے شرارت نہ دکھائی
پھل اُس کا نظر بندیِ اعدا پہ تُلا تھا

ہر بار بھگا حملہ عمرِ سعد نجس پر
رعب اُس کا نہ چھایا ہوا تھا فوج میں کس پر
سر پاؤں تلے پستے تھے بیداد گروں کے

غل تھا کہ شجاعت کا دھنی کہتے ہیں اس کو
دل توڑ دیے صف شکنی کہتے ہیں اس کو
حیدر کے محبّوں میں نیا ڈھنگ ہے اس کا

فرصت نہ سنبھلنے کی خطاکاروں نے پائی
برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی
جلتے ہوئے دوزخ میں چلے جاتے تھے اعدا

انبوہ سے شبدیز کو یہ موڑ کے نکلا
جب شیر سا نکلا تو صفیں توڑ کے نکلا
گھوڑے کے کہیں پاؤں نہ لگتے تھے زمیں پر

تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
نامرد لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو

سر بر ہوں وغا میں تو سوار اس سے ہوں کیونکر
ہے سیلِ فنا بیچ میں پار اس سے ہوں کیونکر
دھارا تو کجا گھاٹ پہ جایا نہیں جاتا

کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
جلوہ کیا سو بار پہ صورت نہ دکھائی
اس میں کوئی پردہ نہیں منہ صاف کھلا تھا

اُڑ جاتا تھا سر تیغ جہاں جاتی تھی جس پر
بھاگڑ میں یہ گرتا تھا جو اُس پر تو وہ اس پر
ٹکرانے سے بال آگئے کاسوں میں سروں کے

تلوار یہ ہے تیغ زنی کہتے ہیں اس کو
ششدر ہیں یہ بے جگری کہتے ہیں اس کو
جو راکب و مرکب ہے وہ چورنگ ہے اس کا

بے سر نظر آیا وہ جسے پا گئی شمشیر
چمکی تو اُدھر اور اِدھر آ گئی شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ عجب ضرب پڑی تھی
جو دشمنِ دیں تھا اُسے پہچانتی تھی وہ
چار آئینہ و خود کو کب مانتی تھی وہ
اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
بے حال عدو ہول کے مارے نظر آئے
جب سن سے چلی صاف شرارے نظر آئے
اُس تیغ کا پھل کھا کے عدو خوں میں تپاں تھے
گہہ حلق کے نزدیک کبھی دل کے برابر
رَن میں کوئی زخمی کوئی ساحل کے برابر
سر پر تھی وہ جب تک کہ عدو راہِ عدم لے
رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا
غصے میں وہ شبدیز کی آنکھوں کا اُبلنا
مارا تھا قدم اُس نے شجاعت کے چلن پر
لڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرارا
ایسا تو سبک رو فرسِ برق سفر ہو
کھانے لگی گھونگٹ جو سپاہِ ستم آرا
جاتے ہو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا
دو لاکھ جواں ایک کا سر لا نہیں سکتے

دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئی شمشیر
کیا منہ تھا کہ فولاد کو بھی کھا گئی شمشیر
پُرزے کیا اُس کو بھی زرہ لاکھ کڑی تھی
مغفر کو حبابِ لبِ جو جانتی تھی وہ
ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ
نابیں تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا
جو گھاٹ پہ تھے گور کنارے نظر آئے
جوہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے
جب سامنے ڈھال آ گئی سب پھول خزاں تھے
پانی میں اثر زہر ہلاہل کے برابر
بسمل بھی نظر آتا تھا بسمل کے برابر
کیا دخل جو بے دم لیے دم بھر کہیں دم لے
بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وہ کچلنا
کف منہ سے گرا کر وہ کنوتی کا بدلنا
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پر
رہوار نے کچلا اُسے حُر نے جسے مارا
مُڑنے میں نظر شوخ کی اُڑنے میں چکارا
پتلی پہ ہو پتلی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو
بڑھ کر عمرِ سعد جوا یوں کہ پکارا
گھیرو اسے نیزوں میں یہ دشمن ہی ہمارا
ہاں نیزے لگاؤ جو قریب جا نہیں سکتے

آواز یہ دی حُر نے کہ او ظالمِ غدّار
غیرت ہے تو آسامنے تو چھیڑ کے رہوار
بتلا انھیں اندازِ وغا کھینچ کے تلوار
کیوں صورتِ روباہ دبکتا ہے جفاکار
تو دُشمنِ لختِ جگرِ شیرِ خدا ہے
اُس صف سے نکل کر جو ادھر آ تو مزا ہے

بندہ ہوں میں اُن کا کہ جو شیروں سے لڑے ہیں
پھر یہ نشاں دین کے لشکر کے گڑے ہیں
لوہے کو وہ مانے ہیں بہادر جو بڑے ہیں
سکّے اسد اللہ کی ضربت کے پڑے ہیں
شمشیرِ شہِ قلعہ شکن ہے اسی گھر میں
اس ضرب کے سکے کا چلن ہے اسی گھر میں

وہ قلب ہے جس قلب میں بغض اُن کا بھرا ہے
ٹکسال سے باہر ہے شقی دوسرا ہے
ہر طرح پرکھ لے گا جسے فہم ذرا ہے
کھوٹا ہے سو کھوٹا ہے کھرا ہے سو کھرا ہے
بازار کے دن کوئی نہ فریاد سُنے گا
وہ سامنے مالک کے جہنم میں پھُنکے گا

کہکر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا
رمتا ہوا لشکر تہ و بالا نظر آیا
رہوار تڑپ کر ادھر آیا اُدھر آیا
مضطر ہوئے سب ایک شہ صفدر سے بر آیا
باندھے تھے کمر شمر و عمر خیرہ سری پر
بوچھار ہوئی دو طرف سے تیروں کی جری پر

پیہم جو لگے تیر فرس بن گیا طاؤس
دم بھر میں لہو ہو گیا جرّار کا ملبوس
سینہ ہے کہ تودا ہے نہ ہوتا تھا یہ محسوس
غش آنے لگے شیر ہوا جان سے مایوس
رُخ زرد تھا گلنار تھی پوشاک لہو سے
فوارۂ خوں چھوٹتے تھے ہر بنِ مو سے

اس حال میں بھی رکتی نہ تھی شیر کی تلوار
جو آگیا زد پر اُسے بھیجا طرفِ نار
پے کر دیا گھوڑے کو جفا کاروں نے کئی بار
مجروح سے اب کیا ہو فرس ہو گیا بیکار
جب وقت برابر ہوا پھر ٹل نہیں سکتا
گھوڑے کا اشارا تھا کہ اب چل نہیں سکتا

جب تک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے
مہماں کے سینے پہ کئی چل گئے بھالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے
مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے
دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پر
اللہ رے وفا مر گیا گرتے ہی زمیں پر

۱؎ قلب یعنی کھوٹا۔
۲؎ پاؤں کے پٹھے کو کاٹ دینا۔

روتا تھا وفاداری مرکب پہ وہ صفدر
حضرت کو پکارا وہ جری خاک اُڑا کر
خادم نہیں بھائی نہیں پیارا نہیں میرا
آوازِ علی آئی کہ اے حُرِّ دلاور
بالیں پہ ترے میں تو ہوں شبیر نہیں گر
میں پاس ہوں پھر کس لیے گھبراتا ہے بھائی
پیاسا ہے تو پانی تجھے کوثر کا پلائیں
مشتاق ہو گر اُن کا تو حوروں کو بلائیں
یہ ہاتھ کہیں بند نہیں عقدہ کشا ہیں
اعدا نے اُدھر فتح کے باجے جو بجائے
یہ دور سے حُر کو سخنِ طنز سنائے
اس وقت کوئی آ کے حمایت نہیں کرتا
افسوس صد افسوس عبث جان گنوائی
بتلا مجھے وہ کونسی دولت ہے جو پائی
ہاں مرتبہ اس وقت شہیدوں میں بڑھے گا
گردن کو اُٹھا کر یہ پکارا حُرِ دیندار
پاس آ کے سخن کہہ تو سنوں میں تری گفتار
بڑھتا نہیں یہ خوف خطر طاری ہے تجھ پر
رُتبہ جو ملا ہے مجھے ۔ تو کیا اسے جانے
گھیرا ہے مجھے رحمتِ ربّ دوسرا نے
سر عرش پہ اُن کا ہے جو رستے میں پڑے ہیں

جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرزِ گراں سر
مہماں کی خبر لیجیے یا سبطِ پیمبر
مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا
تیار ہے فردوس معلّیٰ میں ترا گھر
سر رکھ لے کہ زانو مرا حاضر ہے برادر
روتا ہوا صاحب بھی ترا آتا ہے بھائی
بھوکا ہے تو فردوس کے میوے ابھی آئیں
جو باغ تجھے حق نے دیا ہے وہ دکھائیں
جس درد کا درماں نہیں ہم اُس کی دوا ہیں
نکلا پسرِ سعدِ لعیں چتر لگائے
کیوں ترکِ رفاقت کے مزے خوب اُٹھائے
جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا
اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہے نہ بھائی
مہمانی میں تلوار پہ تلوار تو کھائی
جب نوکِ سناں پر ترا سر کٹ کے چڑھے گا
کیا ہرزہ درآئی ہے یہ او ظالم غدّار
زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
مرتا ہوں یہ مردہ بھی مرا بھاری ہے تجھ پر
خود کور ہے آنکھیں تجھے کب دی ہیں خدا نے
پہلو میں محمد ہیں ید اللہ سرہانے
ہدیے لئے ہاتھوں میں ملک گرد کھڑے ہیں

مجھسا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہے دانا
اک جو کے برابر تری دنیا کو نہ جانا

نعمت کے مزے دے گیا یہ برچھیاں کھانا
صدقے ہوا اُس پر کہ نبی جس کے ہیں نانا

بیٹا ہے تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے
عاقل اُسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

فرعون کو کس طرح کیا غرق خدا نے
شداد کو دم بھر کی نہ مہلت دی قضا نے

نمرود کو برباد کیا حرص و ہوا نے
کیا ہو گئے قاروں کے وہ چالیس خزانے

گر کر کسی خودسر کو سنبھلتے نہیں دیکھا
موذی کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

ہنگامۂ محشر کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے
دوزخ ترا مسکن ہے تو جنت مرا گھر ہے

کیا غم ہے جو لاشے پہ نہ بھائی نہ پسر ہے
زانوئے مبارک پہ علی کے مرا سر ہے

توقیر شہیدوں میں مجھے آج ملے گی
جب نیزے پہ سر ہوگا تو معراج ملے گی

غش ہو گیا یہ کہہ کے جو حُر جگر افگار
سر کاٹ لو اس کا یہ پکارا وہ ستمگار

جلاد بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ اک بار
بھاگو کہ حسین آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار

اُٹھنے کی نہیں ضرب ولی ابنِ ولی کی
دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغِ علی کی

آمد جو سُنی شیر کی لپا ہوئے روباہ
لاشے پہ گیا راحتِ جانِ اسد اللہ

ریتی پہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ
مہماں سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ذیجاہ

ٹکڑے ہے بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائی
لے ہوش میں آ لاش پہ ہم آئے ہیں بھائی

کچھ مجھ سے وصیت تو کرو اے حُرِ دلاور
خوں ہے ترے غم سے جگر اے حُرِ دلاور

رکھ لے مرے زانو پہ سر اے حُرِ دلاور
نزدیک ہے شاید سفر اے حُرِ دلاور

پھر بعدِ مُلاقات نہ صحبت ہوئی بھائی
جی بھر کے نہ دیکھا تھا کہ فرقت ہوئی بھائی

کچھ بات کرو اے یار وفادار ہمارے
اے عالم غربت کے مددگار ہمارے

اے صف شکن اے صفدر و جرار ہمارے
تا حشر تجھے روئیں گے غمخوار ہمارے

رُتبہ ہے ترا سب سے دوبالا شہدا میں
اک دن ترے حصے کا ہے ایامِ عزا میں

خم ہو کے پکارے یہ حبیب ابنِ مظاہر
آ ہوش میں ای منزلِ جنت کے مسافر
بیتاب ہی بھائی ترا صاحب تری خاطر
کر نورِ الٰہی کی زیارت دمِ آخر
دیکھ اپنے شرف آنکھ کو کیوں بند کیے ہی
فرزندِ نبی سر ترا گودی میں لیے ہی

سُن کر یہ صدا حُر نے جو آنکھوں کو کیا وا
سر حضرتِ شبیر کی آغوش میں دیکھا
جلدی قدمِ شاہ پہ منہ مل کے یہ بولا
صدقے ترے الطاف کے ای سیدِ والا
تکیہ ترے زانو کا میسر ہوا آقا
ذرّہ تھا پہ اب مہرِ منوّر ہوا آقا

غش سے جو نہ کھلتے تھے مرے دیدۂ پُرنم
صحبت تھی مرے گرد عجب طرح کی اس دم
ارشاد یہ فرماتے تھے خود سیّدِ عالم
لے آئے ہیں ای حُر ترے لینے کے لیے ہم
شبیر کا جو دوست وہ پیارا ہی نبی کا
تو آج سے مہماں ہی رسولِ عربی کا

مجھ پر حسن و جعفر و حمزہ کا ہی یہ پیارا
جس طرح دمِ نزع یگانے ہوں پرستار
ارشادِ علی ہی ملک الموت سے ہر بار
ہاں رفق و مدارا کہ ہمارا ہی یہ غمخوار
زخمی ہی جدا کیجیو یوں روح بدن سے
جس طرح اُٹھاتا ہی کوئی پھول چمن سے

غرفوں سے برابر ہیں یہ حوروں کے اشارے
ای شاہ کے مہمان اب آ پاس ہمارے
ساماں ہیں مہیا ترے آرام کے سارے
وہ جام بھرے رکھے ہیں کوثر کے کنارے
شبیر کا مہماں ہی سب پر ترے حق ہیں
یہ حلۂ جنت ہیں یہ میووں کے طبق ہیں

اک سیدہ ہیں سبز ردا چہرے پہ ڈالے
وہ حوریں ہیں لٹکی ہوئی چادر کو سنبھالے
چلاتی ہیں مہماں کو لگے ظلم کے بھالے
ہی ہی پسرِ فاطمہ کے چاہنے والے
شبیر پہ غربت میں ستم ہو گیا ہی ہی
اک دوست بڑھا تھا سو وہ کم ہو گیا ہی ہی

ارشاد کیا شہ نے کہ سب کو ہی ترا غم
یہ تیرے بزرگ آئے ہیں لینے تجھے باہم
آتی ہی جو رونے کی صدا خیمہ سے اس دم
ناموسِ محمد میں بپا ہی ترا ماتم
احوال یہ ہی زینبِ آوارہ وطن کا
جو بھائی کے مرجانے میں عالم ہو بہن کا

اشک آنکھوں سے ٹپکا کے پکارا حرِ دیندار
صدقہ ہے یہ سب آپ کا یا سیدِ ابرار
نازاں نہ ہو کیوں اپنے شرف پر یہ گنہگار
جس کے لیے روئیں حرمِ احمدِ مختار
رتبہ مرا افلاک سے برتر ہوا آقا
ہیں ثانیِ سلماں و اباذر ہوا آقا

یہ ذکر تھا ظاہر جو ہوئے موت کے آثار
تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار
دم بند ہوا کھول دیئے دیدۂ خوں بار
مڑ کر سوئے شبیر کراہا وہ نکوکار
بس دیکھ کے دیدار امامِ ازلی کا
رخصت ہوا مہمان حسین ابنِ علی کا

لاش اس کی اٹھا کر شہِ دیں ڈیوڑھی پہ لائے
پردے کے ادھر اہلِ حرم پیٹتے آئے
حر کے لیئے سیدانیوں نے اشک بہائے
حضرت کی غلامی میں بڑے مرتبے پائے
عقبیٰ بھی سنور جاتی ہے جب کام ہوا ایسا
یوں عشق میں مرجائے تو انجام ہوا ایسا

خاموش انیسؔ آگے نہیں طاقتِ گفتار
جاں کاہ ہے افسانۂ حرِّ جگر افگار
آقا سے یہ کر عرض کہ اے کل کے مددگار
اب روضۂ اقدس پہ بلالیں شہِ ابرار
بندہ درِ مولا سے کہیں دور نہ رہ جائے
محروم زیارت سے یہ مہجور نہ رہ جائے

رباعی

حر جب کہ فدائے شہِ ذی جاہ ہوا
اک غلغلۂ جزاکم اللہ ہوا
جنت میں نہ کس طرح پہنچتا وہ جری
شبیر سا رہبر خضرِ راہ ہوا

ایضاً

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز
پر تعزیہ دارِ شاہِ دیں ہے آواز
نکلے نہ اگر کنجِ دہن سے تو بجا
ماتم کے ہیں ن سوگ نشیں ہے آواز

مرثیہ (۳)

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح
ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اٹھائی نقابِ شب
در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لیکر حسابِ شب
دفتر کشائے صبح نے الٹی کتابِ شب
گردوں پہ رنگِ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

پہونچا جو مہر مہر سے فرمانِ عزلِ شب
گردوں پہ عاملانِ سحر کا ہوا نصب
منشیِ آسماں مع دفتر ہوا طلب
بس جابجا سے اٹھ گئی انجم کی فوج اب
تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخاست کی چراغوں کو بیرونقی ہوئی

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں
چن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پہ خزاں
مرجھا کے مر گئے ثمر و شاخِ کہکشاں
دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور
یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور
خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انسان نہیں یہ محو، ملک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سرخیِ شفق کی ادھر چرخ پر بہار
وہ بار ور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہرہائے آبدار
پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمیں رشکِ آسماں
چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذرّوں پہ تھا گماں
ہر سبز جو درخت تھا وہ نخلِ طور تھا

وہ سر بلند خیمۂ زنگاریِ امام
کم تھا نہ اس کا خانۂ کعبہ سے احترام
جلوہ تھا اس میں برجِ امامت کے ماہ کا

گیسوئے حورِ خلد کی ہمسر ہر اک طناب
وہ شان وہ شکوہ وہ رفعت وہ آب تاب
پڑھنا درود آ کے ملائک کا ورد تھا

وہ اوج اور وہ قبۂ پر نور کی جھلک
دب دب کے سر جھکاتا تھا بے چوبہ فلک
خوشبو سے ہر بشر کا معطر دماغ تھا

تھا وہ سپہر دیں تو ہر اک چوب رکنِ دیں
تھا در پہ بابِ گلشنِ فردوس کا یقیں
جلوے سے حسنِ روئے شہِ کائنات کے

اس کی زمینِ پاک کو تھا آسماں پہ ناز
طوبیٰ سے سر بلند تو کیواں سے سرفراز
کرسی میں یہ صفا نہ صباحت یہ عرش پر

حاضر درِ حضور پہ وہ خاصگانِ رب
غربت زدہ و گرسنہ مظلوم و تشنہ لب
کہتے تھے ہائے جا کے کدھر جستجو کریں

تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
درباں تھا جبرئیل اسی بارگاہ کا

دریا تھا وہ تو گنبدِ گردوں تھا اک حباب
شمسہ[۱] سے جس کے آنکھ چراتا تھا آفتاب
سایہ کے بدلے نور قناتوں کے گرد تھا

ضو نور کی زمین سے تھی آسماں تلک
اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے اسے عرش سے ملک
وسعت سے اس کے صحن کا دل باغ باغ تھا

چکّر میں اس کے دور سے تھا چرخِ ہفتمیں
پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں
آئینہ ہائے نور تھے تکمے[۲] قنات کے

ساتوں فلک جھکائے ہوئے تھے سرِ نیاز
اور بیچ میں وہ مسندِ شاہنشہِ حجاز
دل عرش کا بھی لوٹ گیا اس کے فرش پر

ایک ایک جن میں فخرِ عجم زینتِ عرب
سن کر سحر کا شور اٹھے بستروں سے سب
پانی نہیں کہ قبلۂ عالم وضو کریں

۱۔ شمسہ بمعنی کلس
۲۔ تکمے بمعنی سوراخ

نکلے حرم سے کر کے تیمم امامِ پاک
اکبر نے دی اذاں جو بہ آوازِ دردناک
آگے سبھوں کے شاہِ حجازی کھڑے ہوئے
آراستہ صفیں تھیں کہ قرآں کھلا ہوا
اور مقتدی تھے سب عقبِ شاہِ کربلا
جیسا امام ویسے ہی ابرار فوج تھی
سیدھے کبھی الف کی طرح تھے وہ خوش خصال
خم ہو گئے سجود میں گہ صورتِ ہلال
حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
وہ چاند سے سفید عمامے رخوں پہ نور
دیندار و حق پرست دل آگاہ و باشعور
لب پر درود اشکوں سے آنکھیں بھری ہوئیں
حبِ حسین دل میں زبانوں پہ ذکرِ حق
دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیرِ نہ طبق
کس آفتِ عظیم میں ثابت قدم رہے
اللہ نے دل ان کے وفا سے بنائے تھے
سینے ضمیرِ صدق و صفا سے بنائے تھے
اور لکھ دیا تھا روزِ ازل سر نوشت میں
یاں تھیں صفیں نمازِ جماعت کی اور ادھر
تشکل ہلال چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پہ
غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائیں گے

سجادے سب نے لا کے بچھائے بروئے خاک
آنسو بھر آئے ہو گئے دل غم سے چاک چاک
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے
بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھا وہ مقتدا
مصحف کی جس طرح سے ہوں سطریں جدا جدا
ہر صف خدا کے نور کے دریا کی موج تھی
جھک جاتے تھے رکوع میں گاہے بشکلِ دال
پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ ذوالجلال
طاعت خدا کی تھی تو اطاعت امام کی
دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ چشمِ حور
کمریں کسے جہاد پہ راحت دلوں سے دور
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھری ہوئیں
نہ فکر کچھ عیال کی نہ مرگ کا قلق
تھا کہ سب صحیفۂ ایماں کے تھے ورق
آقا کا دم بھر اکیے جب تک کہ دم رہے
اور جسم پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
دستِ کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
پہونچیں گے یہ حسین سے پہلے بہشت میں
باندھی تھی فوجِ کیں نے صف آرائی پر کمر
نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

نیزوں کی نوکیں آج ہیں اور آلِ مصطفےٰ
تیروں سے چھان ڈالیں گے سینہ حسین کا
مٹی تلک نہ دیں گے تنِ پاش پاش کو
تلواروں سے کریں گے قلم باغِ مرتضیٰ
خنجر ہے اور سیدِ لب تشنہ کا گلا
گھوڑوں سے روند ڈالیں گے سیّد کی لاش کو

یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پھیرا اُدھر سلام
تسبیحِ فاطمہ کو ابھی پڑھتے تھے امام
اُٹھے نہ شہ یہ محو تھے یادِ الٰہ میں
وہ آخری نمازِ جماعت ہوئی تمام
بڑھ بڑھ کے جو لگانے لگے تیر اہلِ شام
یاں تک کہ آئے تیر کئی خیمہ گاہ میں

گرمی کے دن تھے صحن میں تھے اہلِ بیت سب
چلّا ئیں بیبیاں کہ کدھر جائیں ہے غضب
گھبرا کے ننھے بچّوں کو سب نے اُٹھا لیا
دیکھے جو تیر آتے تو حالت ہوئی عجب
چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب
اصغر کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپا لیا

بچّوں کو لیکے چھپنے لگے سب اِدھر اُدھر
گھبرا کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینب برہنہ سر
چہروں کے رنگ اُڑ گئے تھرّا گئے جگر
چلاتی تھیں کوئی مرے بھائی کی لو خبر
شاید مسافروں پہ ستم بے سبب ہوا
کس پر چلے یہ تیر ارے کیا غضب ہوا

لوگو خبر تو لاؤ کدھر ہیں شہِ حجاز
ان تیروں سے بچائے انھیں ربِ بے نیاز
جیتے رہیں وہ میری قضا کا بہانہ ہو
دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
اللہ مثلِ خضر کرے عمر کو دراز
بھائی کے بدلے سینۂ زینب نشانہ ہو

جا کے کہے کوئی کہ سکینہ ہے بے قرار
آتے ہیں تیر لشکرِ اعدا سے بے شمار
اور چونک چونک پڑتا ہے اصغر بھی بار بار
گھر میں وظیفہ آ کے پڑھو تم پہ میں نثار
آئے نہ گر تو دھیان نہ پردے کا لاؤں گی
خیمے سے میں نکل کے سپر ہونے آؤں گی

یاں اہلِ بیت میں یہ تلاطم تھا اور وہاں
مصروفِ ذکرِ حق تھے شہنشاہِ دوجہاں
اُٹھ کر صفِ نماز سے عباسِ نوجواں
بس جا کھڑے ہوئے عقبِ شاہِ انس و جاں
بھائی بھی تھے پناہِ شہِ بحر و بر بھی تھے
تلوار بھی حسین کی تھے اور سپر بھی تھے

مڑ کر اشارہ شاہ نے عباس سے کیا
دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
خیمہ میں تہلکہ ہے حرم غل مچاتے ہیں
عباس سے یہ سن کے اُٹھے قبلۂ اُمم
رونق فزا ہوئے طرفِ خیمۂ حرم
سب سے کہا کہ بہنوں سے رخصت کو جاتے ہیں
داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بچشمِ تر
رو کر کہا سکینہ نے تم نے نہ لی خبر
لے جاکے ہم کو کونسی جاگہ چھپاؤ گے
سینے میں مارے ڈر کے دھڑکتا ہے دل مرا
بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہِ کربلا
دشمن تمھارے باپ کے سب اہلِ شام ہیں
چھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلربا
اب پھر چلو وطن کی طرف تم پہ میں فدا
مظلوم ہیں غریب ہیں اور دردمند ہیں
شبیر وعدہ گاہ سے کس ہمت پھر کے جائے
عاشق وہ ہے جو راہِ الٰہی میں گھر لٹائے
خواہانِ مرگ زیست کی کیا آرزو کرے
یہ سن کے اہلِ بیت میں محشر ہوا بپا
زینب پکاری پیٹ کے سر وا محمدا
فرزند فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
پیچھے کھڑے ہو کس لئے کیوں کیا ہے ماجرا
ہے خیریت حضور کریں طاعتِ خدا
پیاسوں پہ تیر لشکرِ اعدا سے آتے ہیں
تسبیح جانماز پہ رکھ دی بچشم نم
ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقانِ ذی حشم
باندھو کمر جہاد پہ تم ہم بھی آتے ہیں
زینب نے لیں بلائیں برادر کی دوڑ کر
تیروں سے ہاں خدا نے بچایا ہمیں پدر
قربان ہو گئی کہیں اب تو نہ جاؤ گے
یہ کس خطا پہ تیر لگاتے ہیں اشقیا
بی بی میں بے قصور ہوں آگاہ ہے خدا
قربان ہو پدر یہ اجل کے پیام ہیں
میں صدقے جاؤں مجھ کو تمھاری لگے بلا
شہ نے کہا کہیں نہیں امن واماں کی جا
پانی بھی ہم پہ بند ہے رستے بھی بند ہیں
دیکھیں گے صبر وشکر سے جو کچھ خدا دکھائے
کٹ جائے تن سے سر یہ نہ وعدے میں فرق آئے
نانا کے منہ سے مجھ کو خدا سرخرو کرے
بانو کے سر سے گرنے لگی خاک پر ردا
دنیا سے آج کوچ ہے بھائی حسین کا
زینب تباہ ہوتی ہے نانا مدد کرو

یہ کہہ کے سر پٹکنے لگی وہ اسیرِ غم
پیٹو نہ سر تمھیں سرِ شبیر کی قسم
لاشے پہ میرے آہ و بکا کرکے رویو
مر جاؤ گی جو بھائی سے پہلے پٹک کے سر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ نوحہ گر
ہر اک عزیزِ گنجِ شہیداں میں سوئے گا
زندہ رہوں گی آپ کے بعد اے شہِ زمن
یہ ہی کہیں گی بیبیاں جاؤں گی جب وطن
بھائی کو کھو کے آئی ہو اُجڑے مکان میں
طفلی میں ماں کے واسطے روئی بچھا کے صف
زہرِ ستم سے ایک برادر ہوا تلف
دشتِ بلا سے شام تلک ننگے سر گئی
شہ نے کہا کہ اس میں بہن اختیار کیا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا؟
ہم کب گئے جہاں سے نبی و علی کے ساتھ
توڑا ہماری گود میں بھائی حسن نے دم
اُن کی مفارقت کا ہمیں آج تک ہے غم
تڑپے بہت لحد پہ گریبان پھاڑ کے
فرما کے یہ امام پہننے لگے لباس
تھے اہلِ بیت مضطر و حیران و بے حواس
شہ دیکھتے تھے اُن کو جو غم کی نگاہ سے

چھاتی سے سر لگا کے یہ بولے شہِ اُمم
یہ کیا غضب ہے جیتے ہیں زینب ابھی تو ہم
مر جائے جب حسین تو جی بھر کے رویو
لیگا بتاؤ کون یتیموں کی پھر خبر
مجھ کو نہ موت آئے گی یا شاہِ بحر و بر
بھیا کوئی جنازے پہ میرے نہ روئے گا
کیا بازوؤں میں کس کے بندھے گی مرے رسن
بھائی تو قتل ہو گیا جیتی رہی بہن
ایسا نہ سخت جان کوئی ہوگا جہان میں
بیٹی پسِ جنازۂ شاہنشہِ نجف
تیروں سے ایک بھائی کا سینہ ہوا ہدف
کیا کیا جوان مر گئے اور یہ نہ مر گئی
جو مصلحت کریم کی جو مرضیِ خدا
ہو جاتے ہیں جوان پسر باپ سے جدا
دُنیا میں کون مرتا ہے بی بی کسی کے ساتھ
مرنا کچھ اُن کا باپ کے مرنے سے تھا نہ کم
ہوتا جو اختیار، تو کیا مر نہ جاتے ہم
آخر پھر آئے اُن کو بقیعہ میں گاڑ کے
پٹکے کے ساتھ پھرتی تھی زینب بھی آس پاس
لبِ خشک، رنگ زرد، دلوں پر ہجوم یاس
بچے بلک بلک کے لپٹتے تھے شاہ سے

صف باندھے بھائی بند کھڑے تھے جھکائے سر
تن پر سجے سلاح کسے جنگ پر کمر
کوئی تو رشکِ مہر کوئی غیرتِ قمر
گیسوئے بیچدار لٹکتے تھے دوش پر
منہ پھیر پھیر کر جو وہ میداں کو تکتے تھے
جن کے پسر تھے اُن کے کلیجے دھڑکتے تھے

اکبر کی شان دیکھ کے بانوئے نامدار
لیکر بلائیں دور سے کہتی تھی بار بار
خوش ہوتی تھی کبھی کبھی روتی تھی زار زار
صدقے میں تیرے اور تری شان کے نثار
شان آخری شباب کی ماں کو دکھاتے ہو
دولہا بنے جوانی میں مرنے کو جاتے ہو

سب سے جدا تھی شوکتِ عباسِ نوجواں
حمزہ کا رعب شوکتِ جعفر علی کی شاں
قبضہ میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کماں
رہ رہ کے دیکھتے تھے شہنشاہِ دوجہاں
شان و شکوہ ختم تھی اُس خوش نہاد پر
گویا کمر علی نے کسی تھی جہاد پر

زینب سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
قاسم کو تم پہناؤ قبائے تنِ حسن
لاؤ تبرکات کا صندوق ای بہن
اکبر کو دو عمامۂ محبوبِ ذوالمنن
ہم کو علی کی تیغِ دودم لاکے دو بہن
عباسِ نامور کو علم لاکے دو بہن

اس منصبِ بزرگ کا مختار ہی یہی
آلِ نبی کا مونس و غمخوار ہی یہی
جعفر کے مرتبہ کا سزاوار ہی یہی
روزِ ازل سے میرا علمدار ہی یہی
بھائی بھی ہی جری بھی ہی اہلِ وفا بھی ہی
حکمِ علی بھی ہی یہی حکمِ خدا بھی ہی

منہ ماں کا دیکھنے لگے زینب کے گلعذار
ماں نے کیا اشارہ کہ اس عزم کے نثار
یعنی کہ ہم ہیں جعفر و حیدر کے ورثہ دار
حکمِ امامِ دیں میں مجھے کیا ہی اختیار
چپکے کھڑے رہو نہیں جا گہ کلام کی
واجب ہر امر میں ہی اطاعت امام کی

قابل علم اُٹھانے کے کب ہیں تمھارے سن
ظاہر ہی تم پہ رتبۂ سلطانِ انس و جن
دو روز سے ضعیف ہو آب و طعام بن
صدقے گئی نہ پاؤ گے پھر اس طرح کا دن
جعفر کے ورثہ داروں میں تم لاکلام ہو
پر کیا شرف یہ کم ہی کہ شہ کے غلام ہو

ہیں آپ کہتی بھائی سے ہوتا جو کوئی اور
ہے تین دن سے بھائی پہ ظلم و جفا و جور
بچے ہو تم کو فکر ہے نام و نشان کی

سمجھا کے دونوں بیٹوں کو اپنے بہ چشم نم
قبضہ کو اس کے شاہ نے چوما بدرد و غم
پنجہ کی تا بہ چرخِ چہارم ضیا گئی

عباس کو امام نے آگے کیا طلب
بھائی سے رو کے کہنے لگے شاہِ تشنہ لب
یہ مرتبہ کسی کو مقدر نے کم دیا

کی عرض اس جری نے قدم پر جھکا کے سر
مشہور ہوں غلامِ شہنشاہِ بحر و بر
ذرہ پہ کی یہ مہر کہ خورشید کر دیا

کس منہ سے شکرِ بندہ نوازی کروں ادا
سب بادشاہ اس درِ دولت کے ہیں گدا
طوبیٰ سے اس نشان کا سایہ بلند ہے

فرطِ خوشی سے سر کو اٹھا کر وہ ذی وقار
زینب بلائیں لے کے یہ بولی کہ میں نثار
ایذا ہو دھوپ سے نہ شہِ خوش خصال کو

گھر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ امم
ہاتھوں کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم
تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو

عباس کوئی اور ہے پیارو کرو تو غور
شاید انھیں سے صلح کا بن جائے کوئی طور
مجھ کو پڑی ہے سبطِ پیمبر کی جان کی

لے آئیں ذوالفقارِ یداللہ اور علم
شانِ علم کو دیکھ کے رونے شہِ امم
بوئے علی علم کے پھریرے سے آگئی

نہوڑائے سر حضور میں آئے بصد ادب
اس عہدۂ جلیل کی تھی آرزو میں سب
لو ہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

بندہ پہ بچپنے سے عنایت کی ہے نظر
ہیں اور حاملِ علمِ سید البشر
دامن کو میرے دولتِ ایماں سے بھر دیا

مدِ نظر رہی ہے مری پرورش صدا
اے افتخارِ خلق دو عالم کے مقتدا
اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہے

ہمشیر کے قدم پہ گرا با صد افتخار
بھیا خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار
رکھیو علم کے سایہ میں زہرا کے لال کو

تب دوں گی تم کو تہنیتِ عہدۂ علم
کیجیو صلاحِ صلح کہ لشکر ادھر ہے کم
بھیا تمھیں سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

عباس بولے بھائی نہیں ہیں تو ہوں غلام
بھر جائے دشمنوں سے جو رُوئے زمیں تمام
سُن لیجیے گا جنگ میں جو کچھ کروں گا نام
کیا منہ کوئی جو دیکھ سکے جانبِ امام
بچّے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہے
ہر موئے تن پہ شہ کے مرا سر نثار ہے

اتنے میں پاس آکے سکینہ نے یہ کہا
عہدہ علم کا تم کو مبارک ہوا ہے چچا
چہرے کی لوں بلائیں میں صدقے جھکو ذرا
میں نے دعائیں کی ہیں کہو مجھ کو دوگے کیا
میداں کا رُخ کروگے کہ دریا پہ جاؤگے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤگے

بن پانی اینٹھی جاتی ہے اب تو مری زباں
مرجاؤں گی اگر تو مجھے پاؤگے کہاں
ہونٹوں پہ دم ہے ہوں کوئی ساعت کی میہماں
صدقہ علم کا آج بچالو ہماری جاں
سوئے فرات جاتے ہو شاہِ اُمم کے ساتھ
چھوٹی سی ایک مشک بھی لے لو علم کے ساتھ

عباس نے کہا کہ مجھے خود ہے آرزو
سقّا تمھارا ہوں تو بڑھے اور آبرو
عزت ہوئی ملا علمِ شاہِ نیک خو
جب تک ہے دم کروں گا میں پانی کی جستجو
مشکیزہ خالی نہر سے لیکر نہ آؤں گا
پانی نہ یاں ملے گا تو کوثر پہ جاؤں گا

ناگہ سُنا جو زوجۂ عباس نے یہ حال
مارے خوشی کے ہوگیا چہرے کا رنگ لال
ہمراہ لیکے بیٹے کو اپنے وہ خوش خصال
آئی حضورِ سرورِ ذی قدر و ذی کمال
پہلے تو بڑھ کے شاہِ اُمم کی بلائیں لیں
پھر دونوں ہاتھ اُٹھا کے علم کی بلائیں لیں

جھک کر قدم پہ شہ کے یہ بولی وہ خوش سیر
کونین میں کیا مرے والی کو نامور
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر
آقا کنیز نذر کو لائی ہے یہ پسر
قایم رکھے کریم محمدؐ کی آل کو
بچوں پہ صدقے کیجیے اس نونہال کو

خالق سے صبح و شام یہی ہے مری دعا
وارث مرا حضور کے قدموں پہ ہو فدا
ہوں یاں تو ہم سی لاکھ کنیزیں اگر تو کیا
بانوئے دوجہاں کو سہاگن رکھے خدا
دعویٰ برابری کا نہیں گو عزیز ہوں
یہ آپ کے غلام ہیں ان کی کنیز ہوں

بولے پسر سے جھک کے یہ عباسِ نیک نام
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
لے چلیئے ہم کو ہم علی اصغر کے ہیں غلام
چھوٹی سی ایک تیغ منگا دیجئے مجھے
پہلے سبھوں سے رن کی رضا دیجئے مجھے

حضرت کے آگے فوجِ ستم سے کریں گے جنگ
پیریں گے خوں میں بحرِ شجاعت کے ہیں نہنگ
مردوں کا بیٹھنا ہے بڑا عورتوں میں ننگ
ہم کو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہے اُمنگ
رشتہ تو رکھتے ہیں شہِ خیبر شکن سے ہم
بندھوائیں ہاتھ جان بچا کر رسن سے ہم

بولے گلے لگا کے اُسے شاہِ نامدار
کس نے تجھے سکھائیں یہ باتیں چچا نثار
آئی صدا ارے حضرت زہرا یہ ایک بار
ہوتا ہے لال اہلِ وفا کا وفا شعار
بچپن میں کس طرح نہ وہ بچہ دلیر ہو
دادا بھی جس کا شیر ہو بابا بھی شیر ہو

اتنے میں طبلِ جنگ کی آنے لگی صدا
رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہِ کربلا
نکلے علم لیے ہوئے عباسِ باوفا
تسلیم ساری فوج نے کی باندھ کر پرا
غل تھا کہ ہوں گے حشر میں اُس کی پناہ میں
یہ حیدری نشاں ہے حسینی سپاہ میں

تھا زینتِ سپاہِ پیمبر یہی علم
حمزہ جہاد کرتے تھے لیکر یہی علم
ہے افتخارِ حضرتِ جعفر یہی علم
خود دوش پر اُٹھاتے تھے حیدر یہی علم
صدقے سے شہ کے ہم کو یہ عزت نصیب ہو
سایہ میں اس علم کے شہادت نصیب ہو

صلِّ علیٰ زہے علم و حاملِ علم
ذرّہ سے آفتابِ فلک ہے نظر میں کم
آتی ہے بوئے خلد پھریرے سے دم بدم
یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم
ایسا علم ہو دوش پہ ایسے جوان کے
عباس کے نثار تصدّق نشان کے

نکلے حرم سرا سے امامِ فلک جناب
برجِ شرف سے جیسے نمایاں ہو آفتاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا فرزندِ بوتراب
در پر بلکتی رہ گئی زینبؑ جگر کباب
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے بادِ بہاری نکل گئی

یاں تھے کسی جگہ پہ پیادے کہیں سوار
یک سو پرا جمائے رفیقانِ گلعذار
خالی بہادروں سے جلو خانہ ہوگیا
شب بیزِ طبع کا یہ اشارہ ہے اب کہاں
کیجے شمار گر تو اکاسی ہیں سب جواں
چہروں کی روشنی سے خجل شمعِ طور ہے
جاتی تھی یوں سواریِ سلطانِ بحر و بر
کھولے علم کو حضرتِ عباسِ نامور
مرکب پہ بیچ میں خلفِ بوتراب ہے
آہن میں مثل جوہرِ شمشیر سب ہیں غرق
نعرے جو مثلِ رعد تو گھوڑے مثالِ برق
آہو کا اُن کی چال سے کیا زور چل سکے
اِک اِک دلیر شیرِ نیستانِ کارزار
دیں دار سرفروش نمودار نامدار
للکار لیں جو فوج کو نیزے سنبھال کے
آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب
فدیہ ہو فاطمہ کے پسر کے نہ ہے نصیب
آدابِ قاعدے سے دلیرو بڑھے چلو
تھا کس شکوہ و شان سے وہ لشکرِ خدا
باندھے سلاح ادب سے ادھر خویش و اقربا
حلقے میں تھے امام کو قدسی لیے ہوئے

خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قطار
پھولے ہوئے چمن پہ خزاں آئی ایک بار
ڈیوڑھی اُداس ہوگئی ویرانہ ہوگیا
مولا کا کچھ جلوسِ سواری کروں بیاں
ایک ایک جن میں فخرِ عرب زینتِ جہاں
لشکر نہیں حسین کا دریائے نور ہے
انجم کی فوج لیکے چلے جس طرح قمر
گھوڑوں پہ قاسم و علی اکبر ادھر اُدھر
دو چودھویں کے چاند ہیں اک آفتاب ہے
شملے ہیں زیبِ دوش عمامے ہیں زیبِ فرق
جن کے قدم تلے ہے سدا سیرِ غرب و شرق
جن سے سمندِ وہم نہ آگے نکل سکے
رستم کی روح خوف سے جن کے کرے فرار
رانوں میں کوندتے ہوئے بجلی سے راہوار
بھاگیں عدو زمیں پہ ہتھیار ڈال کے
ہاں غازیو حسینؑ محمدؐ کا ہے حبیب
جنت بھی اب قریب ہے مقتل بھی اب قریب
تلواریں تولتے ہوئے شبیرو بڑھے چلو
آگے پرا جمائے رفیقانِ باوفا
پیچھے تمام فوج کے وہ کل کا پیشوا
تھے جبرئیل فرق پہ سایہ کیے ہوئے

تھا زیبِ سر عمامۂ محبوبِ کبریا
مہتاب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
پہنے قمیصِ حضرتِ یوسف تہِ قبا
باندھے ہوئے کمر میں کمر بندِ مرتضا
داؤد کی زرہ شہِ والا کے بر میں تھی
اور ذوالفقارِ حیدرِ صفدر کمر میں تھی

بالائے دوش حضرتِ حمزہ کی تھی سپر
ہو جس طرح سے ابر کا ٹکڑا پسِ قمر
چار آئنہ پہ جا کے ٹھہرتی نہ تھی نظر
تھے دو غلامِ خاص مگس راں اِدھر اُدھر
چہرہ عرق سے تر تھا جو سبطِ رسول کا
رومال ہاتھ میں تھا جنابِ بتول کا

پھیلا ہوا تھا دشت میں شاہِ زمن کا نور
حیدر کا فاطمہ کا نبی کا حسن کا نور
اِک چہرۂ حسین میں تھا پنجتن کا نور
چہرے کی ضو جبیں کی ضیا اور بدن کا نور
گردوں پہ کس طرح مہ و اختر نہ ماند ہوں
اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں

پہونچے نہ تھے امام ابھی تا بہ قتل گاہ
جاسوس نے یہ آکے خبر دی میانِ راہ
قایم رہے شکوہِ شہنشاہِ دیں پناہ
آمادۂ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
ناوک فگن کہیں ہیں کہیں نیزہ دار ہیں
میداں سے تا بہ نہر ہزاروں سوار ہیں

ذرّوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار
اس گھاٹ پر فقط ہیں کماندار دس ہزار
اُن سے اُدھر کو برچھیوں والوں کی ہے قطار
نیزے ہلا رہے ہیں سوارانِ ہرزہ کار
پانی سپاہِ شام سے پانا محال ہے
دریا تلک نگاہ کا جانا محال ہے

اس دم فسادِ لشکرِ اعدا میں ہے مگر
مولا، کمالِ فکر میں ہے شمرِ خیرہ سر
سردارِ فوج جمع ہیں باندھے ہوئے کمر
تاکیدِ جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر
اک نوجواں ہے میں اُسے پہچانتا نہیں
سب مانتے ہیں پر وہ جری مانتا نہیں

سردار ہے ہزار سواروں کا وہ دلیر
زور آورانِ فوج ہیں سب اُس کے ڈر سے زیر
بگڑا ہوا کھڑا ہے الگ وہ بسانِ شیر
ہر بار دیکھتا ہے اِدھر منہ کو پھیر پھیر
آہوں کے ساتھ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے
مانندِ بید عضوِ بدن تھرتھراتے تھے

کیا کیا خطا شعاروں کو اُس نے دیا جواب — ہے یہ یقین کہ اُس سے نہ چھوٹے رہِ ثواب
تلواریں کھچ گئی ہیں ادھر اے فلک جناب — یاں کی بُرائی سُننے کی اُس کو نہیں ہے تاب
جو ہے اُسے کسی کو یہ پاسِ ادب نہیں — آپس میں جنگ ہو تو کچھ اُس کا عجب نہیں

سُنتا تھا میں کہ یہ عمرِ سعد نے کہا — آتا ہے بہرِ جنگ محمدؐ کا لاڈلا
شہرہ عرب میں تیری شجاعت کا ہے بڑا — جا پہلے لڑ حسین سے تو سوچتا ہے کیا
سرسبز ہونے دے نہ محمدؐ کے باغ کو — جلدی بجھا مزارِ علی کے چراغ کو

قبضے پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا وہ نیک نام — مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہے کام
سیدِ عیال دار غریب الوطن امام — فاقے سے تین روز کے دو دن سے تشنہ کام
واجب ہے احترام محمدؐ کی آل کا — ہے کیا قصور فاطمہ زہرا کے لال کا

پیاسے سے تشنہ کام سے بے پر سے میں لڑوں — مختارِ کارخانۂ داور سے میں لڑوں
کافر نہیں جو دین کے رہبر سے میں لڑوں — کھینچوں علی پہ تیغ پیمبر سے میں لڑوں
اُمت کو چاہیے مدد آلِ رسول کی — پاؤں گا کیا اُجاڑ کے کھیتی بتول کی

فرمایا شہ نے اُس کو خدا دے جزائے خیر — بیٹوں سے ہے عزیز مجھے گو کہ ہے وہ غیر
روئیں گے اُس جری کو جن و انس و حش و طیر — لکھی ہے اُس کے بخت میں باغِ ارم کی سیر
اعدا میں تو ہماری محبت کی بو نہیں — وہ ہے تو حر ہے اور کی یہ گفتگو نہیں

یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امامِ دیں — کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غرقِ سلاحِ حرب جوانانِ مہ جبیں — نعروں سے غازیوں کے لرزتی تھی فوجِ کیں
تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے — شملے چھٹے تھے دوش پہ گیسو لٹکتے تھے

عباس آگے فوج کے کھولے ہوئے علم — آنکھوں کو ملتے تھے پھریرے سے دم بدم
پیدا تھی شانِ شیرِ خدا سر سے تا قدم — حمزہ کا رعب جعفرِ طیار کا حشم
دریا کو تکنے لگتے تھے بھائی کو دیکھ کر — بڑھتے تھے مثلِ شیر ترائی کو دیکھ کر

آمادۂ نبرد تھی دونوں طرف کی فوج
نرغے میں بے قرار تھا شاہِ زناں کا زوج
لہراتا تھا ہوا سے پھریرا جو مثلِ موج
تھا تا بہ چرخ رایتِ فوجِ خدا کا اوج
کثرت پہ اپنی فوجِ عدو کو غرور تھا
ظلمت اُدھر تھی کفر کی یاں حق کا نور تھا

چلّایا ابنِ سعد جفا پیشہ و شریر
ہاں ابنِ فاطمہ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھینچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکرِ کثیر
بولا یہ حُر کہ قہرِ خدا سے ڈرا ے امیر
خوں کس کا ہوگا تیر یہ کس کو لگائے گا
کیا سینۂ نبی کو نشانہ بنائے گا

اس نے کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لا کلام
ہم سے تجھے علاقہ ہے یا دشمنوں سے کام
حُر نے کہا کہ او ستم آرا زباں کو تھام
سبطِ رسول ہے مرا محسن مرا امام
تو دشمنِ نبی ہے ترا کیا شریک ہوں
جن کی طرف خدا ہے انھیں کا شریک ہوں

بولا عمر یزید سے کرتا ہے انحراف
پکڑی تھی باگ واں بھی تو ہوگی خطا معاف
اُس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف
واللہ ہے حسین کا دل آئنے سے صاف
ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے خجل کریں
تو بھی اگر چلے تو خطائیں بحل کریں

اُس نے کہا خلافِ شجاعت ہے یہ کلام
تجھ کو برا کہیں گے شجاعانِ روم و شام
حُر نے کہا رہے گا ابد تک ہمارا نام
عاقل ہیں جتنے مدح کریں گے وہی مدام
اس کثرتِ سپاہ پہ تو ڈر سے زرد ہے
تھوڑوں کا جو شریک ہو جا کر وہ مرد ہے

مجھ کو برا کہے تو کہے حاکمِ جہول
مرنا قبول آگ میں جلنا نہیں قبول
اب سر مرا ہے اور قدمِ نائبِ رسول
بے دیں کی بے یقیں کی اطاعت سے کیا حصول
نہ مال سے غرض ہے نہ اب زر سے کام ہے
خوشنودیِ خدا و پیمبر سے کام ہے

دوزخ سے میں تو جاتا ہوں بجانبِ ارم
روکے تو مجھ کو آ کے ترا لشکرِ ستم
چھیڑا فرس کو کہہ کے جو یا سیّدِ اُمم
طاؤس کی طرح سے اُڑا اسپِ خوش قدم
ہاں ہاں کہا کئے پہ وہ سن سے نکل گیا
آئی صدا کہ چاند گہن سے نکل گیا

جب آدھی راہ کر چکا طے حُرِّ نامور
ہیں دستگیرِ خلق کا مجرم ہوں ای پسر
دستِ خدا پدر ہی شہِ کائنات کا
روکر کہا پسر نے ابھی سے یہ کیا ضرور
آفا نہ تم سے دور ہیں نہ تم ہواُن سے دور
چل کر امامِ پاک کے دامن کو تھام لو
اُس نے کہا پسر سے کہ خیر ای نکو شعار
باندھے پسر نے دستِ پدر ہو کے بے قرار
میزانِ مغفرت میں گناہوں کو تول دو
واں سے چلا غلام ادھر سے بڑھے امام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
محجوب ہوں بہت شہِ والاصفات سے
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِ دیں پناہ
ہی تو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیرخواہ
تجھ کو نہ بخش دیں یہ رحیمی سے دور ہی
احسان مند بلکہ ہوں تیرا میں تشنہ لب
سوتی تھی تیری فوج کیا میں نے کوچ جب
جنگل میں رات پھرتے ہی پھرتے بسر ہوئی
یہ کہہ کے ہاتھ کھول دیئے اُس کے شاہ نے
پونچھا غبار چہرے کا شبیرؑ الہ نے
حُر کے قدم کی آکے ملک خاک لے گئے

بیٹے سے تھم کے کہنے لگا وہ نکو سیر
تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچ کر
ہاتھ آئے گا اسی میں وسیلہ نجات کا
پہلے چلو تو ابنِ یداللہ کے حضور
تب کاٹیو یہ ہاتھ نہ بخشیں گے جب قصور
فردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو
رومال سے تو باندھ دے دستِ گناہگار
ہاتف نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رستگار
باندھے ہیں اُس نے ہاتھ درِ خلد کھول دو
دیکھا جو حُر نے آتے ہیں شاہِ فلک مقام
صدقے ترے کرم کے میں ای قبلۂ انام
بندے کے ہاتھ قطع کر و اپنے ہات سے
لگ جا گلے سے روکی تو روکی ہماری راہ
تیری نہ کچھ خطا ہی نہ ہاتھوں کا ہی گناہ
روکا تھا ہم کو موت نے تو بے قصور ہی
پھر جانے کی صلاح مجھے ہی تھی وقتِ شب
لیکن مسافروں پہ تباہی پڑی عجب
مرنا تھا جس جگہ وہیں آکر سحر ہوئی
لپٹا لیا گلے سے رسالت پناہ نے
ذرہ کو مہر کر دیا زہراؑ کے ماہ نے
مہماں کو اپنے پنجتنِ پاک لے گئے

جب سب سے مل چکا تو یہ حر نے کیا کلام
امیدوار حرب کی رخصت کا ہے غلام
رو کر یہ اُس سے کہنے لگے شاہِ تشنہ کام
اک دم تو گھر ہیں فاقہ کشوں کے بھی کر مقام
ہم پہلے داغ خویش و برادر کے دیکھ لیں
تو ہم کو دیکھ ہم تجھے جی بھر کے دیکھ لیں

حر نے کہا بہشت ہیں ہے آپ کا تو گھر
ہوگا وہیں مقام کیا یاں سے جب سفر
خادم کو اب نہ روکیے یا شاہِ بحر و بر
شہ نے کمر کو ہاتھوں سے تھاما جھکا کے سر
بچھڑے جب ایسا دوست تو کیا دل کو کل پڑے
رخصت تو دی پر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

چڑھنے لگا فرس پہ جو با دیدۂ پُر آب
عباسِ نامدار بڑھے تھامنے رکاب
کی عرض حر نے تب کہ یہ کیا ہے فلک جناب
عباس نے کہا تری خدمت تو ہے ثواب
شیدائے جاں نثارِ امامِ انام ہوں
تو جن کا میہماں ہے میں اُن کا غلام ہوں

چڑھ کر سمند پر جو چلا وہ بصد حشم
پیچھے پیادہ روتے چلے سیدِ امم
گھبرایا حر تو کہنے لگے شاہِ باکرم
مجھ کو مشایعت کو تو چلنے دے دو قدم
زہرا ابھی تیرے ساتھ ہیں حیدر بھی ساتھ ہیں
تنہا نہیں حسین پیمبر بھی ساتھ ہیں

حر نے کہا کہ ہوتا ہے خادم گنہگار
کیوں کر بڑھوں حضور پیادہ ہیں میں سوار
یہ سن کے واں سے روتے پھرے شاہِ نامدار
میداں میں حر پہونچ گیا چمکا کے راہوار
بازارِ حرب گرم جو تھا سرد ہو گیا
دہشت سے ابنِ سعد کا منہ زرد ہو گیا

دیکھا سیاہ کاروں نے جب روئے حر کا نور
غل پڑ گیا یہ حر ہے یا روشنی طور
حر نے کہا کہ عقل کا تم سب کے ہے قصور
حر ہوں غلام شہ کا فرشتہ ہوں میں نہ حور
ہے روشنی جو رخ پہ فزوں مہر و ماہ سے
خلعت ملا ہے نور کا سرکارِ شاہ سے

وہ لوٹ رہا ہے خلد جسے ہو طلب وہ جائے
ممکن نہیں کہ وقت پھر ایسا جہاں میں پائے
لے جائے جان بیچ کے جو جس کے ہاتھ آئے
ایسا سخی نہیں جو کسی سے وہ منہ پھرائے
ہے دوست پر حلال عدو پر حرام ہے
سرکارِ ابنِ فاطمہ میں فیضِ عام ہے

بھولے ہو راہِ رست تو رہبر کے پاس جاؤ
دوزخ کی راہ چھوڑ کے گھر خلد میں بناؤ
زہرا کا نورِ عین تمھارا کفیل ہے
کعبہ سے منہ پھرا کے نہ ہو ساکنِ کنشت
سرسبز یاں نہ ہو گی کبھی عاقبت کی کشت
دینِ نبی میں آؤ نہ کافر کا ساتھ دو
دیکھو مری طرف میں وہی ہوں جو تھا اُدھر
یہ دبدبہ یہ اوج یہ حشمت یہ کرّ و فر
پڑھتے ہوئے درود ملک ساتھ آئے ہیں
اس گفتگو سے حر کی ہوئے اہلِ کیں خجل
کتنے جواں تو رونے لگے ہو کے منفعل
مارو اسے کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
یہ سن کے حر پہ چلنے لگے تیر بے شمار
تیغیں ہوئیں بلند چلے برچھیوں کے وار
پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
چہرے چھپائے پشت سے ڈھالوں کو کھول کے
بھاگے سوار پھر تو پیادوں کو رول کے
غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
ہر دم تھی جنگ میں برشِ تیغِ حرِ دو چند
دستِ اماں کیئے تھے اُدھر کے علم بلند
تیغوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا ہوش تھا

دُنیا محل فریب کا ہے دام میں نہ آؤ
بھوکے ہو نعمتوں کے تو پھل برچھیوں کے کھاؤ
پیاسو چلو کہ چشمۂ کوثر سبیل ہے
لازم ہے عاقلوں کے لیئے ترکِ فعلِ زشت
دوڑو کہ لُٹ رہے ہیں اُدھر حلۂ بہشت
دستِ خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو
یوں نور تھا کبھی مرے چہرے پہ جلوہ گر
مولا کی اِک نگاہِ عنایت کا ہے اثر
یہ سب شرف حسین کے صدقے سے پائے ہیں
کانپے بدن لرزنے لگے چھاتیوں میں دل
چلّایا شمر آن کے ہر صف کے متصل
دشمن کا ہو جو دوست وہ دشمن سے کم نہیں
نیزہ ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
لشکر میں مثلِ شیر در آیا وہ نامدار
دیکھی جو تیغِ حر کی چمک دم نکل گئے
پیچھے ہٹے بڑھے تھے جو تیغوں کو تول کے
پہنچا وہ شیر بیچ میں اعدا کے غول کے
اک اک قدم پہ ڈھیر تن و سر کا ہو گیا
خوں گھٹ گئے تنوں کے بڑھا جس طرح سمند
تھرا رہے تھے برچھیوں ڈالوں کے بند بند
نیزہ ہر اک سوار کو اک بارِ دوش تھا

دہشت سے سہم کر قدر انداز مر گئے
ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے
دانستہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا
گھوڑا وہ برق تھا کہ جو اک اُس سے چلائے
اُس کے قدم کی گرد کو صرصر کبھی نہ پائے
جس غول پر گرا تو اُڑا اس شکوہ سے
بجلی سی تیغِ شعلہ فشاں چار سو پھری
دم میں ستم گروں کا بہا کر لہو پھری
یہ اوج تیغِ قدرتِ حق سے عیاں ہوا
غلطاں تھے تن زمیں پہ جدا اور سر جدا
گردن جدا تھی سینہ جدا اور سر جدا
پستی پہ جب چمک کے بلندی سے آتی تھی
روکا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی
آئی اُدھر سے گر تو اُدھر سے نکل گئی
ضربت سے چار آئنہ والے بھی تنگ تھے
تن سیکڑوں زمین پہ بے سر دکھا دیئے
چشمِ غضب نے شبر کے تیور دکھا دیئے
یوں جست کی سمند نے لاشوں کو روند کر
دہنی طرف گیا تو رسالے قلم ہوئے
آیا اِدھر تو برچھیوں والے قلم ہوئے
اعدا کے ہوش برقِ اجل نے اُڑا دیئے

رُخ پھر گئے کمانوں کے چلّے اُتر گئے
ہرگز ملا نہ گوشۂ راحت جدھر گئے
تقدیر لے نشانۂ تیرِ قضا کیا
افلاک پر سمندِ نظر کی طرح سے جائے
پیکِ خیال و وہم یہ سرعت کہاں سے لائے
پرواز کبک کرتا ہی جس طرح کوہ سے
میداں میں بھاگتی ہوئی فوجِ عدو پھری
سر کاٹ کر جدھر سے پھری سرخرو پھری
گویا ہلالِ عید شفق سے عیاں ہوا
زخمی اُدھر پڑے تھے جدا اور اِدھر جدا
شانے سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
گاوِ زمیں زمیں کے تلے تھرتھراتی تھی
دو کر کے خود کاسۂ سر سے نکل گئی
سینہ کو چاک کر کے کمر سے نکل گئی
کہنے کو تھی وہ تیغ پہ بجلی کے رنگ تھے
اجزائے جسم خاک پہ ابتر دکھا دیئے
ہاتھوں نے زورِ تیغ نے جوہر دکھا دیئے
بجلی فلک سے گرتی ہی جس طرح کوند کر
ترکش سے جس نے تیر نکالے قلم ہوئے
حملہ کیا پلٹ کے تو بھالے قلم ہوئے
ڈھالوں کے پھول تیغ کے پھل نے اُڑا دیئے

یوں تن سے سر گراتی تھی شمشیر آبدار
جیسے رگِ سحاب کبھی ہو تگرگ بار
دو ہو گیا وہ صاف گیا جس پہ ایک وار
غلطاں لہو میں تھے کہیں پیدل کہیں سوار
ہر صف میں اُس جری کی لڑائی کا شور تھا
ہر غول میں نبی کی دُہائی کا شور تھا

چلّائے تب حسین کہ بس اے دلیر بس
مقتل میں ہر طرف ہوئے لاشوں کے ڈھیر بس
اعدا دُہائی دیتے ہیں گھوڑے کو پھیر بس
اُمّت ہے یہ نبی کی بس اے میرے شیر بس
شاباش حقِّ دوستیِ پنجتن ہے یہ
غربت بھی اب کہا کہ ہمارا چلن ہے یہ

یہ سُن کے ہاتھ روک لیا اُس جری نے جب
بولا یہ شمر ٹوٹ پڑو اس پہ مل کے سب
یاں غم سے بے قرار ہوئے شاہِ تشنہ لب
تیغوں کے وار چلنے لگے حُر پہ ہے غضب
کاری جو زخم تن پہ لگے اُس دلیر کے
تکنے لگا حسین کو منہ پھیر پھیر کے

سینہ سے جبکہ ہو گئی برچھی ستم کی پار
گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا حُرِ نامدار
رکھ کر جگر پہ ہاتھ پکارا وہ دل فگار
اے فاطمہ کے لال یہ خادم ہوا نثار
اب شفقتِ امامِ حجازی کا وقت ہے
آقا یہی غلام نوازی کا وقت ہے

جس دم سُنی امامِ اُمم نے صدائے حُر
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کہ ہائے حُر
رو کر کہا رفیقوں سے دیکھی وفائے حُر
خیمے میں پیٹنے لگی زینب برائے حُر
کھینچی جو شہ نے آہ دلِ بے قرار سے
نکلی تڑپ کے فاطمہ زہرا مزار سے

دوڑے اُدھر سے رن کی طرف سیدِ اُمم
آئے نجف سے حیدرِ صفدر بچشمِ نم
آواز دی نبی نے کہ حُر کو لیے ہیں ہم
اُس وقت پہنچے شاہ کہ وہ توڑتا تھا دم
سر کاٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
مہماں سے اپنے دوڑ کے حضرت لپٹ گئے

زانو پہ رکھ لیا سرِ حُر اور یہ کہا
بھائی حسین آیا ہے آ ہوش میں ذرا
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ باوفا
مولا ہزار جان سے میں آپ پہ فدا
جن کے لیے زمیں پہ فلک سر جھکائے ہیں
وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آئے ہیں

زانو پہ سر ہے آپ کے یا شاہِ بحر و بر
محبوب کبریا ہیں اِدھر شبرِ حق اُدھر
یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوحہ گر
شہ نے کہا کہ روتی ہیں امّاں برہنہ سر
تو حشر تک امام دو عالم کے ساتھ ہے
ماتم ترا حسین کے ماتم کے ساتھ ہے

یہ سُنتے سُنتے غیر ہوا اُس جری کا حال
زانوئے شاہِ دیں پہ کیا حُر نے انتقال
خیمے کے در پہ لاش کو لایا علی کا لال
سب بی بیوں نے کھول دیئے اپنے سر کے بال
زینب یہ روئی شہ کے فدائی کے واسطے
جیسے بہن تڑپتی ہے بھائی کے واسطے

بس اے انیس مرثیہ ہوتا ہے اب طویل
مصرعے ہیں لاجواب تو مضمون بے عدیل
اس نظم کو قبول کریں سیدِ جلیل
مداح جن کا تو ہے وہی ہیں ترے کفیل
مقبولِ بارگاہِ خدائے قدیر ہیں
شاہانِ خلق سب اُسی در کے فقیر ہیں

رُباعی

منہ چاہیئے وصفِ رخِ اکبر کے لیئے
تھا حُسن اُسی سروِ سمن بر کے لیئے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گل چاہیئے مسطر کے لیئے

ایضاً

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا
ظلِ علمِ صاحبِ معراج ملا
منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم
اب چاہیئے کیا تخت ملا تاج ملا

مرثیہ (۴)

کیا فوجِ حسینی کے جوانانِ حسیں تھے
آگاہ دل و اہلِ وفا اہلِ یقیں تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہراؓ
وہ عاشقِ صادق تھے وہ تھے مومنِ کامل
کیا ہوش تھا کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل
محرابِ عبادت خمِ شمشیر کو سمجھے

دُنیا کی نہ خواہش تھی نہ کچھ فکرِ زر و مال
نہ یادِ وطن تھی نہ انھیں الفتِ اطفال
منظور یہ تھا جی سے گزر جائیں گے پہلے
کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر
تھی پیشِ نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر
نہ پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی

مقبولِ خدائے دو جہاں تھے وہ جواں مرد
ایک ایک جری دفترِ کونین میں تھا فرد
ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں
مستِ مئے عرفاں تھے وہ سب عاقل و ذی ہوش
دُنیا سے بری بارِ علائق سے سبکدوش
ہر دم سرِ تسلیم تھا خم راہِ خدا میں

کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحبِ دیں تھے
غنچہ دہن و مہر لقا ماہ جبیں تھے
عاشور سے بس آج تلک روتی ہے زہرا
دی تھی اُنھیں خالق نے تمیزِ حق و باطل
کیا حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
جادہ وہ مسافر دمِ شمشیر کو سمجھے

تھی دولتِ فقر ان کے لیے حشمت و اجلال
شبیرؑ کے عاشق تھے زہے بخت خوشا حال
اس بات پہ مرتے تھے کہ مر جائیں گے پہلے
قاری کوئی قرآں کا کوئی ماہرِ تفسیر
تھا شوق کہ اب حوروں سے ہوویں گے بغلگیر
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی

مرجانے پہ سرگرم تھے اور زیست سے دل سرد
تابندہ تھے خورشید کی صورت رخِ پُرگرد
کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے ہیں
تھی غیرِ خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دل یادِ الٰہی میں جو یوں دیکھو تو خاموش
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہِ خدا میں

وہ صورتِ حسن اور وہ اثر دار دُعائیں
وہ اُن کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں
وہ چاند سے رُخ اور وہ نورانی عبائیں
وہ دوش پہ شملے وہ عمامے وہ ردائیں
نہ حور میں یہ حُسن نہ انساں نہ پری میں
گویا ملک اُترے تھے لباسِ بشری میں

ہمّت سے توانا پہ ریاضت سے بدن زار
غربت الم فاقہ کشی زردیِ رُخسار
مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلبگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاں پیاس کے آثار
تسبیح خدائے دو جہاں وردِ زباں تھی
بیداریِ شب نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

مقبولِ خدا صاحبِ دیں زاہد و ابرار
برسوں جو رہے چرخ میں یہ گنبدِ دوّار
ایسے نہ پیمبر کو ملے یاور و انصار
پیدا نہ ہوں اس طرح کے اصحابِ وفادار
حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے
کٹوائے سر اُن لوگوں نے ہم رو نہیں سکتے

کیا کیا نہ اذیت تھی پہ تھے صابر و شاکر
سر دینے پہ موجود فدا ہونے پہ حاضر
مولا کی محبت تھی ہر اک بات میں ظاہر
اس بھوک میں ثابت قدم اس پیاس میں صابر
کھائے تبر و تیر پہ غم خواری کا حق تھا
وہ کر گئے غازی جو وفاداری کا حق تھا

مرقوم ہیں قرآں میں رُتبے شہدا کے
وہ چاہنے والے تھے امامِ دوسرا کے
بے جاں ہوئے پردیس میں کیا رنج اُٹھا کے
طالب تھا خدا اُن کا وہ طالب تھے خدا کے
دُنیا میں یہ تحصیلِ سعادت کا صلا تھا
آقا بھی اُنھیں سبطِ پیمبر سا ملا تھا

حقا کہ عجب فوج تھی فوجِ شہِ ابرار
ہم شکلِ پیمبر سا جواں فوج کا سالار
جن لوگوں کا عباسِ دلاور سا علمدار
مختار وہ اللہ کے جو گھر کا ہو مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

چہرے تھے خدا نے یدِ قدرت سے سنوارے
کس صبر سے آفت میں کئی روز گزارے
زیبندہ تھے اُس چاند کو ایسے ہی ستارے
شبیرؑ کے شیدا تھے وہ اللہ کے پیارے
بڑھ بڑھ کے گلا رکھتے تھے شمشیرِ دو دم پر
سر کٹ کے جو گرتے تھے تو آقا کے قدم پر

تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں اور کاندھوں پہ ڈھالیں
یہ قصد کہ قبضہ پہ عدو ہاتھ تو ڈالیں
تلواریں علم کرکے جو لشکر پہ جھکیں گے
کہتا تھا کوئی آج کا مرنا ہے سعادت
خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہے سعادت
پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مزا ہے

تھے داہنی طرف جمع عزیزانِ ذی شاں
زہرا کے جگربند محمد کے دل و جاں
میداں میں عجب شان سے مرنے پہ تُلے تھے
اٹھارہ تھے فرزندِ پیمبر کے یگانے
پالا تھا اُنھیں گود میں شاہِ شہدا نے
وہ فاطمہ رضؓ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے

کچھ طفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوش رو
وہ چاند سے رخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو
مرجائیں گے فاقے میں قسم کھائے ہوئے تھے
لڑکے کئی جو پہلے پہل نکلے تھے گھر سے
چھوٹے سے لگائے ہوئے ہتیار کمر سے
یہ دیر ہے کیوں ہم سے بھلا فائدہ کیا ہے

چلنے لگے تلوار کھُلیں شیروں کے جوہر
میداں سے پھرا کون ہزاروں کو بھگا کر
رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا کون

نیزوں کی ستاروں سے چمکتی ہوئی بھالیں
ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں
نیزوں سے نہ تیروں سے نہ خنجر سے کٹیں گے
سرتا بہ قدم خون میں بھرنا ہے سعادت
سر سے رہِ خالق میں گزرنا ہے سعادت
جو آج کے دن حلق کٹانے میں مزا ہے

جن کے رُخِ روشن سے منور تھا وہ میداں
تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
حیدر کے مرقع کے ورق رن میں کھلے تھے
اک رشتہ میں جس طرح ہوں تسبیح کے دانے
عاشور کو ہاتھ ان پہ کیا صاف قضا نے
مقتل میں ستمگاروں کی تیغوں کے تلے تھے

خوش ظاہر و خوش باطن و خوش قامت و خوش خو
تھی کوسوں تک ان فاطمہ رضؓ کے پھولوں کی خوشبو
پانی کا جو تھا قحط تو مرجھائے ہوئے تھے
ہر صف کی طرف تکتے تھے شیروں کی نظر سے
کہتے تھے نکلتا نہیں اب کوئی اِدھر سے
میداں میں چمکنے لگیں تیغیں تو مزا ہے

دیکھیں تو بھلا کس نے کسے کردیا بے سر
ہاں دیکھیں تو کس نے تہہ و بالا کیا لشکر
فوجِ ستم آرا کے نشاں لیکے گرا کون

دو لاکھ میں کس نے پسرِ سعد کو مارا
تلوار سے کس نے کیا خولی کو دو پارا
لو فتح ہوئی کون خبر دیتا ہے آ کر

بولا کوئی حضرت انہیں پہلے جو رضا دیں
دعویٰ یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں
ناچار ہیں گر پیاس سے غش کھا کے گریں گے

کیا حضرتِ مسلم کے یتیموں کا کہوں حال
منہ چاند سے اور اُلجھے ہوئے گیسوؤں کے بال
وہ چاند سے رُخ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے

ٹوٹا تھا فلک غم کا جو ایذائے سفر میں
لب خشک تھے اندھیر زمانہ تھا نظر میں
کہتے تھے کہ بابا تو نہ اب آ کے ملیں گے

چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی
کوفے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی
وہ کہتا تھا سر اُن کے اتارے گئے ہوں گے

ماموں کے قریں زینبِ دلگیر کے دلدار
انگڑائیاں لے لے کے یہی کہتے تھے ہر بار
اک دم میں فنا ہوں گے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہیں

اور تین تھے لختِ جگرِ شبّر ذی جاہ
دولہا کے سن و سال کا کیا حال لکھوں آہ
دن گنتی تھی ماں بیٹے کی شادی کی ہوس میں

کس نے سرِ شمرِ ستم ایجاد اُتارا
خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنارا
گڑتا ہے نشاں کس کا درِ کوفہ پہ جا کر

لڑکے ہیں یہ زورِ اسد اللہ دکھا دیں
اک حملہ میں دو چار صفوں کو تو مٹا دیں
اس کی بھی قسم لے لو کہ جیتے نہ پھریں گے

نہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
پوشاک سیہ جسم میں اور دھوپ سے منہ لال
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے

تھے داغِ غمِ بے پدری اُن کے جگر میں
دُنیا تھی فراموش اُنھیں یادِ پدر میں
آقا کے ہراول سے ہمیں جا کے ملیں گے

بابا کی سُنائی تو مقدر نے سُنائی
کیا جانیے ہیں قید کہ پائی ہے رہائی
اقلیم میں دشمن کے ہیں مارے گئے ہوں گے

اک حیدرِ کرّار تھا اک جعفرِ طیّار
کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکرِ کفار
روباہ ہیں وہ ہم پسرِ شیرِ خدا ہیں

عبداللہ و زید و حسن و قاسم نوشاہ
سن تیرہ برس کا تھا یہ تھا چودھویں کا ماہ
دولہا بھی بنے مر بھی گئے تیرہ برس میں

وہ حسن وہ سن اور وہ پوشاک شہانی
قد سرو سا ہے پر یہ کہاں اس میں روانی
خلق حسنی کم سخنی غنچہ دہانی
وہ رعب کہ ہو جائے جگر شیر کا پانی
تلوار تو کاندھے پہ زرہ باپ کی بر میں
تصویر حسن پھرتی تھی حضرت کی نظر میں

تھی صبح شب عقد کہ پیک اجل آیا
دیکھا بھی نہ تھا ماں نے کہ سہرے کو بڑھایا
بانو نے سر شام دلھن جس کو بنایا
قسمت نے سحر کو اسے رنڈ سالہ پنھایا
دولہ کی نشانی تو کلیجے پہ دھری تھی
اور مانگ میں صندل کے عوض خاک بھری تھی

عباس سوا پانچ تھے فرزند ید اللہ
ششدر تھا جنھیں دیکھ کے سب لشکر گمراہ
ایک ایک دلاور تھا ہزبر صف جنگاہ
شیروں کو دم حرب سمجھتے وہ روباہ
غازی تھے بہادر تھے ولی ابن ولی تھے
سب قوت بازوئے حسین ابن علی تھے

عباس علی حیدر صفدر کا نشاں تھا
بس لشکر اسلام میں وہ شیر ژیاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس ۳۲ برس کا وہ جواں تھا
چہرے سے جلال اسد اللہ عیاں تھا
اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق ہے جسے دے جعفر طیار کا رتبہ

کیا وصف جناب علی اکبر کروں تحریر
حسن نبوی خلق حسن غربت شبیر
اٹھارہ برس کا تو سن اور صاحب توقیر
تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے نور کی تصویر
شوکت ہے سراپا میں رسول دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

تھے بیچ میں اس غول کے شاہنشہ عالم
گردوں پہ ستاروں میں ہو جوں نیر اعظم
دریائے کرم رحمت حق نور مجسم
فخر دو جہاں قبلۂ دیں سید اکرم
غل تھا کہ عجب شوکت و شان شہ دیں ہے
ذرے سب اسی کے ہیں یہ خورشید زمیں ہے

ناگاہ بجا فوج عدو میں دہل جنگ
کھلنے لگے ہر صف کے علم ہائے سیہ رنگ
لشکر کے زرہ پوشوں نے گھوڑوں کے لئے تنگ
جا خالی نہ تھی فوج ستم میں کئی فرسنگ
بے دینوں کے رخ قبلۂ ایماں سے پھرے تھے
ہفتاد و دو و تین لاکھ سواروں میں گھرے تھے

اُمڈا اٹھا سمندر کی طرح لشکرِ کفّار
جوں موج نظر آتی تھی تلوار پہ تلوار
کیا دخل نظر جائے جو اس پار سے اُس پار
بے خوں ہیں ہوئے غرق عبور اُس سے تھا دشوار
پانی تھے جگر پیاس سے اولادِ علی کے
خشکی میں تباہی تھی سفینے پہ علی کے

تھے گھاٹ پہ دریا کے صف آرا قدر انداز
قالب سے کرے روح جنھیں دیکھ کے پرواز
پیغامِ اجل اُن کے ہر اک تیر کی آواز
ایک ایک کو اپنی قدر اندازی پہ تھا ناز
جوڑے ہوئے تیروں کو جمائے ہوئے صف کو
رُخ سب کے جگر گوشۂ زہرا کی طرف کو

بدکیش کوئی دیکھتا تھا تیر کا پلّا
کہتا تھا کوئی کرتے ہیں اب پیاسوں پہ حلّا
اُلفت ہے نہ حیدر سے نہ احمد سے تولا
کر دیتے ہیں برباد قریشوں کا محلّا
دُنیا سے مٹا دیں گے نشاں آج نبی کا
بچّہ بھی نہ چھوڑیں گے حسین ابنِ علی کا

واں ہوتی تھی قتلِ شہِ مظلوم کی تدبیر
تھے یاں کے بھی تھوڑے سے جواں دست بہ شمشیر
غل خیمے میں تھا ہائے غضب گھر گئے شبیر
بے تاب تھی سر کھولے ہوئے شاہ کی ہمشیر
گر پڑتی تھی غش کھا کے جو غل ہوتا تھا رن میں
چادر نہ سنبھلتی تھی یہ غش تھا بدن میں

کہتی تھی سکینہ سے کہ آؤ مری پیاری
سُن لیتا ہے بچوں کی دعا ایزدِ باری
خالق سے یہ رو رو کے دعا مانگو میں واری
پھر خیر سے آئے مرے بابا کی سواری
اس سن میں یتیمی کا مجھے داغ نہ ہوئے
پامالِ خزاں فاطمہؑ کا باغ نہ ہوئے

یاں تھا یہ تلاطم کہ چلے تیر اُدھر سے
عباس بچانے لگے حضرت کو سپر سے
تلواریں اُگلنے لگیں شیروں کی کمر سے
لڑنے کا لیا اذن شہِ جن و بشر سے
کہتے تھے کہ رن میں کہیں تلوار نہ چل جائے
دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے

پہلے حرِ غازی نے صفیں کیں تہ و بالا
پھر بھائی گیا رن میں ہلاتا ہوا بھالا
فرزند نے رہوار کو چمکا کے نکالا
تینوں جو ہوئے قتل تو روئے شہِ والا
کہرام تھا مہماں کے لیے اہل حرم میں
رونے کو بتول آئی تھیں مہمانِ ستم میں

میدان میں مسلم پسرِ عوسجہ آیا
جس دم وہ گرا شہ نے بڑا رنج اُٹھایا
لاشے سے گلے مل کے جدا ہوتے تھے شبیر

ضرغامہ و وہب و انس و مالکِ دیندار
عمران و شعیب و عمر و شوذب و ابرار
جس سمت یہ جانباز تھے خالی وہ پرا تھا

باقی جو رفیقِ شہ دیں رہ گئے دو چار
کی بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر نے یہ گفتار
بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجئے آقا

اوروں نے تو سر دے کے بڑا مرتبہ پایا
چھاتی سے اُنھیں احمدِ مرسل نے لگایا
وہ کیجے کہ شرمندہ نہ ہوں آپ کے جد سے

حقا کہ سخی ابنِ سخی کا ہے یہ دربار
آقا مراد وہ ہے جو خدائی کا ہے مختار
بے قدر ہوں افلاک جو نظروں سے گرا دو

پہونچا ہے ہر اک فیض کو حضرت کی بدولت
رہنے کو مکاں خلد میں ہوتے ہیں عنایت
اب دیر جو ہوتی ہے مرے دل کو قلق ہے

حضرت نے سُنا دردِ دل اُس دوست کا جس دم
فرمایا کہ اے یارِ قدیم اے مرے ہمدم
ہے کون رفیقوں میں بجز یاس ہمارے

تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
عورات میں غل ہوتا تھا جب روتے تھے شبیر

حجاج و زہیر و اسدی عامر و عمار
قربانِ حسین ابن علی ہو گئے یکبار
اور دور تلک دشتِ ستم خوں سے بھرا تھا

حسرت سے اُنھیں دیکھتے تھے سید ابرار
یہ پیر غلام اب ہے اجازت کا طلبگار
فردوس کے رستے پہ لگا دیجئے آقا

زہیر دمِ شمشیر ہر اک خوں میں نہایا
میں بھی اُسی دولت کی ہوں اُمید پہ آیا
جنت میں پہونچ جاؤں گا آقا کی مدد سے

محروم یہاں سے کوئی جاتا نہیں زنہار
حُر کو ابھی پہونچا دیا کس رُتبہ کو یکبار
جس ذرہ کو چاہو اُسے خورشید بنا دو

پاتا ہے کوئی حور کوئی حُلۂ جنت
محبوب خدا بانٹتے ہیں خلعتِ رحمت
بچپن کا جو خادم ہے کچھ اُس کا بھی تو حق ہے

اک آہ بھری سر دا ور آنکھیں ہوئیں پُر نم
اس وقت مجھے اپنی جُدائی کا نہ دے غم
اک چاہنے والا تو ہے پاس ہمارے

منظور نہیں مجھ کو کہ تو مجھ سے جدا ہو
باقی ہے جو کچھ زیست بسر ایک ہی جا ہو
یہ ساتھ غنیمت ہے ستم ہو کہ جفا ہو
تنہائی میں پھر مجھ پہ خدا جانیے کیا ہو
جو دوست ہے میرا اُسے پہچانتا ہوں میں
بھائی تجھے بھائی سے سوا جانتا ہوں میں

اس عالمِ پیری میں نہ کر جنگ کی تدبیر
رعشہ ہے بہت ہاتھوں میں اُٹھے گی نہ شمشیر
مانندِ کماں خم ہے کمر حال ہے تغیّر
چلّے سے ملایا بھی تو کھنچنے کا نہیں تیر
پیاسا ہے دمِ حرب غش آجائے گا رن میں
پانی بھی نہیں ہے جو چوآؤں گا دہن میں

ہے عالمِ طفلی سے تجھے جس سے محبّت
وہ آج ہے دنیا میں گرفتارِ مصیبت
ہے یاں سے قریں قبرِ شہنشاہِ ولایت
جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے راحت
مشہور وہ دربارِ شہِ عقدہ کشا ہے
دنیا میں غریبوں کے لئے امن کی جا ہے

جاری اُسی دربار سے ہے امن کا دستور
ہے پرورشِ شاہ و گدا ایک سی منظور
افسانۂ شہباز و کبوتر تو ہے مشہور
پشّہ کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدور
اک ضرب کو فرما دیا پر دل سے نہ چاہا
خوں کا عوض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چاہا

ہم اذن اگر قبلۂ کونین سے پاتے
آبِ دمِ شمشیر سے خوں اُس کا بہاتے
حضرت کا یہ تھا رحم کہ جب کھانے کو کھاتے
کہتے تھے حسن سے کچھ اُسے بھی ہو کھلاتے
بھوکا نہ رکھو رحم اسیروں پہ روا ہے
بازو بھی نہ باندھو کہ علی عقدہ کشا ہے

جس وقت کہ دربارِ یداللہ میں جانا
اُس مرقدِ پُر نور کو آنکھوں سے لگانا
آداب بجا لاکے یہ بابا کو سنانا
بیٹے کی خبر لو کہ ہے برگشتہ زمانا
تم ساقیِ کوثر ہو زمانے پہ عیاں ہے
یہ تیسرا دن ہے کہ پسر تشنہ دہاں ہے

بیٹھے ہیں لبِ نہر ستمگاروں کے دستے
بچّے مرے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
جاؤں تو کدھر جاؤں کہ سب بند ہیں رستے
پانی کا جو لوں نام تو ہیں تیر برستے
حضرت سے بھی ہوں دور وطن سے بھی جدا ہوں
فریاد کو پہنچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں

یا شاہ کہیں امن کی جا میں نہیں پاتا
سب سہل تھا بچوں کو اگر ساتھ نہ لاتا
جب سر مرا خنجر سے جدا ہوئے گا بابا
ای کل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ
میں شاد ہوں کچھ غم مرے مرنے کا نہ کھاؤ
پاؤں نہ کفن میں تو کچھ اس کا نہیں غم ہی
رویا یہ سخن سن کے حبیبِ جگر افگار
قربان ترے ای خلفِ حیدرِ کرار
فردوس میں جانا مجھے منظور ہی آقا
کس منہ سے میں دربارِ ید اللہ میں جاؤں
کیا کہہ کے میں اس قبر کو آنکھوں سے لگاؤں
فرمائیں گے شبیر سے منہ موڑ کے آیا
میں یاں سے کہاں جاؤں کہ حیدر بھی یہیں ہیں
دل تھامے ہوئے حضرتِ شبر بھی یہیں ہیں
حضرت پہ جو ظلم و ستم و جور و جفا ہی
بچپن سے تو سایہ کی طرح ساتھ رہا ہوں
سر دوں گا کہ میں عاشقِ نقشِ کفِ پا ہوں
جیتا ہی سدا جو یہ شرف پاتا ہی مولا
حضرت کے غلاموں کے لئے عید کا ہی روز
راحت ہی جو سینے پہ لگے تیرِ جگر دوز
مجروح ہوں نیزوں سے جو میدانِ ستم میں

دشمن کو بھی غربت میں نہیں کوئی ستاتا
ہی سخت مصیبت مجھے کچھ بن نہیں آتا
کیا جانیئے ناموس پہ کیا ہوئے گا بابا
تم صاحبِ اعجاز ہو اعجاز دکھاؤ
پر زینبِ بے کس کو اسیری سے بچاؤ
بے پردہ جو ہو دخترِ زہرا تو ستم ہی
گر کر قدمِ شہ پہ یہ کی عرض بہ تکرار
اس وقت کہاں جائے یہ بچپن کا نمک خوار
جنت تو ہی نزدیکِ نجف دور ہی آقا
زواروں کو کس طرح سے شکل اپنی دکھاؤں
حیدر کو خبر آپ کے مرنے کی سناؤں
تلواروں میں بچے کو مرے چھوڑ کے آیا
حمزہ بھی یہیں آئے ہیں جعفر بھی یہیں ہیں
زہرا بھی یہیں روتی ہیں پیمبر بھی یہیں ہیں
دو روز سے یاں ہائے حسینا کی صدا ہی
آیا جو برا وقت تو حضرت سے جدا ہوں
اس نام پہ قربان ہوں اس گھر پہ فدا ہوں
اس طرح کا مرنا کسے ہاتھ آتا ہی مولا
دولت سے شہادت کی ہوئے سب شجرے فیروز
گر آگ ہو تو کود پڑیں آپ کے دل سوز
ہاتھ آئے ضعیفی کا عصا راہِ عدم میں

ہر چند کہ ہے عالمِ پیری سے نقاہت
جب دیکھتا ہوں آپ کو آ جاتی ہے طاقت
باقی ہے مگر جسم میں ایماں کی حرارت
ہوتا ہے جوانوں کی طرح جوشِ شجاعت
بے سر دیئے مولا مجھے آرام کہاں ہے
گو پیر ہوں پر دل مرا مرنے پہ جواں ہے

احوال ہر اک دوست کا ہے آپ کو معلوم
رعشہ فقط اس خوف سے ہے اے شہِ مظلوم
مرنے سے وہ ہیں شاد جو ہیں عاشقِ قیوم
رہ جائے بدن زخمِ شہادت سے نہ محروم
کچھ ضعف نہیں آپ کے قدموں کی قسم ہے
سر بار ہے تن پر کمر اس واسطے خم ہے

بچپن کی تو الفت سے مری آپ ہیں آگاہ
ہم سن کئی لڑکے بھی تھے اور میں بھی تھا ہمراہ
کچھ یاد ہے اُس روز کا حال اے شہِ ذی جاہ
یوں بیچ میں تھے آپ ستاروں میں ہو جوں ماہ
کیا دن تھے سوا کھیل کے کچھ غم نہ ذرا تھا
گیسو تھے اَٹے خاک سے کُرتا بھی پھٹا تھا

لڑکوں کو سوا کھیل کے کچھ اور نہ تھا دھیان
ساتھ اُن کے جدھر دوڑتے آپ اے شہِ ذیشان
اور پیار سے میں آپ کا منہ تکتا تھا ہر آن
نقشِ قدمِ پاک پہ میں ہوتا تھا قربان
نہ کھیل پہ رغبت نہ تماشے پہ نظر تھی
خاکِ کفِ پا میرے لیے کحلِ بصر تھی

ناگاہ زمیں واں کی ہوئی مطلعِ انوار
خوشبو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
اور چاروں طرف نور لگا پھیلنے اک بار
تسلیم کو جھکنے لگے بام و در و دیوار
تھا شور کہ آمد ہے یہ محبوبِ خدا کی
ہر ذرہ سے آتی تھی صدا صلِّ علا کی

اتنے میں قریب آئے شہِ یثرب و بطحا
اور آپ کو ہمجولیوں میں کھیلتے دیکھا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دوڑے بہ تمنّا
ہنس ہنس کے لگے بھاگنے آپ اے مرے مولا
کہتے تھے کہ ہم دوڑتے ہیں آیئے نانا
جب جانیں کہ اس وقت ہمیں پایئے نانا

فرماتے تھے احمد کہ ہیں قربان تمھارے
ہم تم کو پکڑتے ہیں کہاں جاتے ہو پیارے
ہاتھ آئے نہ جب آپ تو کہہ کر یہ پکارے
لو آؤ گلو چھاتی سے اچھا ہمیں ہارے
ڈر ہے مرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے
کانٹا کوئی ان پھولوں سے تلووں میں گڑ جائے

پھر دوڑ کے آغوش میں حضرت نے اُٹھایا
اور پاؤں کو ہاتھوں سے کئی بار دبایا
اُس پیار پہ رونے کے بھی پہلو نکل آئے

چھاتی سے دھڑکتی ہوئی چھاتی کو لگایا
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملایا
بوسہ جو گلے کا لیا آنسو نکل آئے

مجھ پر نظرِ فیض اثر پڑ گئی اِک بار
اُس دم متعجب ہوئے اصحابِ وفادار
بیجا نہیں اس طفل پہ الطافِ نبی کا

خادم کو بھی حضرت کی طرح کرنے لگے پیار
اُن سب سے یہ فرمانے لگے احمدِ مختار
یہ چاہنے والا ہے حسین ابنِ علی کا

تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس طفل کے جوہر
آنکھوں سے لگاتا تھا یہ اُس خاک کو لیکر
مرقوم ہے نام اُس کا ازل سے شہدا میں

جس خاک پہ رکھتا تھا قدم یہ مرا دلبر
شبیر کے عاشق پہ تصدق ہے پیمبر
دیوے گا خدا قبر اسے خاکِ شفا میں

فرمائیں یہ جب آتے ہیں مرے احمدِ مختار
مشتاقِ شہادت ہے جوانی سے یہ غمخوار
خدمت میں ہر اک تیغ و سپر باندھ کے آیا

کس طرح نہ صدقے ہو غلامِ شہِ ابرار
کفار سے جب لڑنے چلے حیدرِ کرار
سر دینے کو بندہ بھی کمر باندھ کے آیا

دیکھا جو مسلح مجھے رو کر یہ سنایا
مرنا ترا اُس دن کا ہے اللہ کو بھایا
ہے صاحبِ قسمت تری کیا بات ہے بھائی

ہتیار لگا کر تو ابھی کس لیئے آیا
جس روز لڑائی پہ چڑھے گا مرا جایا
دامانِ حسین اور ترا ہاتھ ہے بھائی

جب شہ نے سنی ابنِ مظاہر کی یہ تقریر
فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہشِ تقدیر
چھٹتا ہے تو پھر یارِ موافق نہیں ملتا

بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شبیر
دکھلاتا ہے احباب کی فرقت فلکِ پیر
سب ملتے ہیں پر عاشقِ صادق نہیں ملتا

خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور
منظورِ نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے نہ ہو دور
گو پیچھے رہے جاتے ہیں پر آئیں گے ہم بھی

کچھ بن نہ پڑا روک چکے اپنے بہ مقدور
تقدیر کی تحریر سے شبیر ہے مجبور
منزل پہ سرِ شام پہونچ جائیں گے ہم بھی

فرما کے یہ چھاتی سے لگا یا کئی باری
گھبرا کے درِ خیمہ سے زینب یہ پکاری
اب کون بچائے گا شہِ جن و بشر کو
سنتی ہوں ادھر فوج پہ فوج آتی ہے ہر دم
سب روتے ہیں یہ کس کے جدا ہونے کا ہے غم
حضرت نے کہا کیا کہوں کیا ہوتا ہے بھینا

یہ سنتے ہی کہرام ہوا اہلِ حرم میں
کامل تھا زبس عشق شہنشاہِ امم میں
سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب
پیری میں عجب شان تھی اس شیرِ ژیاں کی
تھی جلوہ گری نورِ خدائے دو جہاں کی
پیشانیِ پر نور پہ عالم تھا قمر کا

باہم صفتِ تیر و کماں ابرو و مژگاں
آنکھیں وہ غزالانِ حرم جن پہ ہیں قرباں
رخساروں کو تر کرتے ہیں اشک آنکھوں سے ڈھل کر
خورشید سے افزوں ہے صفائے رخِ نیکو
غنچہ سے زیادہ دہنِ تنگ میں خوشبو
لب ایسے کہ یاقوت بھی گر جائے نظر سے

بے شبہ لڑی موتیوں کی ہیں دُرِ دنداں
وہ ریشِ سپید اور وہ اس کا رخِ تاباں
کہتی ہے اجل منزلِ ہستی سے سفر ہے

رخصت جو کیا آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری
لوگو کہو میداں میں چلی کس کی سواری
سب چھوڑے چلے جاتے ہیں زہرا کے پسر کو
یاں کم ہوئے جاتے ہیں رفیقِ شہِ عالم
جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہے مرا دم
بچپن کا مرا دوست جدا ہوتا ہے بھینا

پہونچا وہ جری شیر سا میدانِ ستم میں
بیتاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں
پھر پھر کے نظر کرتا تھا شبیر کی جانب
پڑتی تھی سراپا پہ نظر پیر و جواں کی
گردوں پہ جھپک جاتی تھی سجدے کے نشاں کی
یہ چاند تھا شب کا وہ ستارا تھا سحر کا

سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہو کسی عنواں
نظروں سے ہو یعنی رخِ شبیر نہ پنہاں
رہ جاتی ہیں پلکیں کفِ افسوس کو مل کر
مہتاب میں یہ رنگ نہ یہ حسن نہ یہ ضو
اور وردِ زباں ذکرِ صفاتِ شہِ خوش خو
بن پانی مگر خشک ہیں جو بیس[۲۴] پہر سے

یا گوہرِ شبنم ہیں کہ غنچہ میں ہیں پنہاں
آغوشِ مہِ نو میں ہے خورشیدِ درخشاں
شب گزری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہے

گردن جو جھکی جاتی ہے تن سر پہ گراں ہے
جو تیر سا قد تھا سو وہ خم مثلِ کماں ہے
ہے تیغوں کی دھاروں سے گزرنا کوئی دم کو
سر پر عوض خود ہے اللہ کا سایا
دستانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا
اک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں پہ چلی ہے

اتنے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام
ہشیار کہ اب میان سے کھنچتی ہے یہ صمصام
یہ تیغ نہیں وہ جو دمِ ضرب رکے گی
یہ سن کے پکارا عمرِ سعد جفا کار
اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیئے زنہار
میں تیری طرح دشمنِ شبیر نہیں ہوں

گو ہاتھوں میں رعشہ ہے پہ او ظالمِ گمراہ
ان ہاتھوں کی قوت سے ابھی تو نہیں آگاہ
پیری سے جو ہے پشت خمیدہ تو بجا ہے
میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ سزاوار
چوما کیا اکثر قدمِ حیدرِ کرّار
بچپن سے مجھے عشقِ امامِ دو جہاں ہے

پیری سے ہے روشن کہ چراغِ سحری ہوں
آقا مرا شاہد ہے کہ عصیاں سے بری ہوں
بے خوف چلا جاتا ہوں شمشیر کے منہ پہ

افسوس بہارِ چمنِ عمر خزاں ہے
جانے کا یہی گوشۂ مرقد کے نشاں ہے
ہر دم یہ دعا ہے کہ نہ لغزش ہو قدم کو
زخموں کے لیئے تن کو زرہ سے نہ بچایا
کیا فائدہ ہے جینے سے جب ہاتھ اُٹھایا
اک ہاتھ میں دامانِ حسین ابنِ علی ہے

اے قوم حبیب ابنِ مظاہر ہے مرا نام
وار اس کا ہے دشمن کے لیئے موت کا پیغام
میں تم سے رکوں گا نہ مری ضرب رکے گی
آتا ہے بڑا اسبطِ پیمبر کا مددگار
بڑھ کر کہا غازی نے کہ او ظالمِ غدّار
ہوں پیر تو واللہ پہ بے پیر نہیں ہوں

گر کوہ کو چاہوں تو اکھاڑوں صفتِ کاہ
ہے قدر شناس ان کا جگر بندِ یداللہ
جس خاک میں جانا ہے اُدھر سر بھی جھکا ہے
دیکھا ہے محمد کا انھیں آنکھوں سے دربار
زہرا کی نوازش رہی شبّر نے کیا پیار
اب ساتھ ہے شبیّر کا اور سیرِ جناں ہے

دنیا سے کوئی دم ہیں عدم کا سفری ہوں
دینِدار ہوں غازی ہوں مجاہد ہوں جری ہوں
دعویٰ ہے تو آؤ مری شمشیر کے منہ پر

مشہور ہو دنیا میں کہ یک پیری و صد عیب
جرأت میں کسی کا نہ شباب اور نہ مرا شیب
ہر دم ہو عنایات خدا سے مددِ غیب
شک اس میں نہیں بندۂ شبیر ہوں لاریب
تلواروں سے سو ٹکڑے اگر ہو کے گروں گا
اس قبلۂ دیں سے نہ پھرا ہوں نہ پھروں گا

آقا مرا وہ ہو جو امامِ ازلی ہو
مظلوم ہو سیّد ہو ولی ابنِ ولی ہو
ہر جنگ میں اکثر مری تلوار چلی ہو
اُس شیر کے بیشہ میں پلا ہوں جو علی ہو
ٹلتا نہیں مر کر اسی میداں میں گروں گا
تلوار نہ ہووے گی تو ہاتھوں سے لڑوں گا

مینہ تیروں کا برسے تو کبھی منہ کو نہ موڑوں
نیزوں کا ہر اک بند نہیں ہاتھوں سے توڑوں
ہاتھ آوے تو ٹکرا کے سر ایک ایک کا پھوڑوں
جیتا شہِ مظلوم کے دُشمن کو نہ چھوڑوں
کچھ ڈھال کی حاجت نہیں مشتاقِ اجل کو
دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو

ہو کانپتے ہاتھوں میں مرے زورِ خداداد
ہو جنگِ یداللہ کا انداز مجھے یاد
پکڑوں جو کلائی کو تو ضیغم کرے فریاد
پھر جاتا ہو پنجہ سے مرے پنجۂ فولاد
کھا سکتے نہیں دیو دلیروں کا طمانچہ
ہو ضرب مرے ہاتھ کی شیروں کا طمانچہ

شبیر سے بے کس پہ یہ لشکر کی چڑھائی
اے ظالمو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی
کرتے ہو غضب اُس کے نواسے سے بُرائی
پیدا ہوئی ہو جس کے لیئے ساری خدائی
فرزندِ پیمبر پہ جفا کرتے ہو یارو
گھر لٹتا ہو زہرا کا یہ کیا کرتے ہو یارو

بدعت نہ کرو ہاتھ نہ سیّد پہ اُٹھاؤ
ہلتی ہو زمیں عرشِ خدا کو نہ ہلاؤ
کعبہ ہو یہ بنیاد نہ اس گھر کی مٹاؤ
شمعِ حرمِ لم یزلی کو نہ بجھاؤ
کون اس کے سوا دوشِ محمد کا مکیں ہو
شبیر سا آقا کوئی دُنیا میں نہیں ہو

سمجھانے لگا آن کے تب ایک ستمگر
ہر چند بہادر ہو تو اے رستمِ لشکر
تیرے زن و فرزند بھی ہو دیں گے مقرر
لازم ہو وہ تدبیر کہ برباد نہ ہو گھر
گر نخوتِ دل صاحبِ معراج ہو شبیر
حاصل تجھے کیا ہوگا کہ محتاج ہو شبیر

کیوں آپ کے تیروں کا بنا تا ہی نشانہ
قبضے میں نہ دولت نہ ریاست نہ خزانہ
لازم ہی کنارا پسرِ شیرِ خدا سے
تھرّا گیا یہ سُن کے حبیبِ جگر افگار
فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں نہ گھر بار
شبیر کے کام آؤں تو دل شاد ہو میرا
ممکن ہی کہ سردار پھر اس طرح کا پاؤں
خاکِ قدمِ شاہ کو آنکھوں سے اُٹھاؤں
کیا دے گا کوئی جو مجھے آقا نے دیا ہی
یہ کہتے ہی جولاں کیا شبدیزِ سبک تاز
رنگِ رُخِ افواجِ ستم کر گیا پرواز
اک دم میں گیا پار سواروں کے پروں سے
چمکی عجب انداز سے اُس شیر کی تلوار
ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے سیہ کار
کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے تن و سر کو
کاٹے ہوئے پھل برچھیوں کے رن میں پڑے تھے
چھایا تھا ہراس اُن پہ ہمیشہ جو لڑے تھے
دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
تھے برچھیوں والوں کے پرے بے سر و بے پا
تھا نہر تلک موجزن اک خون کا دریا
دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوجِ عدو میں

ساتھ اس کا نہ دے جس سے ہی برگشتہ زمانہ
دو روز سے پانی نہ میسر ہی نہ دانہ
ہو اُس کا ملازم جو سپر بھر دے طلا سے
جھنجلا کے کہا دور ہو او ظالمِ غدار
نہ ملک سے مطلب ہی نہ دولت سے سروکار
وہ گھر تو لٹے اور گھر آباد ہو میرا
فاسق کی طرف دولتِ دیں چھوڑ کے جاؤں
گر کوہِ طلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
شبیر سے فردوس میں گھر میں نے لیا ہی
اُڑ کر صفِ اعدا پہ گیا صورتِ شہباز
گھوڑا تھا مگر جست میں تھا شیر کا انداز
مُڑ کر ادھر آیا تو گرے خود سروں سے
گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرربار
اُس دستِ زبردست کا رکتا تھا کوئی وار
سینے سے گزر جاتی تھی دو کر کے سپر کو
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
آنکھیں وہ چرالیتے تھے بہادر جو بڑے تھے
اُس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا
برچھی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پہونچا
بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعدا
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لہو میں

چلاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر
دم بند ہیں ماریں کسے تلوار کسے تیر
جس وقت علم ہوکے چمکتی ہے یہ شمشیر
پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے پردے سے رکی ہے

بے کار تھے جلادوں کے نیزے دمِ پیکار
تلوار سے ملتی نہ تھی مہلت، کہ چلے وار
حلقہ کیئے اُس شیر کے در پے تھے کماں دار
چلّے سے مگر جس نے ملایا لبِ سوفار
شہباز سا سر پہ فرسِ تیز قدم تھا
نکلا بھی نہ تھا تیر کماں سے کہ قلم تھا

پیری میں جو دکھلائی جوانوں کی شجاعت
تھرّانے لگے عضوِ بدن گھٹ گئی طاقت
دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی پیاس کی شدت
دل سے کہا اب عالمِ فانی سے ہے رخصت
نے لشکرِ اعدا کو نہ شمشیر کو دیکھا
کس یاس سے مُڑ کر رخِ شبیر کو دیکھا

پھرنا تھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوچھار
دیکھا جو ادھر پشت پہ نیزہ کا لگا وار
چاہا اُسے ماریں کہ لگی فرق پہ تلوار
اور ظلم کی برچھی بھی کلیجہ کے ہوئی پار
کہتے تھے تن و جاں شہِ دلگیر کے صدقے
ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شبیر کے صدقے

چھاتی بھی چھنی تیروں سے اور فرق دوپارا
رگ رگ جو کٹی پھر نہ رہا ضبط کا یارا
شیرازہ اجزائے بدن کھل گیا سارا
گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا
یاں آپ کا نام اب مری بخشش کی سند ہے
اے شیرِ الٰہی کے پسر وقتِ مدد ہے

ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہِ ذی شان
دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہے مہماں
لاشے سے لپٹ کر یہ پکارے بصد افغان
اے دوست مرے تیری محبت پہ میں قرباں
دکھلاؤ مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آئے ہیں بھائی

اس عالمِ پیری میں نہ منہ جنگ سے موڑا
کس طرح نہ روؤں ترا احسان نہیں تھوڑا
میرے لیئے تو نے زن و فرزند کو چھوڑا
فرقت نے تری آہ کمر کو مری توڑا
تنہا کوئی لاکھوں سے لڑائی نہیں کرتا
وہ تو نے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا

آقا کی صدا سُن کے اُسے ہوش جو آیا
گردن کے تلے زانوئے شبیر کو پایا
آنکھوں سے کفِ پائے مبارک کو لگایا
اکبر کی طرف جوڑ کے ہاتھوں کو سنایا
کچھ اپنے نمک خوار پہ احساں نہیں کرتے
حضرت پہ اُٹھا کے مجھے قرباں نہیں کرتے

لِلّٰہ مرے واسطے آنسو نہ بہاؤ
شہزادۂ عالم مرے کام اس گھڑی آؤ
محبوبِ خدا آئے ہیں خادم کو اُٹھاؤ
حیدر یہ کھڑے ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
بوئے حسنِ سبز قبا آتی ہی مجھ کو
فریاد کی زہرا کی صدا آتی ہی مجھ کو

یہ کہتے ہی بس گلشنِ دنیا سے سدھارے
نکلی رہی ہونٹوں پہ زباں پیاس کے مارے
بازو کو ہلا کر شہِ مظلوم پکارے
چھوڑا ہمیں اے یارِ وفادار ہمارے
ہم رہ گئے تم ہم سے دغا کر گئے بھائی
صدقے ابھی ہوتے تھے ابھی مر گئے بھائی

ہی ہی مرے عاشق مرے شیدا مرے یاور
ہی ہی مرے سلماں مرے مقداد و اباذر
ہی ہی مرے رستم مرے ضیغم مرے صفدر
ہی ہی مرے عمّار مرے مالکِ اشتر
تا زیست ترے ہجر میں فریاد کروں گا
خنجر کے تلے بھی میں تجھے یاد کروں گا

پھر لاش درِ خیمہ پہ لائے شہِ عالم
سر پیٹ کے فرمایا کہ اے زینبِ پُر غم
میداں میں حبیب ابنِ مظاہر ہوئے بیدم
ماتم کرو بے کس کا بچھا کر صفِ ماتم
یاں رونے کو اُس کے زن و فرزند نہیں ہیں
مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہمیں ہیں

خاموش انیسؔ آگے نہ کہہ لاش کا جانا
پہنچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رُلانا
افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہی زمانا
ہی ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
رکھ اُس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے
مطلب ترے بر لائے گا وہ اپنے کرم سے

رباعی

سرگرم رہوں نبیؐ کی مدّاحی میں
کام آئے زبان وصی کی مدّاحی میں
یارب یہ مری عمر کٹے مثلِ قلم
سجدوں میں ترے علی کی مدّاحی میں

مرثیہ (۵)

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نورِ صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمرّدی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی
بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھی نہر کو اُمّت رسول کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کے قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب
پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ
گیتی کو تہلکہ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر

اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر
وہ بوڑیاں جو سنگ کے دل میں کریں گزر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لیے

ناوک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمد کی آل کا

جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھل گئے تمام
حلقے میں اہلِ بیت کے روتے تھے یاں امام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے

زینبؓ بلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال
سینہ کبود چاک گریباں شکستہ حال
پوچھے گا کون ساتھ چھٹے گا جو آپ کا

زینبؓ کے اضطراب پہ شہ روئے زار زار
یاد آگیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم خیال ہے

نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
رونا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

ہر سو جما رہا تھا صفیں شمرِ روسیاہ
ممکن نہ تھا کہ ہو گزرِ طائرِ نگاہ
طوفانِ آبِ تیغ اُٹھا تھا فرات پر

لچکا رہے تھے ڈانڈ سوارانِ خیرہ سر
انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبیر کے لیے

چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے
ریتی پہ خوں بہائیں گے زہرا کے لال کا

غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ انام
لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
پٹکے میں شاہِ دیں کے سکینہ کے ہاتھ تھے

نعلین کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
کہتی تھی مجھ پہ رحم کر اے فاطمہ کے لال
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا

فرمایا اے بہن تری اُلفت کے میں نثار
لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
بھیا حسینؑ مخبرِ صادق کا لال ہے

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کرینگے ہم
حلق اپنا زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم
اب ہاتھ اُٹھاؤ فاطمہ کے نورِ عین سے
یہ سُن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
خاصانِ حق کا خلق میں رُتبہ بلند ہے
فرما کے یہ سکینہ کے مُنہ پر نگاہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رُخسارِ شاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
معلوم ہو گیا کہ نہ اب آیئے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ اب پایئے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرنا قبول ہے
مُنہ چوم کے یہ کہنے لگے شاہ خوش خصال
معلوم ہے حسین کو بی بی تمہارا حال
اِن برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ
سوکھی زباں دکھا کے نہ شبیر کو رُلاؤ
حق سے کہو بتول کے جانی پہ رحم کر
ناچار شہ کی گودی سے اُتری وہ رشکِ حور
پھیلی زمیں پہ روشنی آفتابِ نور
چوما ادب سے پائے امامِ انام کو

کھائیں گے تیرِ ظلم لہو میں بھریں گے ہم
اُمت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
ہوگی کبھی نہ وعدہ خلافی حسین سے
لپٹا لیا گلے سے بہن کو بچشمِ تر
زینب خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے
گودی میں لے لیا اُسے اور دل سے آہ کی
سمجھی میں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے
چھاتی پہ سونے والی کو تڑپایئے گا آپ
میں اپنی جان دوں گی اگر جایئے گا آپ
اچھا سدھارو گر مرا مرنا قبول ہے
صدقے عقیقِ لب پہ ترے فاطمہ کا لال
کیونکر نہ روؤں میں کہ قلق ہے مجھے کمال
سولہ پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو
ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
بی بی دُعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اُٹھاؤ
یا رب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر
روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

حق کے ولی مصاحب سردارِ انس و جن
کوئی جوان کوئی متوسط کوئی مُسن
فاقوں میں باعواس لڑائی میں مطمئن
کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسین پہ رن میں تو عید ہو

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
جن کی صفا کو دیکھ کے ہو آئنہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آفت بھی کہیں تو الٹ دیں زمین کو

تھے اک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار
تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی بے قرار
جاں باز سرفروش بہادر وفا شعار
ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

خلق و مروتِ حسنی ان پہ ختم تھی
حسن ان پہ ختم گل بدنی ان پہ ختم تھی
زور ان پہ ختم تیغ زنی ان پہ ختم تھی
ہر معرکہ میں صف شکنی ان پہ ختم تھی
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے دلیر تھے
جس میں علی رہے اسی بیشہ کے شیر تھے

ان سب میں اک علی اکبر سا گل بدن
تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسار سے بہم تھے جو گیسوئے پُرشکن
حیراں تھے سب کہ مل گئے کیونکہ حلب ختن
سرخی تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دم بدم
عرصہ ہے کیا سوار ہوں اب قبلۂ امم
آمادۂ وغا ہے اُدھر لشکرِ ستم
دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں تو سہی
دب دب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب
صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
دو روز سے ملا نہیں میرے چمن کو آب
جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبر ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں شبیر کے داغ کی
پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قربانِ احتشامِ علمدارِ حق پژوہ
سردار صفدروں کا دلیروں کا سرگروہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
اِک سو چراغِ محفلِ شبّر تھا جلوہ گر
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر
جرأت نثار ہوتی تھی اُس سر فروش پر
تلوار تول کے دستِ حنائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
تھے پہلوئے حسین میں زینب کے دونوں لال
کاندھوں پہ نیمچے نظر آتے تھے دو ہلال
نو دس برس کا سن تھا مگر کیا دلیر تھے
دونوں یتیمِ حضرتِ مسلم تھے کیا عقیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر
مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا
لے جا کے بام پر سرِ انور کیا جدا
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
اس فوج میں یقیں ہے کہ ہوئے وہ رو سیاہ
منت پہ اُن غریبوں کی مطلق نہ کی نگاہ
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغِ دو دم کریں

لرزاں تھا جس سے جی کے تہوّر سے دشتِ کوہ
حمزہ کا دبدبہ اسد اللہ کی شکوہ
گویا سپاہِ شام تھی پنجے میں شیر کے
روشن تھے جس کے چہرۂ انور سے دشت و در
تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر
کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں
اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو
گویا قرینِ بدر تھے دو نجم بے مثال
ظاہر تھا چتونوں سے ید اللہ کا جلال
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے
حاضر تھے باادب عقبِ سرورِ جلیل
ہم کوفیوں کو ماریں گے عمریں ہیں گو قلیل
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر
یہ ظلم اک غریب پہ بے کس پہ یہ جفا
خندق میں تن کو پھینک دیا وامصیبتا
سنتے ہیں ہم کہ لاش بھی اب تک گڑی نہیں
مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگدل نے آہ
ہم نیمچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلعذار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار
پھولا ہوا چمن تھا امامِ اُمم کے ساتھ

اللہ رے فیضِ جلوۂ ابنِ شہِ نجف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جمائے صف
گیتی لرز گئی دلِ اعدا دہل گئے

لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد چند گام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام
ہو شاق مجھ کو خلق میں جینا حسین کا

لکھا ہی جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر
بے جاں ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر
افتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے

جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بخیر
روتے تھے حالِ فخرِ سلیماں پہ وحش و طیر
ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے

راہی سوئے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر
مانندِ شیرِ حق کیے حملے ادھر ادھر
اُلٹیں صفیں جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے

ناگاہ گھر میں آن کے فضہ نے دی خبر
رن میں گئے ہیں اکبر و عباسِ نامور
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبیر لائیں گے

جو صدرِ زیں پہ مصدرِ رحمت ہوا سوار
آگے بڑھے علم لیے عباسِ نامدار
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
بس یک بیک بجا دہلِ جنگ اُس طرف
تیرِ ستم کمانوں کے چلوں سے مل گئے

چلّے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حسین کا

یک بار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
لاشوں پہ اُن کے روئے امامِ فلک سریر
یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا اُن میں کوئی غیر
کرنے لگے عزیز بھی ملکِ عدم کی سیر
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

نکلے وغا کو زینبِ ذی جاہ کے پسر
کٹ کٹ کے نیچوں سے گرے سرکشوں کے سر
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

لو کام آئے زینبِ ناشاد کے پسر
روتے ہیں بھانجوں کے لیے شاہِ بحر و بر
صف ہاشمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

دوڑے حسین جانبِ مقتل باشکِ و آہ
آنکھوں کے سامنے ہوئے بے دم وہ رشکِ ماہ
مُردوں کو بھانجوں کے اُٹھا لائے گھر میں شاہ
سر پیٹے اہلِ بیتِ رسولِ فلک پناہ
زینب مگر نہ روئی ادب سے امام کے
چُپ ہو گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

باہر امام لے گئے لاشے اُٹھا کے جب
غیرت کا جوش آگیا قاسم کی ماں کو تب
دل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
ہمشکلِ مصطفےٰ کہیں مرنے نجائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤنگی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اُٹھی وہ خوش خصال
قاسم کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبےٰ کے لال
کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
جاری ہیں اشکِ غم سے مری چشمِ پُر آب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہرا کا ہائے ہائے
دشمن وہ دوست ہے جو نہ اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسین کے قدموں پہ سر کٹائے
کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
منہ دیکھنے کو کیا تمھیں پالا ہے شاہ نے

سب مر چکے امامِ دو عالم کے اقربا
باقی ہے کون اکبر و عباس کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا
سر اُن کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسن بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد
کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
جلدی دو دولھن سے مل کے سدھارو پئے جہاد
قربان ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مراد
بیاہا تمھیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

مادر کے مُنہ کو دیکھ کے بولا وہ گلعذار
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقتِ کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم
اماں مزارِ کشتۂ سم کی ہمیں قسم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دلہن کے پاس
فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا
کس سے کہیں جو حالِ دلِ دردناک ہے
اس زندگی پہ حیف ہے دُنیا پہ خاک ہے
آئی تباہی آلِ نبی کے جہاز پر
تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد
راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو
واللہ قتل ہوں گے جو عباسِ نامور
اکبر خدا نہ خواستہ مارے گئے اگر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
سوچو تمہیں گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
رخصت کرو تو فوجِ ستم سے وغا کریں
صاحب ہمیں سپردِ عروسِ اجل کرو
گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں یہ وقت کا ہے وفور
جینے کی اس چمن میں خزاں سے فوت ہے

رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
زیرِ قدم ہے اب کوئی دم میں رہِ عدم
عباس ہوں کہ اکبرِ عالی وقار ہوں
آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں دل اُداس
سب مر گئے عزیزِ شہنشاہِ حق شناس
شادی کا گھر جو تھا وہ عزاخانہ ہو گیا
تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اب کوئی دم میں دلبرِ زہرا ہلاک ہے
نرغہ ہے شامیوں کا امامِ حجاز پر
آفت میں آج ہے پسرِ ضیغمِ صمد
صدقے کرو ہمیں کہ بلا اُن کی ہو رد
حیدر سے ہم بتول سے تم سرخرو رہو
صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیر کی کمر
مر جائیں گے تڑپ کے شہنشاہِ بحر و بر
ہم کیا پلے ہیں لاش اُٹھانے کے واسطے
فریادِ فاطمہ کی صدائیں سنا کریں
کھولو جو لعلِ لب تو گہر ہم فدا کریں
مشکل کشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو
پاس اب نہ آ سکیں گے کہ جاتے ہیں تم سے دور
نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب
ایسی روا روی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب
رستہ ہے پرخطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
اک دم کی بھی ہیں تو جدائی ہے تم سے شاق
لائی اجل پکڑ کے گریباں سوئے عراق
چپکی یوہیں رہو گی تن پاش پاش پر
جب یہ سنے کلام تو جی سنسنا گیا
منہ پر دلہن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا
دولہ کو اتنی بات سنا کر اک آہ کی
سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رن سے تم
سوؤ گے منہ چھپا کے لحد میں کفن سے تم
اک رات کی بنی پہ جفا یوہیں چاہیے
فرماؤ کیا کریں جو نہ روئیں یہ ردویاں
مہماں ہے کوئی دم کے جہاں ہیں وہ حق شناس
وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے
میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ
گھر تو اجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ
مسکن کریں گے رن میں تن پاش پاش پر
باتیں یہ سن کے روتے تھے قاسم بحال زار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلعذار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا

ہم یوں ہیں جس طرح کہ سر آب ہو حباب
کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
منزل بہت کڑی ہے یہ جلدی روانہ ہو
کیا کیجیے نصیب میں تھا صدمۂ فراق
بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
کیا بین بھی کروگی نہ دولہ کی لاش پر
دل پر چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
جوش بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی
پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسن سے تم
اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دلہن سے تم
اے شمع بزم مہر و وفا یوہیں چاہیے
نہ باپ کی نہ بھائیوں کی نہ چچا کی آس
سونپا تھا آپ کو سو ہے آپ بھی نہ پاس
تم کیا کرو نصیب ہمارے الٹ گئے
راضی ہیں ہاں تمھاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
نبھ جائے گا ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر
ھل من مبارز کی صدا آئی ایک بار
موقع نہیں ہے دیر کا اٹھو یہ ماں نثار
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

فرما کے الوداع اُٹھا دلبرِ حسن
برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غل ہو گیا کہ لٹتی ہے اک برات کی دُلہن
اُس وقت سب سے دولھا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بی بیو زنِ بیوہ کے لال کی

جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں یہ شکِ ماہ
لو میں نے دودھ بخش دیا سب ہیں گواہ
دنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ
ڈورا ندیں ایک جا ہوں یہ تھی مرضیِ الٰہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دُلہن کی عزیز ہوں
کل تک تھی ساس آج سے اس کی کنیز ہوں

مطلع دوم

جب خیمۂ حسین سے نکلا حسن کا لال
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بصد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہکر وہ خوش خصال
دیجے رضائے حرب مجھے بہرِ ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبطِ پیمبر نہ روکیو
شبر نے دی صدا کہ برادر نہ روکیو

لپٹا کے اس کو چھاتی سے بولے شہِ اُمم
پیارے تمہارا داغ بھی دل پر ہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے منزلِ ہستی میں کوئی دم
تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار
روئے مثالِ ابر شہِ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار
تسلیم کر کے قاسمِ گلرو ہوا سوار
دولھا کے نورِ رُخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

پہونچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا ادھر اُدھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر
خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رُخ پر آب و تاب کی
سہرا بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

کیوں وصفِ لعلِ لب میں حلاوت نہ پائے لب
ہے مدح خواں کو قندِ مکرر ثنائے لب
شیریں ہو بو کیے ہیں لبِ شیریں فدائے لب
دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چبائے لب
ترکِ ادب ہے اس کی ثنا اس طریق سے
دھونا زباں کو چاہیے آبِ عقیق سے

دنداں محیطِ نور کے ہیں گوہرِ خوش آب
ان سے مقابلہ کی نہیں اختروں کو تاب
حیراں ہے چشمِ حورِ ظہور ان کا دیکھ کر
ناگہ رجز یہ پڑھنے لگے قاسمِ جری
ہم حیدری ہیں ہم میں ہے زورِ غضنفری
شہرہ ہے حرب و ضربِ شہِ خاص و عام کا
جد ہے مرا امیرِ عرب شحنۂ نجف
دادی جنابِ فاطمہ زہرا سی ذی شرف
میں پارۂ دلِ حسنِ خوش خصال ہوں
اُس کا پسر ہوں اے سپہِ مصر و روم و شام
واللہ اُس کا لختِ جگر ہوں میں تشنہ کام
جانِ اُس کی ہوں میں جس کو نہ جا گیرِ جد ملی
ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے
قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دو دم چلے
پیدل تو اُس قطار کے بھٹکے کس قطار میں
ڈھالیں اُٹھیں کہ دن شبِ دیجور ہو گیا
حیراں ہر ایک ظالمِ مقہور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے
تھا ابنِ سعدِ شوم کو اُس دم بہت ہراس
اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس
رُکتا ہے برچھیوں سے نہ دامِ کمند سے

براق اس قدر ہیں کہ ہے برق کو حجاب
بتیس موتیوں کی یہ سمرن ہے انتخاب
دانا درود پڑھتے ہیں نور ان کا دیکھ کر
عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم سے ہے اوجِ پایۂ اورنگِ صفدری
سکّہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا
ضرغامِ دیں معینِ رسولانِ ماسلف
عمو حسین صاحبِ لولاک کا خلف
ہمیرے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں
گلزارِ فاطمہ کا ہے جو سرو سبز فام
تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
پہلو میں مصطفےٰ کے نہ جس کو لحد ملی
تیر و سنان و نیزہ و خنجر بہم چلے
اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں
لامع جو برقِ تیغ ہوئی نور ہو گیا
چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اُتر گئے
غرقِ سلاحِ ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
جلدی سناں پہ اس کو اُٹھا لے سمند سے

کہنے لگا بگڑ کے وہ باصد غرور و لاف
یہ امر اے امیر شجاعت کے ہے خلاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
لکھا ہے چار تھے پسر ازرق پلید
بولا یہ اُن کو دیکھ کے وہ پیر و بیزید
رلواؤ قبر میں حسن دل ملول کو
یہ چاند مجتبےٰ کا ہے خوں میں اسے ڈباؤ
انعام دوں یہ جنگ اگر فتح کر کے آؤ
خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو
نکلا یہ بات سنتے ہی اُن میں سے ایک پل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل
کام آئے کچھ تو نام شہ ذوالفقار لے
قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار
کافی ہے بس ہمیں سپر حفظ کردگار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر
تھا بس کہ تیز دست حسن کا مہ منیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اُس تیرہ بخت کی

تو آپ بے حواس ہے تقصیر ہو معاف
ہاں تب لڑوں علی اگر آئیں پئے مصاف
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں
رستم کا زور آ گے مرے کم ہے زال سے
ناداں ہوں کیا لڑوں میں جو اس خرد سال سے
جنگ آزما ہیں سور ہیں صفدر ہیں شیر ہیں
دشمن تو آل پاک کے شیطان کے مرید
ہاں جا کے اس یتیم کو جلدی کرو شہید
بیوہ بنا دو دختر سبط رسول کو
تلواریں مارو ذبح کرو برچھیاں لگاؤ
سہرے سمیت کاٹ کے دولھا کے سر کو لاؤ
سر اس کا نذر دیجو تمھیں میر شام کو
پیچھے چلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
ہاں اے حسن کے لال خبردار ہو سنبھل
پشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے
امداد وقت جنگ ہے شیروں کو ناگوار
او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہے سوار
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہے
چلے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
بجلی سی آئی کوند کے شمشیر بے نظیر
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرے دستِ نابکار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ او خطا شعار
چلّہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیرِ لا اماں
بجتی ہی کب غلغلہ تانگِ اجل ہے کسی کی جاں
اک دم میں دی شکست خطا کو ثواب نے
مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور و خشمگیں
ہمراہ اُس کے تیغ بکف سو سوار تھے
نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند
نیزہ اُڑا کے نیزے سے کی یہ صدا بلند
یہ سُن کے اُس نے ڈھال کو چہرے پہ لے لیا
بیکار کور ہو کے ہوا جب وہ خیرہ سر
آواز دی زمیں نے کہ فی النار والسقر
جز موت کچھ شقی کو نہ اُس دم نظر پڑا
جھپٹا برادرِ سوم اُس کا بکروفر
یاں بحرِ حفظ دستِ یداللہ تھے سپر
یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
مڑتے ہی اُس کے فوج سے چوتھا پسر بڑھا
سُنتے ہی یہ وہ تیغ دودم کھینچ کر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا

بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیرِ آبدار
پکڑا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار
رستم کی روح چھپ گئی تودے میں خاک کے
قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کماں
نکلا وہ تیر توڑ کے سینے کے استخواں
غل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے
نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانیِ لعیں
ابرو پہ بل نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
اور اس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے
بجلی سا کوندنے لگا دولہا کا بھی سمند
کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکلکشا کے بند
پتلی کو بے حیا کی سناں میں پرو لیا
پٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
جا تو بھی ہی برادرِ عینی تیرا جدھر
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا
تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر کہ الحذر
تیغِ دودم کو شبر نے تولا بچا کے سر
جس طرح تیغِ تیز اُڑا دے خیار کو
قاسم پکارے او ولدِ خود سر کدھر بڑھا
جھنجلا کے مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
اک ہاتھ میں سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا

بے جاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اُس کے چار
جوشِ غضب سے سُرخ ہوئیں چشمِ نابکار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا

شانے پہ بھی شقی کے وہ دو ٹانک کی کماں
چار آئنہ وہ پہنے تھا بر میں کہ الاماں
کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال ہیں

آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام
لو بھائی جنگ ہو چکی قصّہ ہوا تمام
ہم شکل مجتبےٰ کو بلا لو پکار کے

یہ کہہ کے قبلہ رو ہوئے سلطانِ کائنات
اے خالقِ زمین و زماں ربِّ پاک ذات
تو حافظِ جہاں ہے کریم و رحیم ہے

فضّہ پکاری خیمے میں آکر بچشمِ تر
آیا ہے لڑنے ازرقِ ملعونِ خیرہ سر
عباس روتے ہیں علی اکبر اداس ہیں

نکلا یہ سب کے منہ سے کہ ہے ہے حسن کے لال
سینے میں ہل گیا دلِ بانوئے خوش خصال
عابد کانپتے ہیں گرم بدن سرد ہو گیا

چلائی رو کے زوجۂ عباسِ نوجواں
سُن کر یہ غل دولھن کے بھی آنسو ہوئے رواں
خالق کرے گا رحم نہ آہ و بکا کرو

ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار
مثلِ تنور منہ سے نکلنے لگا بخار
نکلا برے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
جکڑا ہے پیلِ مست کو لوہے کے جال میں

عباسِ نامور سے یہ رو کر کیا کلام
آیا سوئے یتیمِ حسن موت کا پیام
مانگو دُعا سروں سے عمامے اُتار کے

درگاہِ کبریا میں دُعا کو اُٹھا کے ہات
ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

لوگو تمھیں یتیمِ حسن کی بھی ہے خبر
کھولو سروں کو اے حرمِ شاہِ بحر و بر
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبی بے حواس ہیں

زینب نے اُٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال
چلائی ماں گزر گیا کیا میرا نونہال
قاسم کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا

یارب ہے تو یتیمِ حسن کا نگاہباں
لیکر بلائیں ساس پکاری کہ میری جاں
دولھا پہ آبنی ہے بس صدقے دُعا کرو

اُس اضطراب میں جو سُنا ساہن کا سخن
زانو سے سر اُٹھا کے ہوئی قبلہ رو دلھن
آہستہ کی یہ عرض کہ اے ربِّ ذوالمنن
دشمن پہ فتح یاب ہو بختِ دلِ حسن
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

یارب دلھن بنے مجھے گزری ہے ایک شب
دولھا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
اب تک تو شرم سے نہ ملائے تھے میں نے لب
پر کیا کروں کہ اب ہے مری روح پر تعب
شبرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجھ کو اُٹھا لے تو خوب ہے

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ
جو آ گیا پیام، رنڈاپے کا یا الٰہ
یہ عقد تھا کہ موت بھی ماتم تھا یہ کہ بیاہ
بعد اُن کے ہوگا خلق میں کیونکر مرا نباہ
اُٹھوں جہاں سے دلبرِ شبرؑ کے سامنے
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

فوجیں ادھر دعا کی چلیں سوئے آسماں
بل کھا کے اُس طرف یہ پکارا وہ بدزباں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں
جوشن کو توڑتا ہے مرا تیر بے اماں
ہے اُس کی فتح ساتھ ہوں میں جس بیکس کے
سُرمہ کیا ہے دیو کو چٹکی میں پیس کے

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
اللہ کو غرور و تکبر ہے ناپسند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سربلند
نیزے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

کیا زور تیرا اور تری ضرب اور ذلیل
تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل
جوہر خود اُس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل
کاٹے ہماری تیغ نے بازوے جبرئیل
جرأت میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

یہ گرز میلِ راہِ سفر ہے ترے لیے
دستِ اجل ترا یہ تبر ہے ترے لیے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لیے
کالی بلا تری یہ سپر ہے ترے لیے
ضربت نہ چل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی یہ تیغِ دودم تجھے

کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقتِ دار و گیر
حلقہ کہیں کماں کا نہ کر لے تجھے اسیر
او تیرہ رو بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے

گو اسلحہ ہے زیورِ مردانِ سرگزار
ہے دم میں فیصلہ جو کھنچی تیغِ آبدار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے

بیٹوں کے غم نے کر دیئے مختل ترے حواس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
گم ہیں جو نورِ عین تو آنکھیں چرائے ہے

آگے ہمارے دعویٔ جرأت خدا کی شاں
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں نوجواں
ہیں شیر شیر خوار جنابِ امیر کے

بارہ برس کے سن میں لڑے شاہِ ذوالفقار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش او زبوں شعار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے

قائل کیا جو مصحفِ ناطق کے لال نے
برچھا اٹھایا ہاتھ میں اُس بد خصال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے

قاسم نے عرض کی کہ بہت خوب ہے حضور
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے اے غیور
ہشیار جانِ عم کہ دمِ کارزار ہے

دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں اے شریر
دشمن ہیں سب ترے جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر
آ ہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

سب جب بے چل سکیں گے بھلا وقتِ گیر و دار
لادے ہوئے ہے تن پہ عبث ایک خر کا بار
یہ تو نہیں ہے کلب ہے برقع میں شیر کے

گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی انھیں کے پاس
آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
ثابت ہوا خجلم سے کہ منہ کو چھپائے ہے

گدّی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زباں
لے میاں سے کہ اس کا بھی ہو جائے امتحاں
جھولے سے بھانک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے

مرحب سا پہلوان نہ بچا وقتِ کارزار
گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغِ آبدار
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

تر کر دیا اُسے عرقِ انفعال نے
چھیڑا فرس کو قاسمِ یوسف جمال نے
عباسِ نامدار قریب آ کھڑے ہوئے

رہیئے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا ضرور
دشمن کو پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دور
جاتا ہے اب کہاں یہ تمھارا شکار ہے

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار
صدقے ترے حواس کے اے میرے شہسوار
آنے دو اس کو تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
فارس ہو تم سا کون تہ چرخِ چنبری
صدقے ہیں اے نہنگِ محیطِ دلاوری
ابرو پہ بل ہو آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بیٹا تمھیں خدا نے دیا ہے علی کا زور
بہرام کی طرح سے چلا اب میانِ گور
چتلے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
سُن کر صدائے شبر پکارا وہ بد زولا
تیوری چڑھا کے حضرتِ عباس نے کہا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
نیزہ ہلا کے جانبِ قاسم بڑھا وہ یل
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے بھل
ضیغم ہیں بیشۂ اسدِ ذوالجلال کے
یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکاں
اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں
بل کیا گرے کہ وہ ہی موذی کا گھٹ گیا
قاسم نے زور سے جو اَنی پر رکھی اَنی
بگڑا جو ڈھنگ سا جان پہ ظالم کی آبنی
اُڑ کر گری زمیں پہ سناں اُس تکان سے

بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا نثار
ہاں دونوں پاؤں کھینچو رکابوں میں استوار
گھوڑا نہ بد مزاج ہو پٹری جمی رہے
دکھلا ئیے ہو صاحبِ دُلدُل کی بگدڑی
دکھلا دے ضربِ تیغِ جہانگیرِ حیدری
بھاری نہ رہ وہ پہنے ہو چوٹیں کڑی رہیں
گو پیل ہو یہ ہاتھ ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
دیکھو گے دیکھنے کا فقط ہے یہ زور و شور
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی
کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ وغا
بس ہے تجھے یہ طفل مری احتیاج کیا
دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں
دولہا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
کھینچو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے
چمکی اَنی تو برق پکاری کہ الاماں
ڈانڈا آ گی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا
بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی
تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

جھنجلا کے چوبِ نیزہ کو لایا وہ فرق پر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب

چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیرِ نگاہ سے وہ خطاکار ڈر گیا

بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسن
چلائے بڑھ کے حضرتِ عباسِ صف شکن

دیکھا ہمارے شبر کی جتون کی شان کو
کندہ وگد از تیرِ نظر پہ بھی کی نظر

شیروں نے کاٹ ڈالے ہیں دیوں تیغوں کے سر
ترکش کو پھینک دے جو حمیت کا جوش ہو

دو سمت سے چلے جو ملامت کیے اُس پہ تیر
ہاں اے حسن کے لعلِ بدخشاں بدہ بگیر

چمکا کے تیغِ تیز جو قاسم سنبھل گئے
مانندِ شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن

ماہی زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
میخیں زمیں کی اُس کی تگاپو سے ہل گئیں

فر فر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا
دشمن کو گھورتا ہی رہا ناچبا چبا

دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو

قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ یہ مارا بچا کے سر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر

دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا
قبضے میں لی کمانِ کیانی بصد غضب

تیوری چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّہ اُتر گیا

رُخ پھیر کر یہ او ستم ایجاد و پیل تن
کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن

دعویٰ ہی کچھ ابھی تو چڑھا لے کمان کو
ظالم عقابِ تیر کے بھی اُڑ گئے ہیں پر

ہاں اب بتا صواب کدھر ہے خطا کدھر
چٹکی سے لو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو

چلایا تیغِ تیز علم کر کے وہ شریر
نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغِ قضا نظیر

سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے
آنکھیں اُبل پڑیں صفتِ آہوئے ختن

چلائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رفرف یہ بادپا
غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو باوفا

لڑلے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

[illegible]

چھل بل دکھائی فوج کو دوڑا اٹھا اڑا
صورت بنائی جست کی ہمتا جما اڑا
دیکھی زمیں کبھی کبھی سوئے سما اڑا
مثلِ سمندِ بادشہِ انما اڑا
جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بیک
دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک
اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سمک
چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد
کہتا تھا بازوئے شہِ دیں یا علی مدد
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

لایا جو حرفِ سخت زباں پر وہ بدخصال
جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسن کا لال
گھوڑے سے بس ہلا دیا گھوڑا بصد جلال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اس کی سپر سے ڈھال
اوجھڑ لگی کہ ہوش اڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیے سر پر سمند کے

عباسِ نامدار نے پہلو سے دی صدا
ہاں اب نہ جانے دیجیو حسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا ابھی اس طرف کو اودھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو
بچے نے آج پست کیا مست پیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو
لو کو جو گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے یہ کیا ہوا

قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمھیں ظفر
تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر
اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو
کام آئے کیوں نہ رہن جو استاد پاس ہو

فرمایا جانِ عم یہ بشر تھا کہ دیو زاد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر و اِن یکاد
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسین پر
عباسِ نامدار تو ہنستے چلے اُدھر
اس غم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر

لاکھوں سے لڑ کے پیاس میں مجبور ہو گئے
کیونکر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے
کھا کھا کے زخم مثلِ امیرِ عرب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے
بجلی اُدھر گری یہ جدھر کو پلٹ کے آئے

منہ سُرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا
پھر دستِ چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ
لشکر کے ساتھ تھا سپہرِ سعادت و سیاہ

غل تھا کہ رونا ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اُس جناب کے

ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر خانۂ عناد
چلائی در سے ماں کہ بر آئی مری مراد
اسپند کوئی کر دے مرے نورِ عین پر
یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دوں خبر
یاں اُس بنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر

حربے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے
اک اک لڑا نہ آہ بہم ہو کے سب لڑے
جاں بازیاں ستم کی دکھائیں غضب لڑے
بچپن میں لڑ کے زورِ جوانی دکھا دیا
یوں آئے جیسے شیرِ درندہ جھپٹ کے آئے
صف کو بچھا کے آئے پرے کو اُلٹ کے آئے

بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے
دستِ یمیں نے جنگ میں آرام کم لیا
تیورا کے سنبھلے منہ سے لہو ڈالا دم لیا
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں
رو کے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ

ہاں غازیو بجھا دو حسن کے چراغ کو
ٹوٹی تھیں دو قریب سے اُس ناتوان پر
ہلہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر
برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
سنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا
گھبرا کے بولے حضرتِ عباسِ باوفا
چلائی ماں ارے مری بستی اجڑ گئی
جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار
اس غیظ میں کہیں سے جو آئے سوئے یسار
بھاگڑ میں خوں سے رن کی زمیں لال ہو گئی
دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بصد فغاں
جب لاش اٹھائی شہ نے تو چور استخواں تھے
ڈیوڑھی پہ لائے لاش جو سلطانِ بحر و بر
لاشے کے پاؤں تھامے کوئی اور کوئی سر
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اٹی ہوئی
لاشہ ادھر سے لے کے چلے شاہِ کربلا
فضّہ تھی آگے آگے کھلے سر برہنہ پا
چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہے صاحبو
بہنیں کدھر ہیں ڈالنے آنچل بنے پہ آئیں
رخصت ہوں جلد تا کہ براتی بھی چین پائیں
دل پر ہے فراق کی شمشیرِ تیز کو

مارا کسی نے فرق پہ اک گرزِ گاؤسر
گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تبر
فریاد یا حسین بچاؤ غلام کو
دوڑے حسین جانبِ مقتل برہنہ پا
تلوار کس پہ چل گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
اے بھائی دوڑو بن کے لڑائی بگڑ گئی
بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
بھاگے بھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
دولہ کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی
سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
بے جاں ہوا حسین کے آگے وہ نیم جاں
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشان تھے
پردا اٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
چادر کمر کی تھامے تھے عباسِ نامور
رخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئی
دوڑے ادھر سے پیٹتے ناموسِ مصطفا
آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
دولھا دولھن کے لینے کو آتا ہے صاحبو
اب دیر کیا ہے حجرے سے باہر دولھن کو لائیں
جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں کو جائیں
ماں سے کہو دولھن کے نکالے جہیز کو

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
دولہا کی لاش آتی ہے سہرے کو توڑ دو
یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی

یہ کہہ کے غش ہوئی جو قلق سے وہ نوحہ گر
آکر قریب صحن پکاری بہ چشم تر
کیسی پھڑا دھڑی ہے یہ اماں کدھر گئیں
رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر
بیٹی لٹے گی یوں ہمیں اس کی نہ تھی خبر
زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشم اشکبار
چادر سپید اڑھا کے دولھن کو بحال زار
چلائی ماں یہ گر کے تن پاش پاش پر
صدقے گئی چچی کو نہ ہوئے کہیں ملال
واری بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال
کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو

جس دم دولھن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشک ماہ
بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں
پیٹے جو سب عروس کو بھی ہو گئی خبر
گھبرا کے تب سکینہ سے بولی وہ نوحہ گر
مسند الٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار
ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں نثار
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی
حجرے سے دوڑی بالی سکینہ برہنہ سر
اے بی بیو کسی کو دولھن کی بھی ہے خبر
دوڑو پھوپی جہاں سے کبرا گزر گئیں

اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولھا کو اک نظر
دولھا بھی نام کو ہے چچا کا پسر بھی ہے
پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوئے دل فگار
گودی میں لائی زینب غمگین و سوگوار
قاسم بنے اٹھو دولھن آئی ہے لاش پر

رکھو دولھن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسن کے لال
کیسا یہ خواب ہے کہ دولھن کا نہیں خیال
اس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو
نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
میرا قصور عفو ہو اے میرے بادشاہ
اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں

ای پارۂ دلِ حسن ای فدیۂ حسین
کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین

کیا کہہ کے روؤں اُٹھ گیا اب تو جہاں سے چین
بیوہ کو کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین

چھوڑا دولھن کو لاش پہ رونے کے واسطے
دولھا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے

صاحب بتاؤ دو تمہیں رونے ہیں کیا کہوں
بیکس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں

پیاسا کہوں شہید کہوں یا بنا کہوں
دولھا کہوں کہ قاسمِ گلگوں قبا کہوں

ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
اک شب کی رانڈ دولہ کو کیا کہہ کے روتی ہے

کیوں رونے والو سُنتے ہو آوازِ شور و شین
اس بزمِ پاک میں ہیں یہاں نوحہ گر حسین

منبر کے پاس فاطمہ روتی ہیں کرکے بین
ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین

شبّر کو بھی قلق ہے شہِ بے وطن کو بھی
پرسا امام کو بھی دو تم اور حسن کو بھی

لکھے انیس خوب بہ سرعت یہ چند بند
لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو جو پسند

اک جا ہے شیر و شکّر و شہد و نبات و قند
اُس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند

نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذرِ حسین کی

رُباعی

سوزِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہے
آہوں نے کنولِ دل کا بجھا رکھا ہے

نکلو کہیں جلد، عمر آخر ہے انیسؔ
اس ہندِ سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

مرثیہ (۶)

جب آب واں بند ہوا فوجِ خدا پر
فاقے کئی گزرے شہِ دیں کے رفقا پر
نرغہ ہوا دسویں کو امامِ دوسرا پر
پیاسوں کا لہو بہنے لگا خاکِ شفا پر
پھولا تھا چمن دشت میں اولادِ علی کا
باجوں کا اُدھر غل تھا ادھر نادِ علی کا

خاروں کی طرح گرد کھڑی تھی سپہ شام
کس شان سے تھا بیچ میں گلدستۂ اسلام
تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام
سب تشنہ دہن قتل ہوں ہر اک گل اندام
سادات کو ہاں نیزہ و شمشیر سے مارو
بچہ بھی جو آئے تو اُسے تیر سے مارو

یہ شبیر ہیں آغوشِ یداللہ کے پالے
جو سب سے زبردست ہو ہاتھ ان پہ وہ ڈالے
گھیرے رہیں پیاسوں کو سواروں کے رسالے
نزدیک سے تلواریں چلیں دور سے بھالے
ہاتھ آئے گا اس غول کا صلہ تیغ زنوں کو
دم لینے کی مہلت نہ ملے بے وطنوں کو

دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو چلیں تیر
ہیں اُن کے گلے قابلِ آبِ دمِ شمشیر
نازاں ہیں بہت اپنے علمدار پہ شبیر
دُنیا سے مٹا دو اسد اللہ کی تصویر
اِک عشق ہے ہمشکل رسولِ مدنی سے
چھید و جگر اس چاند کا برچھی کی انی سے

قاسم کو سمجھتے ہیں برادر کی نشانی
ہاں بھائیو برباد کرو اس کی جوانی
فرزندوں کو زینب کے نہ دینا کہیں پانی
یہ شبیر ہیں کونین میں ان کا نہیں ثانی
تیغ اُن کے بزرگوں کی ہزاروں پہ چلی ہے
اِک جعفرِ طیار ہے اور ایک علی ہے

کس شان سے ہیں بچے ہاتھوں میں سنبھالے
بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے
کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیا چھوٹے سے بھالے
زخمی ہوں کسی پیچ سے گیسوؤں والے
تلواروں سے پھر بچکے کدھر جائینگے شبیر
زینب نکل آئیں گی تو مر جائیں گے شبیر

واں ظلم پہ باندھے تھا کمر لشکرِ کفار
ذی قدر جوانمرد خوش اطوار وفادار
آغوشِ محمد کا مکیں ان کی طرف تھا
تھا فتح کے سوئے مفسرؔ کوئی ذی جاہ
کہتا تھا کوئی ہنس کے توکلت علی اللہ
گو رحم نہ یہ لشکرِ نااہل کرے گا
تھا سورۂ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر
صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ دوجہاں پر
تسبیح امامت کو عجب دانے ملے تھے
عاشق شہِ والا کے مطیع اسد اللہ
مستغنی و حق بین و حق آئین و حق آگاہ
فاقوں میں توکل تھا جنابِ احدی پر
خشکیدہ زبانوں پہ سخن شکر کا جاری
کوئی تو محدث کوئی حافظ کوئی قاری
سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذاتِ جہاں کو
گو فاقوں سے تحلیل تھے وہ صابر و توقیر
دانائے جہاں سیف زباں صاحبِ شمشیر
دل تیروں سے زخمی ہوئے چھد چھد گئے سینے
ایک ایک مئے وحدتِ اللہ سے سرمست
سر کاٹیں نہ سینوں کو جو سو تیر ہوں پیوست
نہ گھر کا نہ اولاد کا نہ مال کا غم تھا

تھوڑے سے جواں تھے کہ بھی تھے مرنے پہ تیار
خاصانِ خدا متقی و زاہد و ابرار
دنیا تو ادھر جمع تھی دیں ان کی طرف تھا
پڑھتا تھا کوئی آیۂ نصرت طرفِ شاہ
بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ
اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا
مائل تھا کوئی سیرِ گلستانِ جناں پر
لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جاں پر
کیا فاطمہ کی شمع کو پروانے ملے تھے
سر دینے کو سب ہادیِ کونین کے ہمراہ
دنیا کو وہ دیندار سمجھتے تھے گزرگاہ
پڑتی تھی نظر اُن کی نعیمِ ابدی پر
معشوقِ امامِ دوجہاں عاشقِ باری
ہم رتبۂ سلمان و اباذر و غفاری
تھا چاشنیِ فقر سے کام اُن کی زباں کو
موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرۂ تکبیر
طینت میں وفاداروں کی تھی الفتِ شبیر
سر رشتۂ تسبیح کو توڑا نہ کسی نے
ثابت قدم و صفدر و جانباز و زبردست
سمجھا کیے دنیا کی بلندی کو سدا پست
غم تھا تو فقط فاطمہؓ کے لال کا غم تھا

کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھائے
پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
آقا کی محبت میں وطن چھوڑ کے آئے
ایسے بھی نمک خوار کسی نے نہیں پائے
زرہیں تنِ پُرنور میں شیروں کے پڑی تھیں
آنکھیں سپہِ شام کی تیغوں سے لڑی تھیں

پہلو میں کوئی اور کوئی پیشِ شہِ خوشخو
کوئی سپرِ حفظ کوئی جوشنِ بازو
رُخ چاند سے روشن تو بدن پھولوں سے خوشبو
رخساروں پہ سنبل سے لٹکتے ہوئے گیسو
تیروں سے نہ تلواروں سے منہ پھرتا تھا اُن کا
حضرت کے پسینے پہ لہو گرتا تھا اُن کا

کیا شانِ حبیب ابنِ مظاہر کا لکھوں حال
وہ پیاس کا صدمہ وہ ضعیفی وہ سن و سال
کیا رُتبۂ اعلیٰ تھا زہے حشمت و اقبال
فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہ کا لال
جو عشق تھا سلمان و ابا ذر کو نبی سے
ان کو وہی اُلفت تھی حسین ابنِ علی سے

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی
پروانۂ جانباز بھی شمعِ سحری بھی
ابرار بھی دیندار بھی عصیاں سے بری بھی
زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی
طفلی سے یہ فوجِ شہِ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

تھا وہ قدِ خم گشتہ شجاعت سے نہ خالی
مرنے کو چلے کیا کہ چلی تیغِ ہلالی
پسپا تھی وہ صف جس پہ نظر شبر نے ڈالی
نعرہ تھا یہ ہر دم کہ نثارِ شہِ عالی
صدقے ہوئے یوں لختِ دلِ ختمِ رسل پر
بلبل کبھی جس طرح فدا ہوتی ہے گل پر

وہ مومنِ کامل جو زمانے سے سدھارا
حضرت کا جگر ہو گیا سینے میں دوپارا
فرماتے تھے رو کر کہ نہیں صبر کا یارا
افسوس کہ بچپن کا چھٹا دوست ہمارا
یوں روئے جدا ہونے پہ اُس تشنہ دہن کے
جس طرح سے روئے تھے جنازے پہ حسن کے

مٹی میں ملایا وہ مرقع جو قضا نے
سر دینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
دیکھا سوئے افلاک امامِ دوسرا نے
تسبیحِ امامت کے بکھرنے لگے دانے
کیا قہر ہے تیر اُن پہ چلے فوجِ شقی کے
رشتے میں جو تھے احمد و زہرا و علی کے

مقتل سے یہ خیمے میں خبر جاتی تھی ہر بار
آخر ہوئی اولادِ عقیلِ جگر افگار
لشکر میں تلاطم ہے امامِ ازلی کے
تھی شکر کے سجدے میں بنت اللہ کی جائی
سب بھائیوں لوٹی گئی زینب کی کمائی
مرتے ہیں نہ بانوں کو نکالے ہوئے بچے
سجدے سے جو سر حضرتِ زینب نے اُٹھایا
گھبرا کے کہا کیا ہوا کیوں شور مچایا
کیوں پیٹتے ہو حال مرا غیر ہے لوگو
سب نے کہا دُنیا سے گئے آپ کے پیارے
صادق تھے وہ حق ماں کا ادا کر گئے بارے
تھا آج کے دن کے لیے پالا انھیں میں نے
یہ سُن کے اِدھر بیبیاں سب پیٹتی تھیں سر
مارے گئے عباس کے عینی جو برادر
تلواریں کلیجے پہ چلیں شاہِ زمن کے
بھانجے کے جو پرسے کو چلے سیدِ ابرار
پردے سے لگی رو رہی تھی زینبِ ناچار
فرمایا کہ اُٹھو تو مری جان برادر
کی عرض کہ اے وارثِ ذریتِ حیدر
باقی ہوں غلاموں میں تو میں بیٹوں میں اکبر
بڑھتا ہوں میں جب دم تو جھکا لیتے ہیں سر کو

بے جان ہوئے مسلم کے یتیمانِ وفادار
پامال ہوا لو چمنِ جعفرِ طیار
اب چلتی ہے تلوار نواسوں سے علی کے
فضہ نے یکایک یہ خبر آکے سُنائی
دم توڑتے ہیں خاک پہ معصوم دُہائی
ہے ہے مری آغوش کے پالے ہوئے بچے
ہر بی بی کو خیمے میں تڑپتا ہوا پایا
جلدی کہو کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
اکبر مرے فرزند کی تو خیر ہے لوگو
فرمایا کہ ہاں دونوں نے سر ماموں پہ وارے
شادی ہوئی بڑھ کر چڑھے لال ہمارے
شاہد رہیں سب دودھ بھی بخشا انھیں میں نے
واں تیغوں سے ہوتا تھا قلم گلشنِ حیدر
لاکھوں سے لڑا لختِ دلِ حضرتِ شبّر
ٹکڑے نہ ملے لاشۂ فرزندِ حسن کے
آگے گئے روتے ہوئے عباسِ علمدار
ہمشیر کے قدموں پہ گرے دوڑ کے اک بار
کیا کہنے کو آئے ہو میں قربان برادر
دُنیا سے سفر کر گیا سب شاہ کا لشکر
دیکھوں کسے دیتے ہیں رضا سبطِ پیمبر
دیکھا ہے کنکھیوں سے کئی بار پسر کو

میداں میں بڑے بھائی کا پیارا ہوا بیدم
کیا جانیئے کیا سوچتے ہیں قبلۂ عالم
ہوگا وہی جس امر میں کد آپ کریں گی

خود عرض کروں شہ سے یہ مجھ کو نہیں یارا
ہاں آپ ذرا شاہ سے کردیں جو اشارا
حامی ہو تو دیر ایک دم اک پل نہیں ہوتی

سُن کر یہ سخن کہنے لگی زینب ذی جاہ
اچھا میں کہونگی پہ نہ مانیں گے کبھی شاہ
مشکل ہی بہت گود کے پالے کی جُدائی

ہاں خصتِ اکبر ہو تو ہو اُن کو گوارا
اِک دم بھی جُدا ہونے کا جن کو نہیں یارا
اوّل تو یقیں ہی کہ نہ اقبال کریں گے

یہ ذکر تھا جو شاہِ امم خیمے میں آئے
اکبر بھی بصد رنج والم خیمے میں آئے
روئے جو حرم دیکھ کے اس خاصۂ رب کو

جن جن کے پسر ہو گئے تھے دشت میں بیجاں
ای بیبیو تم سب کے ہیں شبیر یہ احساں
اولاد کے مرجانے کا کچھ غم نہیں ہم کو

رو کر شہِ بیکس نے کہا یہ نہ کہو آہ
سب قافلہ والوں نے تو فردوس کی لی راہ
اب ہم نہ کوئی داغِ غم و یاس اُٹھائیں

یہ ایک ندامت ہی مرے واسطے کیا کم
اکبر بھی سدھارے تو کہیں کے نہ رہے ہم
رہ جائے گی عزت جو مدد آپ کریں گی

ہوگا نہ کسی اور سے اس درد کا چارا
پھر کیا ہی سنور جائے ابھی کام ہمارا
مشکل کوئی بے عقدہ کشا حل نہیں ہوتی

دِلوا دے بہن بھائی کو مرنے کی رضا آہ
بھائی سے نہ اُٹھّے گا یہ کوہِ غمِ جاں کاہ
آسان نہیں چاہنے والے کی جُدائی

فرزند انھیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
کیونکر کہوں وہ داغ اُٹھائیں گے تمھارا
مانا بھی تو کیا جانیئے کیا حال کریں گے

روتے ہوئے ڈیوڑھی سے حرم خیمے میں آئے
عباس بھی گردن کیئے خم خیمے میں آئے
شبّیر نے ایک ایک کا پرسا دیا سب کو

اُن سوگ نشینوں سے یہ بولے شہِ ذی شاں
سب بولیں کہ ای محسنِ عالم ترے قرباں
اللہ زمانے میں رکھے آپ کے دم کو

مشتاقِ اجل ہوں مجھے جینے کی نہیں چاہ
جو چھٹے ہیں جلد اُن سے ملائے مجھے اللہ
لاشے کو مرے اکبر و عباس اُٹھائیں

اکبر نے کہا پہلے خدا ہم کو اٹھائے
عباس یہ بولے وہ گھڑی حق نہ دکھائے
حضرت ہی ہمارا تنِ صد پاش اٹھائیں
عباس کا منہ ہنس کے لگے دیکھنے شبیر

عباسِ علی رونے لگے سُن کے یہ تقریر
آنسو نہ بہائیں کہ لہو گھٹتا ہے میرا
زینب نے کہا ان کا تو مطلب ہی جدا ہے
کی عرض کہ ان کو طلبِ اذنِ وغا ہے

اکبر سے بھی پہلے سفرِ خلد کریں گے
کل تک تو مرے عشق کا دم بھرتے تھے ہر بار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیار
بھائی نہیں جینے کا جو پہلو سے ہٹیں گے

زینب نے کہا آپ انھیں آزردہ نہ کیجے
یہ غیظ میں ہیں جب سے ہوئے قتل بھتیجے
جانباز ہیں غازی ہیں بہادر ہیں جری ہیں
یہ سنتے ہی سر شہ کا جھکا زانوئے خم پر

سر پاؤں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علم پر
چھوڑا ہمیں کیوں اے مرے محبوب برادر
خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرتِ عباس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب بصد یاس

منہ شہ سے وہ موڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں
فرزند تو زندہ ہو پدر خوں میں نہائے
آقا پہ جو آتی ہو بلا ہم پہ وہ آئے
خاک ایسی جوانی پہ کہ ہم لاش اٹھائیں

فرمایا کہ جوش آگیا اے صاحبِ شمشیر
شہ نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہمشیر
کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سر کٹتا ہے میرا
شہ نے کہا فرمائیے ہمشیر وہ کیا ہے

حضرت نے کہا خیر مناسب ہے بجا ہے
جلدی انھیں کاہے کی ہے کیا ہم نہ مریں گے
رخصت کے لیئے آج یہ وقت ہے یہ اصرار
پوچھو تمھیں تھا ہم سے اور ان سے بھی اقرار

یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے
ان کی یہی دھن ہے کہ رضا پہلے ہی لیجے
اب تو مری خاطر سے اجازت انھیں دیجے
ناز ان کے اٹھا لیجے کہ اب یہ سفری ہیں

عباس گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
حضرت نے کہا رحم نہ آیا تمھیں ہم پر
تم جس میں ہو خوش خیر بہت خوب برادر
سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس

کیا کہتی ہو تم مجھ کو تو جانے دو چچا پاس
عمو مجھے چھوڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں

میں جیتی ہوں کیا ایسا چلا جاتا ہے آساں
عباس کی نے وجہ نے کہا سچ ہے میں قرباں
کیا جانیئے اس مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی
سرکاتی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی
چلّائی کہ سمجھی میں جہاں چھپ کے چلے تھے
بتلایئے جاتی ہے کدھر آج سواری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان میں واری
بر میں ہے زرہ تیغ لگائی ہے کمر سے
عباس پکارے میں اس آواز کے قرباں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
پانی کے لیئے واں تمھیں ہاتھ سے کھوؤں
شب ہووے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں
ہے ہے شہِ بے کس کا رُلانا نہیں اچھا
عباس نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ
قرباں میں کیوں پیاس کی تکلیف اُٹھاؤ
نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر
حضرت نے کہا یہ نہ رُکیں گے کسی تدبیر
روکو نہ۔ کہ درپیش عجب راہ ہے ان کو

دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریباں
جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جاں
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی
رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی کے بھائی
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے
اس پیاس میں لی آہ خبر خوب ہماری
کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے
ہم جاتے ہیں پانی کے لیئے آؤ مری جاں
میں گھر سے تمھیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے
میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
اب روتی ہوں پانی کے لیئے پھر تمھیں روؤں
پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا
بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
تم بھی ہو یہ اصغر کو بھی چلّو سے پلاؤ
تم پیاس بجھا لو تو جگر سرد ہو میرا
کیا کہتے ہیں سُنیئے تو چچا جان کی تقریر
اب مشک بھی لاؤ انھیں جو خواہشِ تقدیر
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے ان کو

دی مشک جو حکمِ پسرِ شاہِ نجف سے
غل رونے کا خیمے میں اُٹھا چار طرف سے
کھولا علمِ دیں کو جو اس بحرِ کرم نے
گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گردان کے دامن
تیار تھا اُڑنے پہ اُٹھائے ہوئے گردن
فتراک کو تھا فوق کہیں بالِ ہما پر
آمد سے بہادر کی تزلزل ہوا رن میں
لشکر کی ترقی کو تنزّل ہوا رن میں
سب زیر و زبر مجمعِ مردم نظر آیا
شیروں کے نیستاں میں جگر خوف سے کانپے
حور و ملک و جن و بشر خوف سے کانپے
چلا کے نبی جان تو پنہاں ہوئے در میں
ہل چل تھی کہ شیروں کے قدم رن میں نہ ٹھہرے
صحرا کے پرندے بھی نشیمن میں نہ ٹھہرے
غل تھا کہ یہ فوج اب غضبِ حق میں گھر گئی
ناگاہ بیابانِ بلا نور سے چمکا
عکس اس کا فزوں حسنِ رخِ حور سے چمکا
کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نور فشاں ہوں
تھی شانِ علی چہرۂ انور پہ جری کے
لہراتا تھا دامانِ علم سر پہ جری کے
شانے پہ کماں بر میں زرہ تیغ کمر میں

رخصت ہوئے عباس محمد کے خلف سے
طالع ہوا خورشیدِ زمیں برجِ شرف سے
نعلین پہ سر رکھ دیا اقبال و حشم نے
قدموں سے رکابوں کی بھی آنکھیں ہوئیں روشن
اقبالِ سلیماں سے پری بن گیا توسن
زیں اس پہ نہ تھا تختِ سلیماں تھا ہوا پر
غارت صفِ اعدا کا تجمل ہوا رن میں
شبیر آتا ہے یہ چار طرف غل ہوا رن میں
دریا بھی ہٹا کچھ یہ تلاطم نظر آیا
تھرّانے لگے کوہ شجر خوف سے کانپے
پریوں کے پرے دور تھے پر خوف سے کانپے
سر قاف چھپانے لگا لقطوں کی سپر میں
وحشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن میں نہ ٹھہرے
برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن میں نہ ٹھہرے
بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گرے گی
خوں پنجۂ خورشیدِ علم دو سے چمکا
تھا نور کا شعلہ کہ سرِ طور سے چمکا
میں پنجتنِ پاک کے لشکر کا نشاں ہوں
کلغی تھی عجب حسن سے مغفر پہ جری کے
پھرتا تھا ہما فرقِ مطہر پہ جری کے
دو لاکھ کا لشکر نہ سماتا تھا نظر میں

غل تھا کہ علمدارِ شہنشاہ کو دیکھو
ہم صورتِ ہم شانِ یداللہ کو دیکھو
دستانے پہننے کا بھی دستور یہی تھا

مطلع دوم

جب رن کو چلے حضرتِ عباسِ علمدار
وہ شیر کہ اتری ہے جیسے عرش سے تلوار
اب چمکے گی تلوار شجاعِ ازلی کی
تشریف احد میں یوں ہی لائے تھے یداللہ
ہتھیار اسی دھج سے لگائے تھے یداللہ
قبضے میں یوں ہی قبضۂ شمشیرِ دودم تھا
تحریرِ سراپا پہ جو مائل ہوئی خاطر
پر جس کی طرف دیدۂ حق بیں ہوئے ناظر
دل نے کہا کیوں امرِ فضولی ہیں یہ کد ہے
کیا لکھے گا تو شاہ کے شیدا کا سراپا
دشوار ہے عباس سے آقا کا سراپا
بہتر کوئی شے اور ہے نورِ ازلی سے
جس امر سے ہو خاص کو رغبت وہ کرے کام
دانا کو یہ لازم ہے کہ عائد نہ ہو الزام
جلسہ ہے حسینِ مظلوم کی یہ بزمِ عزا ہے
واقف نہ حقیقت سے ہوئے نورِ خدا کی
نافہم اچھلنے لگے چپ ہو گئے باکی
ہمسر کیا ذرے کو رخِ بازوئے شہ کے

لو ماہِ بنی ہاشمِ ذی جاہ کو دیکھو
حیدر کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
نقشہ تھا یہی حسن یہی نور یہی تھا
دی پیک نے جا کر یہ خبر شمر کو اک بار
اس کا پسر آتا ہے خبردار! خبردار!
آمد ہے بڑی دھوم سے عباسِ علی کی
خیبر میں اسی شان سے آئے تھے یداللہ
لاکھوں سے یوں ہی آنکھ ملائے تھے یداللہ
کاندھے پہ اسی طرح محمد کا علم تھا
غور ان مضامین کی صدا آئی کہ حاضر
ٹھہری کوئی شے قابلِ تشبیہ نہ آخر
دی عقلِ رسا نے یہ گواہی کہ سند ہے
ادنیٰ سے مشابہ نہیں اعلا کا سراپا
آسان ہے کچھ حسن کے دریا کا سراپا
تشبیہ جب اس شبر کو دیجے تو علی سے
خوش ہو کے عوام اٹھیں تو پھر اس میں ہے کیا نام
کیا لطف جو آغاز کا بہتر نہ ہو انجام
یاں رونے کی لذت ہے رلانے کا مزا ہے
پیشانی کو خورشید کہا خوب ثنا کی
اشکوں نے بھی رک کر کہا یہ عین خطا کی
کھوئے درِ شہوار بھی پنجے سے مژہ کے

ابرو کو کماں کہتے ہیں اس فہم کے قربان
ابرو بھی جگر گوشۂ حیدر کے زہے شان
ممدوح کے رتبے کا بھی لازم ہے ذرا دھیان
یہ اُس کے نواسے کے تنِ پاک کی ہے جان
جو شاہ ہے قوسین مکاں ارض و سما میں
فرقِ دو کماں جس میں رہا اور خدا میں

کہتا ہے کوئی چشم کو نرگس کوئی آہو
اُس کے تو بصارت نہیں اس کے نہیں ابرو
چہرے کو کہا گر گلِ مہتاب ہے یہ رُو
اس میں نہ یہ سبزہ نہ یہ سُرخی نہ یہ خوشبو
بے بو ہے وہ اک پھول یہاں باغ لگا ہے
ہر چیز میں بس ایک اک داغ لگا ہے

مضمونِ دہن کے شعرا رہتے ہیں جویا
پوچھے کوئی کوثر سے زباں کو بھی ہے دھویا
غنچہ جو کہا لطفِ سخن اور بھی کھویا
اسرارِ الٰہی سے بھی واقف ہوئے گویا
ہیں عقدہ کشا منہ سے جو بولیں تو کھلے گا
اس عقدے کو یہ آپ ہی کھولیں تو کھلے گا

دانتوں کو گہر مرثیہ گو کہتے ہیں سارے
بتلاؤ گہر خوب ہیں یا عرش کے تارے
یہ دُرِ نجف ہیں علی کو جو ہیں پیارے
تاروں کو بھی صدقے فلک ان پر سے اُتارے
کیا وصف کریں ان کا سوا اصلِ علیؑ کے
گوہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نورِ خدا کے

لب کو جو کہا لعل یہ مضمون ہے بے رنگ
اس مدح کے قابل نہیں ہے یہ دہنِ تنگ
بولو لبِ جاں بخش کا ہوتا ہے یہی ڈھنگ
اعجازِ مسیحا کا دکھائے تو کوئی سنگ
قدرت نہیں ان ہونٹوں کے اوصاف کی ہم میں
یہ وہ ہیں کہ مردوں کو جلا دیتے ہیں دم میں

قامت کو کہا سرو تو چال اُس میں کہاں ہے
یہ سیبِ ذقن یہ خط و خال اُس میں کہاں ہے
یہ حُسن صورت یہ جمال اُس میں کہاں ہے
یہ رعب یہ شوکت یہ جلال اس میں کہاں ہے
گل ہو کہ ثمر بو نہیں یا بد مزگی ہے
ہر شے میں غرض ایک نہ اک شاخ لگی ہے

جو بات کہ مہمل ہو وہاں چاہیئے اہمال
زیبا غزل شعر میں ہے وصفِ خط و خال
ہاں دیکھ کمیتِ قلم اچھی نہیں یہ چال
اب بڑھتے ہیں عباس صفیں ہوتی ہیں پامال
ہے جوشِ وغا ضیغمِ یزداں کے پسر کو
تلوار کو تولا ہے سنبھالا ہے سپر کو

اعدا بھی اُدھر مستعدِ جنگ و جدل ہیں
صف باندھے ہوئے ترک کے اور روم کے یل ہیں
اونچا ہے ہر اک ہاتھ سپر سر سے اٹھی ہے
کالے وہ علم فوجِ سیہ رو کی نشانی

شیروں کے کلیجے بھی ہوئے جاتے تھے پانی
بے کس شہِ دیں ہوتے تھے فریاد بجا تھی
یاں تیغ جگر بندِ علی میان سے نکلی
فریادِ دلِ قومِ نبی جان سے نکلی

غل تھا کہ یہ کس چیز کا پرتو نظر آیا
نعرہ جو کیا شیر نے دل ہل گئے سب کے
آثار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے
تھرّائے صدا سن کے شجاعِ ازلی کی

شدیز کو رانوں میں دلاور نے جو دابا
تنگی سے قفس تھا اسے دنیا کا خرابا
نہ جست نظر آئی نہ کاوا نظر آیا

پامال عدو وقتِ تگ و دو نظر آئے
مارے دمِ شوخی ورواروو نظر آئے
بجلی تو بلندی پہ شرارے تھے زمیں پر
سیدھی جو چلی تیغ صفوں کا ورق الٹا
چہرے جو کٹے دفترِ نظم و نسق الٹا
رکنے کا نہیں ہاتھ شجاعِ ازلی کا

کوفے کے قشون ہے کے پرے شام کے دل ہیں
سب دشت میں نیزوں کے شجر تیغوں کے پھل ہیں
گھنگور گھٹا شام کے لشکر سے اٹھی ہے
غل طبل کا قرنا کی وہ آوازہ ڈرانی
تھی صاف صدا ہائے بہادر کی جوانی

شہنا میں بھی مظلوم حسینا کی صدا اٹھی
کس نرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی
اک تازہ پری تھی کہ پرستان سے نکلی
حیرت ہے کہ دسویں کو مہِ نو نظر آیا

تھرّانے لگے کوہ اراضیِ عرب کے
ماہی سے ادھر گاو زمیں ہل گئی دب کے
جبریل کو یاد آ گئی آوازہ علی کی
پھر اڑ گیا برچھوں ہی وہ گھوڑا دورکابا
اترا تو دہانے کو عجب غیظ سے چابا
پھرتا ہوا لشکر میں چھلاوا نظر آیا

جس غول میں دو سو تھے وہاں سو نظر آئے
جب چمکے اڑا چار مہِ نو نظر آئے
خورشید تو زیں پر تھا ستارے تھے زمیں پر
استادِ شجاعت نے پڑھایا سبق الٹا
جبریل پکارے کہ زمیں کا طبق الٹا
دیکھو کہ نمونہ ہے یہی ضربِ علی کا

وہ معرکۂ غزوۂ خیبر نہیں بھولا
عرصہ ہوا پر صدمۂ شہپر نہیں بھولا
بہتا ہے لہو آگ بھڑکتی ہے زمیں پر
بڑھ کر صفِ ثانی پہ چلی تیغ جوسن سے
راہی ہوئیں روحیں تو رہا ہو کے بدن سے
کب چھٹتے ہیں شہبازِ اجل کے ہوں جو بس میں

حملے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی
ہوتی تھیں صفیں صاف صفائی تھی غضب کی
چلنے میں مزا قامتِ معشوقِ حسیں کا
کیا قہر تھا شمشیر کی ابرو کا اشارا
نہ بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا
گر بچ گیا یہ اس کی بلا ٹل گئی اس پر

کج ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا وہ لچکنا
وہ وار جو ہر سے جفا کاروں کو تکنا
ندی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا
بجلی سا چلن شعلہ کی خو سرکش و بیباک
خونخوار جفا کار ستم پیشہ و سفاک
خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی

بسمل ہوا جس کو لچک اس کی نظر آئی
چورنگ کیا اس کو اسے آٹھ گرا آئی
حوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں
کفار پہ وہ حملۂ حیدر نہیں بھولا
اب تک مجھے اس ضرب کا لنگر نہیں بھولا
پھر آج وہی برق چمکتی ہے زمیں پر

صاف آئی صدا یہ کہ نہ غافل ہو کفن سے
سر طائرِ وحشی کی طرح اڑ گئے تن سے
ملکاں نے کیا بند جہنم کے قفس میں
خوں پی کے برش تیغ نے پائی تھی غضب کی
اس منہ کی صفائی پہ کھائی تھی غضب کی
انداز ہر اک تاب میں تھا چینِ جبیں کا

اک چشم زدن میں اسے مارا اسے مارا
ہر ضرب میں تھے جان سے عاری ستم آرا
منہ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اس پر
شعلہ تھا خجل گرد تھا بجلی کا چمکنا
گویا تھا تماشا اسے کشتوں کا پھڑکنا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

صرصر سے سبک سنگِ گراں قیمت و چالاک
کج باز سر انداز ترش رو و غضبناک
ہستی کے چراغوں کے بجھا دینے کو آندھی
بجلی سی جو چمکی تو کمینوں میں در آئی
اٹھکھیلیاں کرتی ادھر آئی ادھر آئی
بے دم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

فولاد کی ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے کہیں زنہار نہ ٹھہری
مجرم رہی سرکش رہی بیباک رہی وہ
کاٹی جو سپر مغفرِ سنگیں پہ نہ ٹھہری
چار آئینہ ظالم خود بیں پہ نہ ٹھہری
پایا جو نہ اس دم پرِ جبریل امیں کو
پشتے ہوئے کشتوں کے پس و پیش چپ و راس
جب خوں میں بھر جاتی تھی وہ برچۂ الماس
بے وجہ نہ شمشیر کا منہ لال ہوا تھا
ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر
غازی کی قدمبوسی کو لہرانے لگی نہر
دریا کے حبابوں نے صدا دی یہ ابھر کے
ہر موج زیارت کے لیئے ہو گئی بے تاب
تھا مچھلیوں میں شور کہ نکلو پئے آداب
آمد جو سنی تھی خلفِ شاہِ نجف کی
جب گھوڑے کو دریا میں علمدار نے ڈالا
یاد آ گئی بس تشنگیِ سید والا
صدمے سے بھر آیا دلِ سقائے سکینہ
دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ اے نہر
انصاف کر انصاف یہ کیا ظلم ہے کیا قہر
اس پیاس کا جب ذکر پیمبر سے کریں گے

اک دم بھی میانِ صفِ کفار نہ ٹھہری
خوں اتنے کیئے اور گنہگار نہ ٹھہری
دھبا نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ
سر سے جو بڑھی گردنِ بے دیں پہ نہ ٹھہری
اسوار تو دو ہو گیا پہ زیں پہ نہ ٹھہری
گھوڑے سے اترتے ہی کیا چاک زمیں کو
پیتی تھی لہو دم بدم اور بجھتی نہ تھی پیاس
خود اس کا لہو پونچھتے تھے حضرتِ عباس
عباس کی سرکار سے و مال ہوا تھا
پانی کی چمک دور سے دکھلانے لگی نہر
بڑھ کر خس و خاشاک کو سر کانے لگی نہر
آنکھوں پہ قدم ساقیِ کوثر کے پسر کے
میں پہلے پھروں گرد یہ تھی خواہشِ گرداب
آتا ہے ادھر بحرِ شرف کا دُرِ نایاب
گوہر تھے پئے نذر ہتھیلی پہ صدف کی
لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تہ و بالا
رقت بہت آئی تھی مگر دل کو سنبھالا
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہائے سکینہ
سب آب و نمک خلق کا ہے فاطمہؑ کا مہر
شبیر تو پیاسے رہیں سیراب ہو سب شہر
شکوہ ترا ہم ساقیِ کوثر سے کریں گے

ای آب محمد کا پسر تشنہ دہن ہی
گلزارِ نبی کا گلِ تر تشنہ دہن ہی
گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پئیں گے

دریا سے یہ فرما کے بہادر نے بھری مشک
تسمے سے دہن باندھ کے ہر نے پہ دھری مشک
دیکھا جو مہیائے ستم بے ادبوں کو

گرداب سے اک حلقۂ ماتم تھا نمودار
سب مچھلیاں اُبھری ہوئی کہتی تھیں یہ ہر بار
دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لبِ جو سے

دریا تو ادھر اور اُدھر لشکرِ قہار
تلواروں کی تھیں بجلیاں اور تیروں کی بوچھاڑ
طوفاں تھا تلاطم تھا مصیبت کی گھڑی تھی

ہوتا تھا ادھر خاتمۂ جنگِ علمدار
اُٹھ کر کبھی تکتے تھے سوئے فوجِ ستمگار
بھائی کی صدا سُن کے تڑپ جاتی تھی زینب

کہتی تھی کہو صدقے گئی کچھ خبر آئی
دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی
خونخواروں میں وہ صاحبِ شمشیر گھرا ہی

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباس
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا کس سے ہوئی یاس
کیسی خبر آئی ہی کہ جی کھوتے ہو لوگو

ای آبِ شہِ جن و بشر تشنہ دہن ہی
دو روز سے سب شاہ کا گھر تشنہ دہن ہی
میں جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جئیں گے

بالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک
غل پڑ گیا دیکھو لیے جاتا ہی بھری مشک
دریا بھی لگا کاٹنے غصّے سے لبوں کو

پانی کے لیئے لہر ہر اک بن گئی تلوار
لو ڈوبتا ہی خوں میں علی کا دُرِ شہوار
پھر تیروں کا مینہ پڑنے لگا فوجِ عدو سے

مشکیزہ لیئے بیچ میں تنہا وہ علمدار
جا سکتے تھے آفت میں نہ اِس پار سے اُس پار
کیا پیاسوں کی کشتی بھی تباہی میں پڑی تھی

بسمل سے تڑپتے تھے اُدھر سیدِ ابرار
گر کر کبھی چلاتے تھے ہی ہی مرے غمخوار
جب سُنتے تھے حضرت تو نکل آتی تھی زینب

شہ کہتے تھے ہمشیر جدا ہوتا ہی بھائی
مشکیزے کے لے آنے پہ ہوتی ہی لڑائی
دریا کی ترائی میں مرا شیر گھرا ہی

کیوں بی بیو بچے مرے کیا ہو گئے بے آس
ای وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس
تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

عباس سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ
ثابت ہو امر نا مجھے رانڈ سالہ پنھاؤ
خود کہہ گئے تھے وہ کہ سلامت نہ پھریں گے
ماتم تھا ادھر گھر میں ادھر روتے تھے شبیر
دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں وہ بے آس
وہ فوج کا نرغہ وہ ہجوم الم و یاس
بڑھتے تھے کماندار تو رک جاتے تھے عباس
فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ
پیچھے سے پڑی تیغ ستم دوش پہ ناگاہ
اک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغ دو دم کے
گرنے لگا جس دم علم سبز والا
اک تیر لگا چشم پہ اور سینے پہ بھالا
خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
کچھ گرز گراں بار کا صدمہ نہیں تھوڑا
زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا
پانی جو بہا عید ہوئی فوج عدو میں
ناگاہ یہ آواز علی دشت سے آئی
چلائی یہ زینب کہ دہائی ہے دہائی
تشریف شہ ہر دو سرا لائے ہیں زینب

آجائے گا پھر غش نہ سکینہ کو رلاؤ
ڈیوڑھی سے چلو ماتمی صف گھر میں بچھاؤ
عباس بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے
واں چلتے تھے عباس علی پر تبر و تیر
ہمت سے امڈا ہوا تھا لشکر بے پیر
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی
ہمدرد نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس
ان سب سے سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
تیر آتا تھا جب مشک پہ جھک جاتے تھے عباس
شمشیر بکف بیچ میں ابن اسد اللہ
شاخ شجر باغ علی قطع ہوئی آہ
اک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے
عباس نے جھک کر اسے گردن سے سنبھالا
بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو شیر نے ڈالا
شق ہو گیا سر حضرت عباس علی کا
سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
پھر تیر نے مشکیزے کو اور سینہ کو توڑا
مچھلی سے تڑپنے لگے عباس لہو میں
شبیر خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی
حضرت نے کہا لٹ گئی بابا کی کمائی
عباس کے لاشہ پہ علی آئے ہیں زینب

جب کٹ گئے دریا پہ علمدار کے بازو
ریتی پہ گرے شاہ کے غمخوار کے بازو
رنگ اُڑ گیا تصویرِ الم ہو گئے شبیر

اکبر سے کہا کر دو گریباں مرا پارا
عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا
آفت میں پھنسی پانی کی محتاج سکینہ

فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہِ والا
تھا سینۂ اقدس میں کلیجہ تہ و بالا
آگے کبھی چلتے کبھی پھر پڑتے تھے شبیر

کہتے تھے اُٹھا کر یہ علی اکبرِ ذی جاہ
فرماتے تھے آنکھوں میں بصارت نہیں ای ماہ
اب کھینچیں گے تلوار جو رستا نہ ملے گا

حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے
اکبر نے کٹے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے
جھکنے جو لگے کانپ کے غش کر گئے شبیر

ہی ہی شہِ دیں کہہ کے جو رونے علی اکبر
گھبرا کے بھتیجے سے کہا ای مرے دلبر
اکبر نے کہا غم شہِ والا کو بڑے ہیں

سرکا کے قدم جلد یہ عباس پکارے
چھاتی ہیں ہی دم موت کے آثار ہیں سارے
بے دست ہیں اس وقت میں احساں کرو ہم پر

مطلع سوم

شانوں سے جدا ہو گئے جرار کے بازو
تھرانے لگے سیدِ ابرار کے بازو
ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہو گئے شبیر

ہم سوگ ہیں ہیں قتل ہوا شیر ہمارا
فرما کے یہ حضرت نے عمامے کو اُتارا
بس ہو گئی دنیا میں یتیم آج سکینہ

سنبھلے کبھی خود اور کبھی اکبر نے سنبھالا
چلاتے تھے ہی ہی مری آغوش کا پالا
گھبرا کے ہر اک لاش پہ گر پڑتے تھے شبیر

دریا کی ترائی تو ابھی دور ہی یا شاہ
عباسِ علی کھو گئے دنیا سے ہمیں آہ
اکبر ہمیں کیا بھائی کا لاشا نہ ملے گا

عباسِ علمدار جو سکتے نظر آئے
بھائی کو خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
تا بنت علی اکبر پہ ہوا مر گئے شبیر

صدمے سے تڑپنے لگے عباسِ دلاور
دکھلا دو کدھر ہیں مرے آقا مرے سرور
وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

پھیر و مرے لاشہ کو میں قربان تمہارے
قبلہ کی طرف چاہیئے منہ ای مرے پیارے
رکھ دو مرا سر قبلۂ عالم کے قدم پر

کیا میرے لیے روتے ہو بابا کو اُٹھاؤ
میں اُٹھ نہیں سکتا تمھیں مولا کو اُٹھاؤ
واجب ہے پسر مصحفِ ناطق کا ادب ہے
غش میں یہ سخن سُن کے پکارے شہِ ذی شان
اکبر نے کہا کب سے تڑپتے ہیں چچا جان
پھر ہو نہ سکا ضبط امامِ ازلی سے
چلائے بصد غم مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہے پُرنم مرے بھائی مرے بھائی
سینہ میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
خشکی یہ زباں کو جو نہیں بات کا یارا
پتلی بھی پھری جاتی ہے منہ زرد ہے سارا
کروٹ یہ نہیں بھائی سے منہ موڑ رہے ہو
یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہوئی طاری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری
چلا کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہ
یوں کہنے لگی دوڑ کے فضّہ جگر افگار
چلاّئی بہن ڈیوڑھی سے یا سیدِ ابرار
یا پھیر کے اس بیکس و بے آس کو لاؤ
گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھنے سرور
زلفیں تو ہیں بکھری ہوئیں ٹوپی نہیں سر پر
لوگو تمھیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہے

للہ زمیں سے شہِ والا کو اُٹھاؤ
قدموں کی طرف سے مرے آقا کو اُٹھاؤ
قرآں کی طرف پاؤں قیامت ہے غضب ہے
یہ کس کی صدا ہے میں ترے آواز کے قربان
ل لیجے کہ عباس کوئی دم کے ہیں مہمان
لپٹے شہِ دیں لاشۂ عباسِ علی سے
کیا دل کا ہے عالم مرے بھائی مرے بھائی
اُکھڑا ہے ترا دم مرے بھائی مرے بھائی
ہچکی تمھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی
کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم کو اشارا
معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمھارا
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو
عباسِ علمدار کراہے کئی باری
تن رہ گیا اور روح سوئے خلد سدھاری
نکلا تھا دم اُن کا کہ نکل آئی سکینہ
جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی خونخوار
تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہ جگر افگار
یا ڈیوڑھی تلک لاشۂ عباس کو لاؤ
دیکھا کہ چلی آتی ہے سر پیٹتی دختر
جو روکتا ہے کہتی ہے گھبرا کے وہ مضطر
بتلا دو مجھے بہرِ خدا نہر کدھر ہے

سقے کا مرے نام ہے عباسِ علمدار
کاندھے پہ تو مشکیزہ ہے اور ہاتھ میں تلوار
پھر آنے کی قسمیں مجھیں دینے کو چلی ہوں
لاشے پہ عبا ڈال کے شبیرؑ پکارے
گھبرا کے سکینہ نے کہا پیاس کے مارے
میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا رو کر
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلّائی وہ بے پر
اکبر نے کہا رو کے نہ مانے گی یہ مضطر
پانی کی تمنّا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
میّت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی
چلّائی سکینہ کہ دہائی ہے دہائی
تھرّانے لگا لاشۂ سقّائے سکینہ
خاموش انیسؔ اب یہ دعا کر کہ الٰہی
اب ہند میں کب تک یہ فقیری یہ تباہی
سرکارِ شہنشاہِ فلک جاہ کو دیکھوں

تصویر علی کی ہے سراپا وہ خوش اطوار
پیاسی ہوں مگر اب مجھے پانی نہیں درکار
میں اپنے چچا جان کے لینے کو چلی ہوں
کیوں گھر سے نکل آئیں میں قربان تمہارے
حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے
اب ڈھونڈھنے آئی ہو مرے بھائی کو کھو کر
دکھلا دو مجھے لاشۂ عباسِ دلاور
حضرت نے کہا لاشِ علمدار دکھا کر
منہ دیکھ لو یہ شبیر سے عباس پڑے ہیں
حضرت نے عبا بھائی کے چہرے سے اٹھائی
روتی ہیں علمدار نے بھی شکل چھپائی
لاشے سے صدا آنے لگی ہائے سکینہ
اب جلد سوئے روضۂ شبیر ہوں راہی
اس در کی گدائی ہے مرے واسطے شاہی
عباسِ علمدار کی درگاہ کو دیکھوں

رباعی

ہاں جوشِ غمِ سیّدِ عالی ہو جائے
یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں باہم

چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے
ہر شاخِ مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

مرثیہ (۷)

یارب جہاں میں بھائی سے بھائی جدا نہ ہو — دشمن بھی اس بلا میں کوئی مبتلا نہ ہو
بازو کے ٹوٹنے کی کسی پر جفا نہ ہو — مرجائے خود پہ یہ الم جاں گزا نہ ہو
تنہا ہے وہ غریب جو عالم شریک ہے — اس غم میں باپ کا بھی تو ماتم شریک ہے

جس سے نہ اپنی جان کو پیارا کرے بشر — کس طرح اس کا ہجر گوارا کرے بشر
کیا اس غضب کے درد کا چارا کرے بشر — بھائی کے بعد کس کا سہارا کرے بشر
تاب و تواں کہاں ہے بازو اگر نہ ہو — لیٹے جو قبر میں بھی تو سیدھی کمر نہ ہو

کوئی حسن کے داغ کو پوچھے حسین سے — دنیا میں ایک دم انھیں گزرا نہ چین سے
رہتا تھا حشر مادرِ قاسم کے بین سے — بہتے تھے اشک چشمِ شہ مشرقین سے
غم میں شریک محفلِ شادی نہ ہوتے تھے — آتے تھے جب سلام کو قاسم تو روتے تھے

تنہائی دشمنوں کی جفا ظالموں کے جور — جو بانیٔ فساد تھے اُن حاکموں کا دور
جینے کی کوئی شکل نہ راحت کا کوئی طور — کوئی بزرگ تھا نہ کوئی سرپرست اور
ماتم تھا اہلِ بیت میں پرسا تھا بین تھے — دو بہنیں رونے والیاں تھیں اک حسین تھے

جا کر حسن کی قبر پہ کرتے تھے یہ بیاں — مجھ کو بھی اپنے پاس بلا لیجیے بھائی جاں
اب شہر میں حسین کو ملتی نہیں اماں — زنداں وطن ہے میرے لیے یا شہِ زماں
دشمن خوشی ہوئے مرے بازو کو توڑ کے — جاؤں کدھر میں قبر کو نانا کی چھوڑ کے

برسوں حسن کے غم میں نہ سیدھی ہوئی کمر — راتیں تڑپ تڑپ کے ہوئیں آپ کو بسر
تنہا جو ہو اسی کو ہے اس داغ کی خبر — رونا ہے پیٹنا ہے تڑپنا ہے عمر بھر
یوں سب ہیں پر برادرِ غمخوار اور ہے — یہ الفتیں ہی اور ہیں یہ پیار اور ہے

عباس پل کے نامِ خدا جب ہوئے جواں
اللہ کیا تھی تربیتِ شاہِ انس و جاں
روشن ہوا جو نام علی کے چراغ کا

یہ جس طرح تھے شیفتہ شاہِ نامدار
بلبل ہیں اور گل ہیں کہاں اس طرح کا پیار
الفت اسی طرح تھی انھیں اپنے شاہ سے

اب دل میں اپنے بھائیوں والے کریں خیال
رخصت طلب ہو اسلحہ باندھے علی کا لال
فاقہ ہے تن میں زور نہیں دم میں دم نہیں

عباس عرض کرتے ہیں اے قبلۂ زماں
آنکھوں میں اس غلام کے تاریک ہے جہاں
کوشش ضرور چاہیے کارِ ثواب میں

فرمایا ہاں عطش کا مداوا ہی گر تو آب
صابر کو صبر چاہیے بھائی کہ اضطراب
کچھ ہو گا اضطراب سے نہ شور و شین سے

عباس رو کے بولے کہ ان سب کے میں نثار
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ ذی وقار
پہونچا دیے جائیں انھیں جنت کے قصر تک

اے زورِ طبع جوہرِ سیفِ دو دم دکھا
اے خامۂ رواں سرِ اعدا قلم دکھا
سب پر عیاں ہوں شیر کے حملے لڑائی میں

کچھ بازوئے شکستہ میں آنے لگی تواں
ان سے فضایلِ شہِ مرداں ہوئے عیاں
مرہم ملا حسین کو بھائی کے داغ کا

پروانہ یوں چراغ پہ ہوتا نہیں نثار
عزت تھی خادمی میں غلامی میں افتخار
جو عشق تھا علی کو رسالت پناہ سے

کیا ہو گا کربلا میں شہِ تشنہ لب کا حال
کیوں کر حسین بھائی کو دیں رخصتِ جدال
ان کا بھی داغ باپ کے ماتم سے کم نہیں

اصغر کی اور سکینہ کی اب ہے لبوں پہ جاں
یہ تین دن کی پیاس صغیروں کو الاماں
تازہ یہ باغ ہوئے گا اک مشکِ آب میں

پر مشک بھرنے دینگے نہیں خانماں خراب
ہرگز نہیں تمہاری جدائی کی مجھ کو تاب
مر جائیں سب پہ تم نہ جدا ہو حسین سے

للہ اذن دیجیے یا شاہِ نامدار
اچھا سدھارو خیر مرا کیا ہے اختیار
تم ظہر تک نہ ہو گے نہ ہم ہوں گے عصر تک

اے جوششِ فکر خونِ سپاہِ ستم دکھا
اے ذہن پھر تلاطمِ بحر الالم دکھا
پھر جنگِ نہروان نظر آئے لڑائی میں

کھل جائیں سب پہ تیغ کے جوہر اُسی طرح
بھاگیں لرز لرز کے دلاور اُسی طرح
ہر یکہ تاز موردِ قہرِ کریم ہو
سَن سے جو تیغِ تیز چلے تن سے سر گریں
زخمی اِدھر سے اُٹھ کے جو بھاگیں اُدھر گریں
غل ہو کہ عقل گم ہوئی اور اک اُڑ گئی
ڈر ہے جو تیغِ سختِ دلِ بوتراب کا
اس طرح قصر بیٹھ گیا ہر حباب کا
بے تاب نہر تھی کہ نکل جاؤں فوج سے
سہمی ہوئی تھی فوج اُدھر سب کنارے جو
ہتیار سج کے آئے ہیں حضرت کے روبرو
صدمے سے سننے والوں کے دل ٹکڑے ہوتے تھے
خیمے میں پہونچی رخصتِ عباس کی خبر
فضہ سے بولی زوجۂ عباسِ نامور
اچھا سدھارتے ہیں تو خیمہ میں آکے جائیں
فضہ سے رو کے کہنے لگی خواہرِ امام
سنتی ہوں میں کہ جاتے ہو سوئے سپاہِ شام
کس کو خبر ہے نہر پہ جا کر کب آؤ گے
عباس آئے خیمہ کے اندر جھکائے سر
سر کو لگا کے چھاتی سے بولی وہ نوحہ گر
جاتا ہے یوں کسی سے کوئی آنکھ موڑ کے

بجلی گرے صفوں پہ چمک کر اُسی طرح
ہر ضرب میں تنوں سے اُڑیں سر اُسی طرح
جو پہلوان ہو صورتِ مرحب دو نیم ہو
یوں سر گریں کہ جیسے شجر سے ثمر گریں
بے ہوش و بے حواس گریں بے خبر گریں
جس جا صفیں جمی تھیں وہاں خاک اُڑ گئی
ساحل سے قافلہ ہے رواں موجِ آب کا
گھر ڈوبے جس طرح کسی خانہ خراب کا
پر سر پٹک کے رہ گئی زنجیرِ موج سے
اور اس طرف جنابِ علمدار نیک خو
ہوتی تھی بھائیوں میں عجب غم کی گفتگو
عباس بھی حسین بھی اکبر بھی روتے تھے
سب بی بیاں حرم میں دوڑیں برہنہ سر
کیا گھر میں وہ نہ آئیں گے باندھے ہوئے کمر
فرزند روتے ہیں انھیں صورت دکھا کے جائیں
میری طرف سے دے یہ علمدار کو پیام
کیونکر جئیں گے ہجر میں شبیرِ تشنہ کام
بیکس بہن سے کیا نہ گلے مل کے جاؤ گے
تسلیم کر کے جھک گئے زینب کے پاؤں پر
عباس تم نہ ہو گے تو لٹ جائے گا یہ گھر
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

کی عرض کیا کروں جو نہ سر کو کروں نثار
آکر پدر سے مانگتے ہیں اذنِ کارزار
حق رکھے شہ کے سائے میں اُس نونہال کو
دامن پکڑ کے زوجۂ عباس نے کہا
دو لال آپ کے ہیں اور اک میں شکستہ پا
عزت اب اس کنیز کی صاحب کے ہاتھ ہے
کہنے لگے یہ رو کے علمدارِ نامدار
ہمراہ ہوں گے قید میں سجادِ دل فگار
لازم ہے صبر و شکر تمھیں باتمیز ہو
مشکیزہ لیکے آئی سکینہ چچا کے پاس
کہنے لگی لپٹ کے وہ بچی بدرد و یاس
تم کو دعائیں دونگی اگر جلد آؤ گے
مشکِ سکینہ لیکے برآمد ہوئے جناب
گھوڑے پہ جلوہ گر جو ہوئے مثلِ بوتراب
غل تھا یہ سانپ ہے کہ دلہن کا بناؤ ہے
وہ خود سر پہ جس کی چمک مثلِ برقِ طور
بر میں زرہ کہ چھنکے نکلتا تھا جس سے نور
ہر جوہر اس کا حور کے چہرے کا خال تھا
وہ تیغ ذوالفقار سے کلتی ہمسری جسے
رکھے بغل میں۔ ہاتھ لگے وہ پری جسے
اُلٹیں صفیں وغا میں جو وہ شعلہ خو بڑھی

اِک بھائی سے کیا مجھے قسمت نے شرمسار
کیں ہیں نے منتیں تو رُکا بھی وہ گلعذار
جیتا ہیں زخمی دیکھ کے اکبر سے لال کو
ای ابنِ مرتضےٰ یہ کنیز آپ کی فدا
پہونچا دو مجھ کو تا بہ نجف بہرِ مصطفا
لازم ہے مجھ پہ رحم کہ بچوں کا ساتھ ہے
رانڈوں کا اور یتیموں کا حامی ہے کردگار
مالک ہیں سب کی زینبِ غمگین و سوگوار
میں شاہ کا غلام تم اُن کی کنیز ہو
روئے گلے لگا کے علمدارِ حق شناس
للہ عمو جان بجھا دو ہماری پیاس
آنے میں دیر کی تو مجھے پھر نہ پاؤ گے
طالع ہوا سپہرِ شرافت کا آفتاب
برچھوں اُڑا سمٹ کے سمندِ صبا شتاب
بجلی ہے یا براق کی یہ آو جاؤ ہے
پھیلی تھی دشت کیں میں ضیا رخ کی دور دور
وہ ڈھال حرزِ جاں جسے کہتے ہیں ذی شعور
اُس شب میں چاند بدر تھے اور اک ہلال تھا
منظور فوج کفر کی تھی ابتری جسے
عباسِ نامور سا ملا جوہری جسے
دریا دلوں کا ساتھ دیا آبرو بڑھی

اُس دوش پر مقام زہے رُتبۂ کماں
ترکش تھا وہ کہ مرگِ مفاجات کا مکاں
نیزہ کہ سینہ جس سے چرائے تھا آسماں
در آئے کوہ میں وہ چمکتی ہوئی سناں
غالب تھا اُس کا خوف سپاہِ کثیر پر
ایک ایک گرہ کسے تھی کمر دار و گیر پر

مدحِ علم میں طبع کو تشویش ہے کمال
ہر سمت دَوڑ دَوڑ کے تھک تھک گیا خیال
بے مثل جو ہو پھر اُسے کس شے سے دوں مثال
طوبیٰ اُسے کہوں تو وہ ہو جائے خود نہال
جھک جائے آسماں وہ بزرگی نشاں میں ہے
یہ راستی نہ سرو میں نہ کہکشاں میں ہے

کیونکر نہ جھکے چشمِ جہاں بیں کو آفتاب
پنجے سے اُس کے آنکھ ملانے کی کس کو تاب
دامن خدائے پاک کی رحمت کا ہے سحاب
جس کے کرم سے ایک زمانہ ہے فیضیاب
سرسبز اُس نے کر دیا دنیا کی کشت کو
اب تک اُسی ہوا کی ہوس ہے بہشت کو

پنجہ یہ ابتدا سے رہا نورِ سرمدی
پنجے تھے جس کے قبلۂ عالم کے مقتدی
پرچم سیاہ اور پھریرا زبرجدی
نصرت پناہ زینتِ فوجِ محمدی
کافر رہے نہ لشکرِ اسلام رہ گیا
دنیا میں اس نشان کا فقط نام رہ گیا

پہونچا جو اس شکوہ سے ان میں وہ ذی حشم
دلدل کی طرح اُڑ کے تھما اسپِ خوش قدم
نعرہ جو کر کے کھول دیا دامنِ علم
اللہ رے رعب ہٹنے لگا لشکرِ ستم
اِک شور تھا کہ مشک بھی ہمراہ لائے ہیں
بھاگو علی جہاد کو میداں میں آئے ہیں

پسپا ہوئے وہ ڈر کے سرآمد تھے جو جواں
ترکش سے تیرِ ظلم گرے دوش سے کماں
گر گر پڑے فرات میں گھاٹوں کے پاسباں
کانپی زمین یوں کہ سلامی ہوئے نشاں
دہشت یہ تھی کہ شیر صفوں پر نہ آ پڑے
گھوڑے بھڑک کے دوسرے گھوڑوں پہ جا پڑے

اللہ ری بے حواسیِ فوجِ جفا پسند
دہشت سے رستموں کے لرزتے تھے بند بند
بڑھ کر پکارے حضرتِ عباسِ ارجمند
جم کر لڑو کہ نام شجاعوں میں ہو بلند
مرتے ہیں مارے پیاس کے وہاں بے گناہ دو
لڑتے نہیں تو نہر پہ جانے کی راہ دو

یہ سُن کے ابنِ سعد لعیں نے پرے جمائے
اک شور تھا کہ اب یہ ہشتی نہ بڑھنے پائے
موت آئی اس کے سر پہ جو آفت نصیب تھا
تیغیں کھنچیں اُدھر بھی نیاموں سے مثلِ برق
وہ گرز اُٹھے کہ جن سے نہ بچتا تھا خود و فرق
حلقے کماں کشوں کے جنوب و شمال تھے

آوازِ کوسِ حرب ہوئی ہر طرف بلند
شورِ دہل سے اور تزلزل ہوا دو چند
چھوٹے گھر اژدروں سے ترائی ہزبر سے
پڑھ کر رجز کو تیغ علم کی جناب نے
جلوہ کیا جو دشت میں اس برق تاب نے
بجلی کی برق و شرق بھی نظروں سے گر گئی

چمکائی برق شام کے بادل میں شیر نے
طبقہ ہلایا گونج کے جنگل میں شیر نے
جرأت نثار ہوتی تھی اس دستِ پاک پر
اک وار روک لے یہ کسی کا جگر نہ تھا
آفت تھی امن میں کوئی بیداد گر نہ تھا
بڑھنا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لئے

اللہ رے اُن پروں سے لڑائی دلیر کی
پھرتی تھی چار سمت کلائی دلیر کی
نعرہ تھا لڑ تو لیں وہ جو منکر ہیں دین کے
دستے ستم کے گھاٹ پہ دریا کے اور آئے
تلوار رکھ کے کاندھے پہ عباس مسکرائے
چھیڑا تو رخش اُڑ کے صفوں کے قریب تھا

گرچہ وہ یل کہ لوہے کے دریا میں تھے جو غرق
در آئے دل میں جیسے وہ سنانوں کی برق و شرق
اک آفتاب تھا تو ہزاروں ہلال تھے
تیغیں کھنچیں کہ ہو گئی دریا کی راہ بند
صف میں کنوتیوں کو بدلنے لگے سمند
جنگل سیاہ ہو گیا ڈھالوں کے ابر سے

لی رُخ پہ تھرتھرا کے سپر آفتاب نے
گھیرا منافقوں کو خدا کے عتاب نے
تلوار موت بن کے نگاہوں میں پھر گئی
سر اُڑ گئے گزر گیا جس دل میں شیر نے
اُلٹا پروں کو حملۂ اول میں شیر نے
تلوار تھی کہ بجلیاں گرتی تھیں خاک پر

جب تیغِ تیز خود تک آ پہونچی سر نہ تھا
ڈر کر ادھر کی صف سے جو بھاگا اُدھر نہ تھا
لاتی تھی موت گھیر کے جو رنگ کے لیئے
مجمع میں ہر طرف تھی رسائی دلیر کی
غل تھا سپاہ میں کہ دُہائی دلیر کی
خود ہاتھ روک لو نگاہیں دریا کو چھین کے

لازم ہے تم بھی جان لڑاو و لڑائی میں
اس معرکے کا شور رہے گا خدائی میں
آباد ہو یہ دشت محلّے اُجاڑ ہوں
چمکی جو برقِ تیغ کماندار ڈر گئے
سر سے تو ہوش اُڑ گئے تیروں سے پر گئے
وہ سرکشی نہ تھی وہ سرافرازیاں نہ تھیں
شب دیز کو اُڑا کے گئی جس سوار پر
سر سے وہ تیغِ تیز گئی راہوار پر
قبضے سے راستی نہ گئی کج ادائی میں
آئی جدھر تنوں سے سروں کو جدا کیا
شانوں کو گردنوں کو سروں کو جدا کیا
لاکھوں سے اس طرح کوئی تنہا لڑا نہیں
گرتی تھی صاعقہ کی طرح شعلہ بار تیغ
چلتی تھی ہر طرف صفتِ ذوالفقار تیغ
دونوں کی آبرو ہے جو ساتھ اس طرح کا ہو
دیکھا نہیں کبھی کسی دریا کا ایسا توڑ
کہتی تھی موت ہاں تنِ اعدا میں دم نہ چھوڑ
بڑھ کر لہو فرات کے ساحل سے جا ملے
دریا کے پاسبانوں سے نکلا جو کوئی یل
چہرے کی چوٹ کھا کے گرا وہ جو منہ کے بل
اس تیغِ بے دریغ میں بجلی کا طور ہے

ملتا ہے مجھ کو لطف صفوں کی صفائی میں
یہ لے کمر کمر تو لہو اس ترائی میں
انبار ہوں تنوں کے سروں کے پہاڑ ہوں
کانپے جو سن کے چڑھے ہوئے چلّے اُتر گئے
ثابت نہ تھا کٹے ہوئے ترکش کدھر گئے
جانبازیاں نہ تھیں قدر اندازیاں نہ تھیں
شبیر آپڑا سمٹ کے یکایک شکار پر
نکلی تو خوں کی چھینٹ نہ تھی اُس کی دھار پر
دیکھی نہیں کبھی یہ صفائی لڑائی میں
ایک ایک نخل سے ثمروں کو جدا کیا
کاٹیں صفیں پروں سے پروں کو جدا کیا
فوجوں میں تفرقہ کبھی ایسا پڑا نہیں
خوں پی کے بھی نہ لیتی تھی دم بھر قرار تیغ
کیا دستِ حق پرست تھا کیا آبدار تیغ
تلوار اس طرح کی تو ہاتھ اس طرح کا ہو
نیزوں کے بند کاٹ دیئے تھے تنوں کے جوڑ
خوں پی کے جان لے کے فنا کر کے منہ کو موڑ
روکا تھا گھاٹ کیوں انھیں کچھ تو سزا ملے
دہنے سے تیغ بائیں طرف سے بڑھی اجل
عباسِ نامدار پکارے سنبھل سنبھل
ظالم وہ گھاٹ اور تھا یہ گھاٹ اور ہے

جس پہلواں پہ شاہ کے اقبال سے چلی
جوشن کئے ٹکڑے کرکے نئی چال سے چلی
پہونچا اُڑا کے سوئے زرہ ڈھال سے چلی
لو ماہیِ محیطِ ظفر جال سے چلی
راکب فرس سے منہ کے بل آیا زمین پر
ٹکڑے زرہ کے رہ گئے گھوڑے کی زین پر

چار آئینے تڑے ہوئے تھے خاک پر کہیں
مغفر کہیں تھے ٹھوکریں کھاتے تھے سر کہیں
تیغیں بہادروں کی کہیں تھیں سپر کہیں
ترکش کہیں کمانیں کہیں تھیں تبر کہیں
قبضہ تھا ناکسوں کا تو بے آب و تاب تھے
اُس وقت تھے جو صاحبِ حرب خراب تھے

تھا اپنے کارزار پہ جن جن کو اعتماد
جنگل میں بھاگے جاتے تھے وہ مثلِ گرد بار
ڈالا تھا آبِ تیغ نے ہر جسم میں فساد
موقوف تھا عناصرِ اربع کا اتحاد
ہل چل غضب تھی تیغِ بہادر کی تاب سے
آتش ہوا سے بھاگتی تھی خاک آب سے

گم تھے قرار و صبر و ثبات حواس و ہوش
اُٹھتا تھا الاماں کا ہر سمت سے خروش
چھپتے تھے خوفِ جاں سے جوانانِ درع پوش
اپنے سروں کو آپ سمجھتے تھے بارِ دوش
رنگت پریدہ موت کی تلخی زبان پر
بھاری تھی جان جسم پہ اور جسم جان پر

تنہا ادھر تھے آپ اُدھر اژدحام تھا
وہ بے نشاں تھا جس کا شجاعوں میں نام تھا
تلوار تھی کہ برطرفی کا پیام تھا
چہرے کٹے تھے جائزۂ فوجِ شام تھا
ڈر فرد فرد کو تھا عذابِ شدید کا
دفتر اُلٹ گیا تھا سپاہِ یزید کا

اللہ رے رعب و صولت و شوکت دلیر کی
گنتی محال ہو گئی لاشوں کے ڈھیر کی
سب شان تھی نبرد میں خالق کے شیر کی
خود پہونچے گر حریف نے بڑھنے میں دیر کی
گھوڑا اُڑا کے جاتے تھے یوں ہر سوار پر
جنگل میں باز گرتا ہے جیسے شکار پر

اللہ ری تیغ صاعقہ کردار کی چمک
ذرّے سے کم تھی مہرِ ضیا بار کی چمک
سینوں کے پار ہوتی تھی تلوار کی چمک
بڑھ بڑھ کے کاٹتی تھی گلے دھار کی چمک
جوہر تو جان لیکے بھی منہ موڑتے نہ تھے
پشتے وہ تھے کہ تن میں لہو چھوڑتے نہ تھے

ڈالی تھی اُس جری نے عجب جنگ کی طرح
لوہے کو کھائے جاتی تھی وہ زنگ کی طرح
کیا صاف تھا وہ ہاتھ صفوں کی صفائی میں
جب ہاتھ اُٹھا تو گنبدِ گردوں پہ ضو گئی
بجلی سی سوئے لشکرِ حق ناشنو گئی
دریا پہ آئی دشت کو لاشوں سے پاٹ کے

زرہوں کو موج جانتی تھی خود کو حباب
ہر دم عدم کی راہ دکھاتی تھی اُس کی تاب
کچھ بڑھ گیا تھا کاٹ جو دریا کے کاٹ سے
وہ تیغ کی تڑپ وہ تگ و دو سمند کی
ترکیب کچھ جدا تھی ہر اک جوڑ بند کی
پریوں کی جان جاتی تھی بال اُس کی دیکھ کر

دونوں کنوتیاں ہیں کہ پیکانِ تیر ہیں
آنکھوں پہ کھبیے جو نظر بے نظیر ہیں
سرعت میں اُس سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
چیتے کی جست شیر کی چتون ہرن کی آنکھ
پڑتی تھی یوں حریف پہ اُس صف شکن کی آنکھ
راکب شجاع تھا تو فرس بھی دلیر تھا

بجلی صفوں میں کوند رہی تھی دمِ جدل
وہ تھوتھنی وہ آنکھ وہ سم وہ کمر کفل
عالم تھا تن کی بو میں گلوں کی شمیم کا

اعدا وہ نیم ہو گئے چو رنگ کی طرح
منہ پر ٹھہر سکا نہ کوئی رنگ کی طرح
روحیں تنوں کو چھوڑ گئیں اُس لڑائی میں
پستی سے اوج پر صفتِ ماہِ نو گئی
دیکھی جو کشتِ کفر تو بہرِ درو گئی
تودے لگائے ظلم کی کھیتی کو کاٹ کے

بے مثل، بے عدیل، بلا نوش، لاجواب
سم کی طرح کلیجے کو جو چھاندے وہ آب
دھار اپنا مانگتا تھا اُس کے گھاٹ سے
جست ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
پنہاں ہوا سوار جو گردن بلند کی
طاؤس سر جھکاتے تھے چال اُس کی دیکھ کر

چاروں سم اُس کے غیرتِ بدرِ منیر ہیں
یال ایسے جس کے پیچ میں یال اسیر ہیں
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو
شرمائے جس سے آہوئے چین ختن کی آنکھ
لڑتی ہو جیسے جنگ میں شمشیر زن کی آنکھ
گھوڑا پروں میں تھا کہ غزالوں میں شیر تھا

ہل چل میں ہر پرے پہ پرا تھا تو دل پہ دل
دیکھا نہ آج تک کہ مڑے اس طرح سے کل
موڑا جدھر نکل گیا جھونکا نسیم کا

چمکار کر یہ کہتے تھے عباس نیک خو
پامال فوج ہو چکی اب چل کنار جو
ماتم بپا ہے گھر میں شہ مشرقین کے
فرما کے یہ ترائی میں مانند شیر آئے
ہاں صفدرو ادھر یہ بہشتی نہ آنے پائے
فرمایا روکنا ہمیں کیا؟ بے شعور ہو

مشکیزہ ساتھ ہے یہ نہ ہوگا کہ ہم نہ آئیں
عالم کے ہوں شجاع تو ہم پر ظفر نہ پائیں
آہن تش پہ ڈال دیں جو قدم لالہ زار ہو
دریا نہ ہو کہ روک لیا باندھ کر پرے
پانی کے واسطے تو ہیں ہاتھوں پہ سر دھرے
ڈھالوں پہ برق تیغ دو دم کو تو روک لو

اک خوں گرفتہ سن کے یہ نکلا پئے جدال
چہرے کا اور سپر کا سیاہی میں ایک حال
نام علی کسی نے لیا جب تو جل گیا
مغفر تنور تھا تو زرہ موج رود نیل
حملے میں تھا جو دیو تو ٹکر میں مست فیل
فوجیں ہوں گر تو منہ کو پھرائے نہ حرب سے

تیغے کا وہ چڑھا ہوا پٹھا کہ الاماں
پر خاش خو مہیب نظر اژدر دماں
افزوں تھا کید و مکر میں ابن زیاد سے

حق وفا جو ہے وہ ادا کر چکا ہے تو
بس اب فقط ہے مشک کے بھرنے کی آرزو
پانی بغیر مرتے ہیں بچے حسین کے
چلائے سب وہ گھاٹ پہ جو تھے پرے جمائے
کاندھے پہ رکھ کے تیغ کو عباس مسکرائے
پیاری اگر ہے جان تو دریا سے دور ہو

چاہیں ابھی تو خوں کی تہیں ندیاں بہائیں
یہ نہر کیا ہے آگ کے دریا کو پیر جائیں
بیڑا ہمارا نوح کے طوفاں سے پار ہو
شیروں کے شیر بھی کہیں رکتے ہیں بے مرے
ہم اور ہٹائیں پاؤں کو بے مشک کے بھرے
جس طرح گھاٹ روکا تھا ہم کو تو روک لو

تندر صدا مہیب ادا اہرمن خصال
(آواز رعد — دیو و شیطان)
بدخواہ خاندان محمد عدوئے آل
نکلا نہ دل سے بغض نہ ابرو سے بل گیا
عمر ابن عبدود سے بھی قامت میں کچھ طویل
بے مثل بغض و کیں میں عداوت میں بے عدیل
دل کیا پہاڑ کانپتے تھے اس کی ضرب سے

بالائے وش نحس کبھی ٹانک کی کماں
بدعت کا در فریب کا گھر مفسد زماں
رگ رگ بھری ہوئی تھی عناد و فساد سے

بولے یہ اُس سے حضرتِ عباسِ نیک خو
اُن کو بھی ہاں بلا جو کھڑے ہیں کنارِ جو
آتا ہے بے دھڑک کوئی یوں منہ پھیر کے
اچھا ہوس ہو جو ترے دل میں اُسے نکال
ہم منتظر کھڑے ہیں کہیں ختم ہو جدال
تجھ کو ہے خوفِ جاں ہمیں مرنے کی عید ہے

تجھ سا جوان اور نہ کرے کچھ خدا کا ڈر
کانٹوں کا ساتھ گل سے خلش زہنما سے شر
کافر کریں گے طعنہ زنی اس لعین پر
کیا وعدۂ یزیدِ جفا جو کا اعتبار
بھولے ہو اس کو جو ہے محمد کا یادگار
کچھ فرق نیک و بد میں کرو گر تمیز ہے

معصوم جاں بلب ہیں کئی قحطِ آب سے
دل میں غبار ہے خلفِ بوتراب سے
گرمی سے اختلال جو ہوگا حواس میں
یہ ذکر سن کے رونے لگے اور اہلِ شر
میزانِ عقل میں جو سبک تھا وہ خیرہ سر
بڑھتے جو دیکھا بے ادبانہ دلیر کو

قبضے میں تھی کھنچی ہوئی شمشیرِ خوں چکاں
برقِ غضب تھی ضربِ علمدارِ نوجواں
پہلے ہی وار میں خطِ نصرت رقم ہوا

اس گھاٹ پر بڑھا ہے ہمیں روکنے کو تو
دریا جو چھن گیا تو رہے گی نہ آبرو
ثابت ہوا اجل تجھے لائی ہے گھیر کے
ہاں آزمودہ تر ہو جو حربہ اُسے سنبھال
تیغ و سپر اُٹھا کے دکھا اپنی چال ڈھال
یہ انتظارِ موت سے بھی کچھ شدید ہے

کستا ہے کوئی قتل پہ سادات کے کمر
دریا میں نخلِ خارہ ہے اس نخل کا ثمر
لعنت تمھاری عقل پہ تف ایسے دین پر
کاذب قمار باز منافق شراب خوار
سیّد ستم رسیدہ مسافر عیال وار
ایسے بزرگ سے تمھیں پانی عزیز ہے

کیوں ظالمو بھٹکتے ہو راہِ ثواب سے
کوثر پہ کیا کہو گے رسالت مآب سے
مانگو گے کس سے آب قیامت کی پیاس میں
پر اُس شقی کے دل میں نہ مطلق ہوا اثر
گھوڑا بڑھایا نیزۂ خطّی کو تول کر
آیا جلال شیرِ الٰہی کے شیر کو

کوندی کہ الحفیظ بڑھی وہ کہ الاماں
سُن ہو گیا جو سن سے چلی تیغِ جاں ستاں
مثلِ خیار بیچ سے نیزہ قلم ہوا

خود سر نے ڈانڈ پھینک کے قبضے میں لی کماں
نعرہ کیا زہے ہنر اے اژدرِ دماں
چلّے بھی نادرست تھے ترکش بھی دور تھا
کٹ کٹ گیا چلّے جو یہ تیغِ زباں کے وار
گرز و سنان و تیر ہیں کیا او جفا شعار
تیروں کا مینہ برس گیا تیغوں کی برق دیکھ

یہ سن کے غیظ آگیا اس بد مآل کو
کاندھے سے ہاتھ میں لیا لوہے کی ڈھال کو
غصّے میں لب پہ بے ادبانہ کلام تھے
شرمندہ جس سے قیر وہ چہرہ سیاہ رنگ
ماتھا بھی تنگ ہاتھ بھی کوتاہ دل بھی تنگ
کس معرکہ میں روم و عرب کے لڑا نہ تھا

عباسِ نامور نے بھی جولاں کیا فرس
وہ تھوتھنی وہ آنکھ وہ سینہ وہ پیش و پس
جم کر اڑا تو نعلوں کی ضو تا فلک گئی
مغفر کٹی کبھی کبھی بکتر کبھی سپر
سینے پہ آئی وہ تو یہ پہنچی قریب سر
سر سے بلند ہو کے جو تیغیں چمکتی تھیں

دستانے سے کبھی جوشن سے جا ملی
جھجکا تو نوک بازوئے دشمن سے جا ملی
وہ خود پر تو یہ سپر آہنیں میں تھی

گوشوں کو تڑھ کے کاٹ گئی تیغ بے اماں
سب ہال کے سرگوشوں میں ہے تو صفدرِ زماں
تیری نہیں خطا یہ کماں کا قصور تھا
گو تجھ مثالِ شیر علمدارِ ذی وقار
آجا قریب کھینچ کے شمشیرِ آبدار
کٹتا ہے کس کا سر حق و باطل کا فرق دیکھ

دابا شفق نے اشہبِ صرصر مثال کو
چمکائی تیغ گھور کے حیدر کے لال کو
آنکھیں تھیں یا بھرے ہوئے خوں کے جام تھے
رسوائے ننگبار سوادِ حبش کا رنگ
قتال بدمزاج سلحشور خانہ جنگ
پر ایسے شیر سے کبھی پالا پڑا نہ تھا

گردِ قدم کی جس کے ہوا کو رہی ہوس
تھا تازیانہ جس کے لیے رشتۂ نفس
باگیں فرس جو ہل گئیں بجلی حجاب گئی
چمکی یہ برق ادھر تو وہ بجلی گری ادھر
شانے سے وہ پھری یہ چلی جانبِ کمر
انساں تو کیا فرشتوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

سر کی سپر جہاں سے وہیں سینے سے جا ملی
پہلو سے وہ گئی تو یہ گردن سے جا ملی
اس دن غضب کی رد و بدل کفر و دیں میں تھی

اس کا فرس اُدھر تھا تو اُس کا سمند اُدھر
یہ ارجمند اُدھر تھا تو وہ خود پسند اُدھر
گو وہ سیاہ رو بھی قوی ہے دلیر ہے

گرمی میں ہانپنے جو لگا وہ سیہ دروں
محتاجِ آب ہم ہیں نہ چرخِ واژگوں
شبیر اب تجھے شکستِ سر و دست دیتے ہیں

تیری جو کلیات تھی وہ ہو چکی تمام
اس ڈیل ڈول پر نہیں کچھ پاسِ ننگ و نام
کس بزدلی کا تجھ میں ستمگار میل تھا

چالیس وار ہم نے کیے ایک دم میں رد
پر مار ڈالنے میں ترے کی نہ جد و کد
لے اب بھی بھاگ جا مرے کہنے کو مان لے

دانتوں کو پیس کر یہ پکارا وہ پر غرور
فرمایا عقل سے یہ تعلی تری ہے دور
وہ میری حرب تھی یہ علی کی نبرد ہے

اسپِ سر و جسد سے خبردار ہوشیار
دابا ذرا تو مل گیا گھوڑے سے راہوار
سر اُڑ گیا سپر سے ہزار اُس نے آڑ کی

کب سر اُڑا شقی کو نہ مطلق ہوئی خبر
قربانِ ضربِ دستِ علمدارِ نامور
ہاتف نے دی صدا کہ اسے جنگ کہتے ہیں

گھوڑوں میں اس طرف تھے طرارے نے غند اُدھر
لیکن اُدھر تو امن و اماں تھی گزند اُدھر
پھر بھی تو کلب ہے اور شیر شبیر ہے

فرمایا دیکھ ہے تری گردن پہ تیرا خوں
تو نے نکال دی ہے زباں او سگِ زبوں
دو ہاتھ میں ترائی کو ہم چھین لیتے ہیں

جز و ضعیف ہیں ہمیں بس اب دیکھ میرا کام
تجھ کو تو عمر جانتے تھے ساکنانِ شام
یہ تیری ضربتیں تھیں کہ لڑکوں کا کھیل تھا

آگاہ اس سے دونوں طرف کے ہیں نیک و بد
سر پر اجل اب آگئی او بانیِ حسد
یا لیلے دم تو پھر ملک الموت جان لے

روکوں گا میں بھی وار کریں پاس سے حضور
لے آئے ہم وغا میں نہ اب کیجیو قصور
روک اب ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہے

چلتا ہے اب کے دستِ علی ولی کا وار
بجلی گری کہ سن سے چلی تیغِ آبدار
کٹ کر گری زمیں پہ چوٹی پہاڑ کی

پھر وار اک کیا کہ دو پارہ ہوئی کمر
راکب کے پاؤں کاٹ دیئے اور فرس کا سر
ضرب اس کو کہتے ہیں اسے چورنگ کہتے ہیں

کاندھے پہ تیغ رکھ کے پکارا وہ رشکِ ماہ
دب دب کے گھاٹ چھوڑ گئی شام کی سپاہ
کی آہ خیمۂ شہِ والا کو دیکھ کر
جس جا ہے قبر یاں سے اُس جا پہ کی نظر
آواز مرتضےٰ کی یہ آئی کہ ای پسر
روتی ہیں سر ملکتی ہیں فریاد کرتی ہیں
ام البنین سا کوئی ہوگا نہ نیک نام
سقائے اہلِ بیت ہے تو ای فلک مقام
مرنے کے بعد اور بڑھے گا حشم ترا
یہ تشنگی یہ جنگ یہ حملے یہ کارزار
یہ آج کی وغا ہے زمانے میں یادگار
ناصر وہ ہے امام کے جو رد برو لڑا
دُنیا میں آج سے ہے بہشتی ترا لقب
پانی ملا نہیں علی اصغر کو ہے غضب
پیاسوں کا تشنگی سے کلیجہ کباب ہے
غازی نے عرض کی کہ دُعا ہیں کریں جناب
مطلب یہ خاکسار کا ہے یا ابو تراب
جا پہونچے مشک گھر میں سلامت تو عید ہو
یہ کہہ کے نہر میں گئے عباسِ عرش جاہ
دیکھی جو شوکتِ اسد اللہِ دیں پناہ
غل مچھلیوں میں تھا اسدِ حق کے جائے ہیں

کیوں اور بھی ہے کوئی جو روکے ہماری راہ
پہنچا کچھار میں پسرِ ضیغمِ الٰہ
آنسو بھر آئے آنکھوں میں دریا کو دیکھ کر
فرمایا دیے گئے ہیں یہیں کی علی خبر
تعریف کر رہے ہیں تری سیدالبشر
زہرا دعائیں دیکے تجھے یاد کرتی ہیں
فرزند جس کے چار ہوئے فدیۂ امام
شبیر کی طرح تجھے رویئنگے خاص و عام
پہلو میں ہر ضریح کے ہوگا علم ترا
ای باوفا پسر ترے ہاتھوں کے میں نثار
تلوار تھی کہ برق چمکتی تھی باربار
میں غزوۂ احد میں لڑا آج تو لڑا
اب مشک بھر حسین کے بچے ہیں تشنہ لب
جو بچوں والیاں ہیں تری منتظر ہیں سب
کوشش کر ای پسر کہ یہ کارِ ثواب ہے
رکے نہ کوئی راہ جو مشکوں میں بھرکے آب
اصغر میں جان آئے سکینہ ہو کامیاب
پانی پلا کے بچوں کو خادم شہید ہو
شور اک دو دو کا ہوا ماہی سے تا بہ ماہ
میں گرد پھرلوں پہلے یہ گرداب کی تھی چاہ
مجرا کرو کہ ماہِ بنی ہاشم آئے ہیں

وہ مشک دوش پر وہ لچکتا ہوا علم
غل تھا کہ آج کوثر و طوبیٰ ہوئے بہم
ٹپکا عرق جبیں سے تو پانی گلاب تھا

اک سطح نور ہو گیا دریا کا آب سب
کرنے لگے زیارتِ روئے جناب سب
ابھری صدف کہ گوہرِ فیضِ عموم لوں
نکلا جو مشک بھر کے وہ بچوں کا خیر خواہ
ہاتھوں پہ مشک رکھ کے دعا کی کہ یا الٰہ
تن کا لہو بہے تو بہے آب بہ نہ جائے

آئی ندائے غیب کہ اے حامیِ رسول
بچّوں کا آج اور ترا ہنا کرو قبول
سیراب ہوں گے سب جو علی کے غلام ہیں
ہم سا رحیم کون ہے دنیا میں دوسرا
جو مصلحت ہے اس کو کوئی جانتا ہے کیا
منظور ہے محبّوں کا درجہ رفیع ہو

اے بازوئے حسین وا ابوالفضل باوفا
کوثر کیا ہے ہم نے ترے باپ کو عطا
ضایع ہو آب اگر تو عوض ہم سے لیجیو
روزِ الست ہو چکی ہے اس کی گفتگو
اقرار کر چکے ہیں حسینِ خجستہ خو
بخشش کا اب حسین پہ دار و مدار ہے

اک برق نور گرتی تھی موجوں پہ دمبدم
وہ عکس روئے پاک کا وہ شوکت و حشم
باہر تو آپ تھے تہہِ آب آفتاب تھا

موجیں ٹھہر کے بھول گئیں اضطراب سب
قدموں سے آنکھیں ملنے کو دوڑے حباب سب
پانی کو تھی ہوس کہ لبِ پاک چوم لوں
آئی نظر گھٹا کی طرح شام کی سپاہ
زخمی ہوں میں پہ یہ مری محنت نہ ہو تباہ
سقّا بنا ہوں جس کا وہ محروم رہ نہ جائے

کوثر پہ ہوگا تیری دعا کا ثمر حصول
عرصہ نہ کچھ ہے اجر میں نہ کچھ جزا میں طول
کل تو ہے اور چشمۂ کوثر کے جام ہیں
بچوں پہ ہم شفیق ہیں ماں باپ سے سوا
ظالم یہ سب ہیں امتِ مرحوم سے جدا
ہم بخشیں اور حسین سبھوں کا شفیع ہو

سقائے اہلِ بیتِ نبی ہے لقب ترا
یہ مشک کیا فرات کا پانی ہے گر تو کیا
مشکوں کو بھر کے خلد میں پیاسوں کو دیجیو
حیدر کے فاطمہؓ کے محمدؐ کے روبرو
طے ہو چکا ہے مرحلہ گھبرائیو نہ تو
بوجھ اور یہ نہیں ہے شفاعت کا بار ہے

تلواریں برسیں یا کہ ستم کی ہوا بڑھے
رنج و بلا ادھر سے ادھر سے ولا بڑھے
ہاں صبر کر جو آج بلا پر بلا بڑھے
تا آبروئے اُمتِ خیرالوریٰ بڑھے
کوثر ملے بہشتِ بریں کے ثمر ملیں
پیاسوں کو روئیں جو انھیں جنت میں گھر ملیں

دریا سے نکلے اشک بہاتے ہوئے جناب
قطعاً یقیں ہوا کہ بچے گی نہ مشکِ آب
تلوار تول کر یہ کیا فوج سے خطاب
ممکن نہیں کہ تم سے رکے ابنِ بوتراب
سینے پہ خنجر و تبر و تیر کھائیں گے
جس طرح آئے ہیں یونہیں دریا سے جائیں گے

مقتل پہ اپنے لاکھوں سے لڑتے ہوئے جو آئے
نیزے کہیں لگے کہیں چھاتی پہ تیر کھائے
شانوں سے ہاتھ کٹ گئے غازی کے ہائے ہائے
پانی بہا تو دیکھ کے گردون کو مسکرائے
جو اس وغا میں بھاگ گئے تھے وہ پھر پڑے
جھکنے لگا نشاں تو علمدار گر پڑے

اک غل ہوا کہ شیر کو مارا کچھار میں
وہ ٹوٹتا ہے عرش کا تارا کچھار میں
اب کون ہوگا معرکہ آرا کچھار میں
بے جاں ہوا حسین کا پیارا کچھار میں
ہم جن کے ڈر سے کانپتے تھے وہ گزر گئے
لیجو خبر حسین ہیں زندہ کہ مر گئے

حضرت سے دوڑ کر علی اکبر نے یہ کہا
طاقت ہماری گھٹ گئی مارے گئے چچا
سنتے ہی کانپنے لگے حضرت کے دست و پا
خیمے کا در پکڑ کے کہا وا مصیبتا
بتلاؤ لاش لینے چلیں یا بکا کریں
ہم پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہائے کیا کریں

گرتے ہوئے جو بھائی کے لاشے پہ آئے شاہ
دیکھا کہ نزع میں ہیں علمدارِ عرش جاہ
منہ قبلہ رو ہے مشک و علم کی طرف نگاہ
لب پر یہی سخن ہے کہ حضرت نہ آئے آہ
پیاسوں کا یا مفارقتِ شہ کا غم کروں
یارب کسے سپرد یہ مشک و علم کروں

پھیلا کے دونوں ہاتھ پکارے شہِ زماں
آیا غریب و بے کس و مظلوم و ناتواں
تڑپے صدا یہ سن کے علمدارِ نوجواں
گویا نکل کے آئی دوبارہ بدن میں جاں
دل ڈھونڈتا تھا بس کہ شہِ مشرقین کو
حسرت سے آنکھیں کھول کے دیکھا حسین کو

گودی میں سر کو رکھ کے پکارے امام دیں
اے ابنِ مرتضےٰ مجھے پہچانا یا نہیں
قدموں پہ منہ کو رکھ کے پکارا وہ مہ جبیں
اے جانِ فاطمہ جگرِ ختمِ مرسلیں
آنکھوں میں گو ہے دم پہ ہوں عارف امام کا
آغوش میں حضور کے سر ہے غلام کا

سب بن گئے حضور کے صدقے سے میرے کام
نہریں بہشت کی نظر آتی ہیں یا امام
دستِ علی میں دیکھیے کوثر کے دو ہیں جام
حوریں پکارتی ہیں یہ لے لیں گے میرا نام
کیا دیکھتے ہو مشک کو دم توڑ توڑ کے
کوثر پہ جلد آؤ ترائی کو چھوڑ کے

خادم کو پیار کرتے ہیں محبوبِ والمنن
یہ فاطمہ کھڑی ہیں یہ حیدر ہیں یہ حسن
اس موت پر حیات نثار اے شہِ زمن
ہنگامِ نزع جس کے سرہانے ہوں پنجتن
مولا مدد کو آئیں سفر جب قریب ہو
شیعوں کو آپ کے یونہیں مرنا نصیب ہو

سب حسرتیں بر آئیں مری یا شہِ انام
دو داغ خلق سے لئے جاتا ہے یہ غلام
اک یہ کہ چھوڑتا ہوں سکینہ کو تشنہ کام
غم دوسرا یہ ہے کہ اکیلے ہیں آپ امام
بیٹے کا افتخار جو صدقے ہو باپ پر
اکبر کے بعد کون فدا ہوگا آپ پر

یہ کہہ کے اشک آنکھوں سے عباس نے بہائے
ہچکی کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے
کروٹ بدل کے منہ قدمِ شاہ تک جو لائے
چلائے شاہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
پتلی پھری ہوئی سوئے شبیر رہ گئی
آنکھوں سے دم نکل گیا تصویر رہ گئی

آغوش میں جو بھائی کے بھائی گزر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
چلاتے تھے کہ شبیر ہمارا کدھر گیا
جینے کا جس کے دم سے مزا تھا وہ مر گیا
یہ چاند سوئے قبر میں قسمت زمین کی
ہے ہے کمائی لٹ گئی ام البنین کی

اے میری زندگی کے سہارے ترے نثار
بہنوں کی جان بھائی کے پیارے ترے نثار
اے تین دن کی پیاس کے مارے ترے نثار
اے بچپنے کے دوست ہمارے ترے نثار
سینے میں دم کی آمد و شد کا اثر نہیں
کیسی یہ نیند ہے کہ ہماری خبر نہیں

ہم روتے پیٹتے ہیں تمھیں کچھ نہیں خیال
تم کیا سدھارے مرگیا خیر النسا کا لال
پانی کا ماجرا نہ کہوں اس سے یا کہوں
مرنے حسین جاتا ہے لو پاؤں پر گرو
کس جا ہو ابن فاطمہ زہرا کے ناصرو
تینوں میں جو سپر تھا وہ بھائی جدا ہوا
دیکھا جو باپ کا علی اکبر نے غیر حال
لاشے پہ جب سے آئے ہیں مولائے خوش خصال
چھریاں غم و الم کی کلیجوں پہ چلتی ہیں
ضد کرتی ہے سکینہ کہ دریا پہ جاؤں گی
پانی نہ ہو میں اپنے چچا کو تو پاؤں گی
قایم رکھے کریم، علی کی نشانی کو
فرمایا لاش لے چلو خیمے میں ای پسر
بازو جدا ہیں گرز سے ہے چار پارہ سر
چادر میں رکھ کے لے چلو لاشے کو اس طرح
کی عرض جو رضائے شہنشاہ بحر و بر
اک تشنہ لب سکینہ ناشاد و نوحہ گر
ہم جاں بلب ہیں شیر کو پامال دیکھ کر
آئی صدا علی کی یہ پہلو سے ایک بار
سچ ہے کہ سر بسر تن عباس ہے فگار
ہوگی لکہاں راہ سے ایذا دلیر کو

عباس آنکھیں کھول کے دیکھو ہمارا حال
اب تشنہ لب سکینہ کی ہے زندگی محال
اتنا بتاؤ تم کہ سکینہ سے کیا کہوں
بھائی کے گرد ہاتھوں کو جوڑے ہوئے پھرو
تھم تھم کے راہ خلق سے لو ای مسافرو
آتا ہے پیچھے پیچھے مسافر تھکا ہوا
کی عرض چلیے خیمے میں ای بیر ذوالجلال
در پر کھڑے ہوئے ہیں حرم کھولے سر کے بال
اک شور ہے کہ خیمے سے زینب نکلتی ہیں
ہیں آپ ہاتھ تھام کے عمو کو لاؤں گی
کچھ ان پہ بن گئی تو کسے منہ دکھاؤں گی
وہ گھر ہیں آئیں آگ لگے ایسے پانی کو
کی عرض جو رچور ہیں عباس نامور
کہنے لگے حسین گریباں کو پھاڑ کر
گھر میں علی کو لائے تھے مسجد سے جس طرح
لیکن ہے تین جانوں کے جانے کا اس میں ڈر
دو چھوٹے چھوٹے حضرت عباس کے پسر
بچے جئیں گے لاش کا یہ حال دیکھ کر
ای ابن فاطمہ تری غربت کے میں نثار
آفت کی برچھیاں ہیں کلیجے کے وار پر
سونے دو ای حسین ترائی میں شیر کو

مشک و علم اُٹھا کے چلے اکبرِ حزیں
حضرت کے پیچھے اسپ علمدارِ مہ جبیں
حیوان کے بھی قتل کے درپئے شریر تھے
مقتل سے روتے پیٹتے گھر میں حسین آئے
خوں میں بھرا ہوا علی اکبر علم جو لائے
سر کھولنے کو زوجۂ عباس ہٹ گئی
سب مل کے صف بچھا کے رانڈ کو لے آئیں بیبیاں
چلاتی تھی یہ زوجۂ عباسِ نوجواں
گرمی جو تھی ہوا تمھیں بھائی فرات کی
صاحب تو جان دیکے ہراک غم سے چھٹ گئے
ماں سے چھٹے امامِ دوعالم سے چھٹ گئے
حرمت اب اس کنیز کی صاحب کے ہاتھ ہے
یہ بین کر کے روئی جو وہ تازہ سوگوار
خاموش اب انیس کہ دل کو نہیں قرار
حامی ہر اک الم میں امامِ جلیل ہیں

بیٹے کے پیچھے چاک گریباں تھے شاہِ دیں
بانہیں کٹی تھیں خون میں ڈوبا ہوا تھا زیں
سینہ تھا چور تیغوں سے ٹکڑوں پہ تیر تھے
بیٹھی ہوئی تھیں بی بیاں ماتم کی صف بچھائے
اک غل ہوا کہ مر گئے عباس ہائے ہائے
منہ پیٹ کر علم سے سکینہ لپٹ گئی
پرسے کا شور ہونے لگا در وکے بیاں
صاحب علم کو چھوڑ کے تم چل بسے کہاں
اب تم ہوا ور سرد ترائی فرات کی
صدموں سے مطمئن ہوئے ماتم سے چھٹ گئے
ہم تم سے آج چھٹ گئے تم ہم سے چھٹ گئے
کیوں کر نباہ ہوگا کہ بچوں کا ساتھ ہے
ماتم سے بی بیوں میں ہوا حشر آشکار
بے خود ہیں بزمِ غم میں شہِ دیں کے دوستدار
مداح جن کا تو ہے وہ تیرے کفیل ہیں

رباعی

گر دوستیِ علی میں مرجاویں گے
جس وقت کہیں گے منہ سے یا شیرِ خدا
بگڑے ہوئے سب کام سنور جاویں گے
جوں برق صراط سے گزر جاویں گے

مرثیہ (۸)

آمد ہے کربلا کے نیستاں میں شیر کی
جاسوس کہہ رہے ہیں نہیں راہ پھیر کی
خوشبو ہے دشتِ بادِ بہاری قریب ہے

آتا ہے وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہے
دہشت سے آفتاب کا چہرہ بھی زرد ہے
سر بر کوئی ہوا نہیں اس خاندان سے

مشہور ہے جہاں میں یہ صفدر وحیدِ دہر
لڑنے میں آگئی جو شجاعت کی ان کو لہر
فرزند ہیں علی سے شہِ کائنات کے

ہاں نورِ چشمِ فاتحِ خیبر قریب ہے
لختِ دلِ درندۂ اژدر قریب ہے
جوہر کبھی چھپے نہیں تیغِ اصیل کے

یکتائے روزگار ہے وہ شیرِ حق کا لال
ان سے مقابلہ کی بھلا ہے کسے مجال
دکھلائیں گے چلن اسدِ کردگار کا

رشکِ چمن ہیں سب پہ گل سرسبد یہ ہے
ذی مرتبت ہیں صاحبِ فہم و خرد یہ ہے
دیکھا نہیں جہان میں شیر اس جمال کا

ڈیوڑھی سے چل چکی ہے سواری دلیر کی
غش آگیا ہے شہ کو یہ ہے وجہ دیر کی
ہشیار غافلو کہ سواری قریب ہے

شیروں کا شیر عازمِ دشتِ نبرد ہے
بڑھ کر پرے سے جو اسے روکے وہ مرد ہے
گھر میں انھیں کے اتری ہے تیغ آسمان سے

جبار کے غضب کا نمونہ ہے ان کا قہر
لاکھوں سے ایک وار میں یہ چھین لیں گے نہر
لاشوں کے پل بندھیں گے کنارے فرات کے

لو وارثِ کشندۂ عنتر قریب ہے
جو تیغ کا دھنی ہے وہ صفدر قریب ہے
کاٹے انھیں کی تیغ نے پر جبرئیل کے

اک اک جری ہے شیرِ درندہ دمِ جدال
جرأت وہی ہے غیظ وہی ہے وہی جلال
گھر گھاٹ ان کی تیغ میں ہے ذوالفقار کا

آفاق میں نظیرِ ہنر بر احد یہ ہے
عباس نام کیوں نہ ہو کس کا اسد یہ ہے
درِّ نجف ہے فاطمہ زہرا کے لال کا

اللہ ری آمد آمدِ عباسِ صف شکن
جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف سے ہرن
پہ شیر کم نہیں اسدِ قلعہ گیر سے

تھا فوجِ قاہرہ میں تلاطم کہ الحذر
چکّر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور
فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں منہ موڑ موڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعبِ علمدارِ نوجواں
گوشہ اماں کا ڈھونڈھ رہی تھی ہر اک کماں
تیروں کا بے گماں تھا ارادہ گریز کا

ہل چل یہ تھی کہ گردِ سواری عیاں ہوئی
آمد خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی
روشن تھا شمعِ طور سے پَرتو حضور کا

اک شور تھا کہ آج زمین آسمان ہے
اُترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے
پَرتو ہے یہ رُخِ خلفِ بوتراب کا

نقشِ سمِ فرس کی ضیا پر کرو خیال
ہے دوپہر کے بعد الشمس کو زوال
پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر

آئنہ جبیں سے صفا آشکار ہے
چشمِ گہر فشاں سے حیا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکے گا نہ منہ پر دلیر کے

لرزاں تھے کوہ ہلتے تھے دل کانپتا تھا تن
اک شور تھا کہ آج پڑے گا غضب کا رن
گویا مقابلہ ہے جنابِ امیر سے

تھیں موج کی طرح سب اِدھر کی صفیں اُدھر
پانی میں تھے نہنگ اُبھرتے نہ تھے مگر
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشاں
ترکش بھی تھے ہراس میں کھولے ہوئے دہاں
منہ کُند ہو گیا تھا ہر اک تیغِ تیز کا

گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
آپ رے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی
خلعت ملا زمینِ مقدس کو نور کا

صحرائے کربلا نہیں دُنیا کی جان ہے
رضواں نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
دیکھو اُلٹ گیا ہے ورق آفتاب کا

اختر کہیں ہے بدر کہیں ہے کہیں ہلال
یاں ہے وہی عروج نہ ہے حشمت و جلال
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر

ابرو سے ماہِ رُخ کی ضیا آشکار ہے
رُخ سے جلالِ شیرِ خدا آشکار ہے
چہرہ تو حور کا ہے پہ تیور ہیں شیر کے

نورِ جبیں نے جلوۂ قدرت دکھا دیا
چہرے نے حسنِ صبحِ صباحت دکھا دیا
ابرو نے رنگِ تیغِ شجاعت دکھا دیا
قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھا دیا
جنگل کو بوئے کوچۂ گیسو بسا گئی
کپڑوں سے نکہتِ گلِ فردوس آ گئی

ابرو نہیں ہیں چشمِ مروّت نہاد پر
نوں لکھ دیا ہی صانعِ قدرت نے صاد پر
دید اس کی فرضِ عین ہی خوش اعتقاد پر
قرباں ہی صبح و شام بیاض و سواد پر
سادہ نگیں جدید کا درِ نجف میں ہی
پتلی نہ جانیو دُرِ مکنوں صدف میں ہی

اعجاز لب میں چشم میں سحرِ حلال ہی
پتلی نہیں ہی چہرۂ یوسف کا خال ہی
تعریف کیا کریں کہ دہن بے مثال ہی
تقسیمِ جزوِ لا یتجزّے محال ہی
ٹھہرا لیا ہی نقطۂ فرضی دہن نہیں
اسرارِ کہہ و گار ہیں جائے سخن نہیں

شیریں لبوں کی مدح میں اب ناطقہ ہی بند
لائے گا ہر سخن میں نمک یہ کہاں سے قند
پھیکی جو بات ہو وہ زباں کو نہیں پسند
عالم ہی اُن کے شورِ تکلم سے بہرہ مند
نہ قند میں یہ لطف نہ شاخِ نبات میں
صانع نے بھر دیا ہی مزا بات بات میں

بے مثل ہی عجب شاہ درِ دنداں کی آب و تاب
دُرِّ عدن کو دیتے ہیں دنداں شکن جواب
یوسف نے دیکھے تھے یہی اختر میانِ خواب
طالع چمک گئے مہِ کنعاں ملا خطاب
باتوں میں لب جو ہلتے ہیں اس خوش خصال کے
ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہی ٹکڑوں پہ لال کے

قربانِ رونقِ خطِ رخسارِ سرخ فام
یہ صبح ہی حلب کی تو گیسو ختن کی شام
واللیل گردِ سورۂ والشمس ہی تمام
گویا جنابِ خضر کا ظلمات ہی مقام
تفسیر خط کی مصحفِ ایماں کے گرد ہی
دیکھو ہجوم مورِ سلیماں کے گرد ہی

یہ خط نہیں ہی دفترِ قدرت نگار ہی
عنبر فشانیِ قلمِ مشکبار ہی
لا ریب فیہ مصحفِ پروردگار ہی
واضح یہ ہی کہ جلد سے خط آشکار ہی
منہ دیکھے جس کو نور کا سورہ نہ یاد ہو
تاریک شب میں پڑھ لے جو روشن سواد ہو

روشن گر زمانہ ہی صبحِ گلو کا نور
نورِ خدا کا صاف گریباں سے ہی ظہور
بوسوں کو حوریں گئی ہیں ہونٹ چاٹ کے

شانے سپہرِ حسن کے دو آفتاب ہیں
ساعد برائے تیغ و سپر انتخاب ہیں
الٹی ہی آستین جو حیدر کی شان سے

ساعد ہیں زور وہ کہ زبردست زیر ہیں
لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں ایسے دلیر ہیں
زہرہ ہی ڈر سے آب کیومرث و گیو کا

طاقت بھی اُن کے بازوؤں کا ایک نام ہی
اقبال اُن کے گھر کا مدارالمہام ہی
ہر دم قشونِ جاہ و حشم ساتھ رہتے ہیں

فوج ان کی شان و شوکت و اقبال و جاہ ہی
ثابت قدم ہیں یہ دمِ تیغ اُن کی راہ ہی
فوجوں سے معرکہ میں نشاں چھین لیتے ہیں

مرجائیں نامراد یہ اُن کی مراد ہی
کم ان کے آگے لشکرِ ابنِ زیاد ہی
دُنیا ہو اک طرف تو یہ کچھ جانتے نہیں

رہتے ہیں سب جہاں کے زبردست زیردست
دیکھا ہی شیرِ حق کی لڑائی کا بندوبست
روح الامیں پروں کو بچھاتے ہیں فرش پر

دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکائے حور
پروانہ شمعِ حسن پہ جس کے چراغِ طور
پریوں نے جان دی ہی گلے کاٹ کاٹ کے

بازو مثالِ دستِ خدا لاجواب ہیں
ہاتھوں سے بادشاہ و گدا فیضیاب ہیں
اُگلی ہوئی ہی تیغِ یداللہ میان سے

ایذا میں باحواس ہیں فاقوں میں سیر ہیں
پنجے کا اُن کے ذکر بھلا کیا کہ شیر ہیں
منہ پھر گیا ہو اُن کے طمانچے سے دیو کا

زور اُن کا خانہ زاد "تہور" غلام ہی
ان کے جلو میں فتح و ظفر صبح و شام ہی
نصرت کو اُن کا غاشیہ بردار کہتے ہیں

مردانگی غلام جلالت سپاہ ہی
جرأت ہی اُن کا خشم شجاعت نگاہ ہی
ثبت ہیں آن بان پہ یہ جان دیتے ہیں

ناشاد ہی جہاں ہو تو دل اُن کا شاد ہی
جویا ہیں کافروں کے یہ شوقِ جہاد ہی
اللہ و پنجتن کے سوا مانتے نہیں

لشکر تباہ کر دیئے فوجوں کو دی شکست
آنکھ اُن کی حق نما ہی نظر ان کی حق پرست
سر اُن کے خاک پر ہیں نماز ان کی عرش پر

سینہ کا آئینہ ہے کدورت سے پاک صاف
جرأت کا ان کی قاف سے شہرہ ہے تا بقاف
دعوےٰ نہ ہو جسے یہ اسے ٹوکتے نہیں
اب کس طرح ثباتِ قدم کو کروں رقم
نعلین پائے حضرتِ عباس کی قسم
ثابت ہوا کہ قابلِ شرح و بیاں نہیں
وصفِ سلاحِ جنگ میں اب لٹ گئی ہے جاں
مضموں نئے تراش تو اے خنجرِ زباں
منزل ابھی ہے دور وصفِ کارزار کی
یہ خودِ آہنی نہیں فرقِ جناب پر
ابر آگیا ہے فرقِ رسالت مآب پر
سایہ میں آئے وہ جو سعیدِ زمانہ ہے
مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہے
موسیٰ کا ہے یہ قول کہ قندیلِ طور ہے
کشّافِ امرِ حق ہے بیاں اس سعید کا
رکھتا نہیں کسی سے کدورت یہ خوش نہاد
چار آئنہ ہے رحمت و انصاف و عدل و داد
بن جائے گا اماں کا حصار آئنہ یہی
پیشانی آئنہ رُخِ جاں پرور آئنہ
بر میں دل آئنہ جسدِ انور آئنہ
بے حد و بے حساب و شمار آئنے ہیں یاں

برعکس ان سے جو وہ خدا سے ہیں برخلاف
سو سو صفوں کو صاف کیا ہے دمِ مصاف
تلوار جب چلی تو سپر روکتے نہیں
کاغذ پہ رُک گیا ہے صدا دے کے یہ قلم
ٹل جائے گو وہ پر نہ ہٹیں گے جگہ سے ہم
خامے کا ذکر کیا ہے سیاہی واں نہیں
اے ذہن آج ہے تری تیزی کا امتحاں
جوہر شناس بیٹھے ہیں اے تیغِ طبع ہاں
رہ جائیو نہ تجھ کو قسم ذوالفقار کی
سر پوشِ نور ہے کہ قدحِ آفتاب پر
یا تاجِ خسروی ہے سرِ بوتراب پر
اقبال کے ہما کا یہی آشیانہ ہے
حلقوں میں جیسے حور کی پتلی کا نور ہے
داؤد کہتے ہیں کہ یہ جوشن زبور ہے
ہاں ترجمہ ہے مصحفِ ربِّ مجید کا
الا عدوے آلِ پیمبر سے ہے عناد
بس پنجتن کا نام سپر ہے دمِ جہاد
جوشن یہی سپر یہی چار آئنہ یہی
دوش آئنہ ہے سینہ مہ پیکر آئنہ
ہر آئنے سے بہتر و خوشتر ہر آئنہ
چار آئنہ کے بدلے ہزار آئنے ہیں یاں

دستانہ ہو کہ تیغ ید اللہ کا نیام
قالب ظفر کا فتح کا گھر زور کا قیام
دنیا میں کوئی ان سے نہ افضل نہ دین میں
یہ شیرِ نیستانِ ولایت کے ببر ہیں
چپ جانیو نہ اُن کو یہ مختارِ صبر ہیں
ربِ علا کا قہر انھیں کا جلال ہو
روباہ دل ہیں شیرِ ژیاں اِن کے سامنے
پشّے سے کم ہیں پیلِ دماں ان کے سامنے
تن پر زرے ہو گئے خاک کے پیوند ہوتے ہیں
ہیں دوش صبحِ عید شبِ قدر ہی سپر
اک ماہِ نو تو چار ستارے ہیں جلوہ گر
جو خوبیاں کہ چاہیئیں وہ سب حصول ہیں
ہو وصفِ تیغ میں سپر انداختہ زباں
مضموں ہیں مثلِ برقِ جہندہ شرر فشاں
کیونکر کوئی لکھے جو مجالِ رقم نہ ہو
قد کتنا خوشنما ہی بدن کس قدر ہی گول
مفتاحِ فتح ہی درِ نصرت کو اس سے کھول
اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہو
دلسوز۔ شعلہ خو۔ شرر انداز۔ جاں گداز
خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز
سج اُس کی ہی پسندِ جہاں گو سجی نہ ہو

منہ میں کلائی شیر کے یہ ہی انھیں کا کام
پنجے میں ہی جو تیغ تو قبضے میں روم و شام
قوت خدا کے ہاتھ کی ہی آستین میں
بیشے میں شیرِ حق کے پلے وہ ہزبر ہیں
کڑکیں اگر تو برق ہیں گرجیں تو ابر ہیں
برق ان کی تیغ ہو تو گھٹا ان کی ڈھال ہو
لرزاں ہیں مثلِ بید جواں ان کے سامنے
کھلتی نہیں کسی کی زباں ان کے سامنے
انساں تو کیا ہیں تیغوں کے دم بند ہوتے ہیں
قدرت خدا کی یہ ہی ادھر شب اُدھر سحر
گویا دُلھن بنی ہوئی ہی لیلیِ ظفر
معشوقِ سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں
لکنت کے حرف آتے ہیں لب پر دمِ بیاں
پیدا صریر کلک سے ہی شورِ الاماں
خامے کو خوف ہی کہ زباں پھر قلم نہ ہو
جوہر شناس ہی تو اسے موتیوں میں تول
وہ تیغ ہی خراجِ صفاہاں ہی جس کا مول
شاہوں کی آبرو ہی سپاہی کی جان ہی
لشکر کش و شکستہ لساں و ظفر نواز
حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز
معشوق پھر نہیں ہی جو اتنی کجی نہ ہو

پشتہ وہ اُس کا اور وہ بارہ یکی خیبر
جنگ آزما خراج ستانندہ ملک گیر
اس کا جلال خلق میں کس پر جلی نہیں
چھوڑے اگر شعاع کی چلمن نہ آفتاب
آفت کا دم ہے قہر کی تیزی غضب کی تاب
بھاگے ہزار وہ پہ نہ پائے مفر کہیں
ہے گرچہ علم تیر میں قادر وہ ارجمند
تیغ و سپر ہے یا علمِ شاہِ سربلند
کیا خوف ان کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے
صدقے علم کے حضرتِ عباس کے نثار
شمشادِ سبز پوشِ گلستانِ اقتدار
جھکتا ہے جس سے عرش پہ پایہ اُسی کا ہے
دریا خجل تھا سبز پھریرے میں تھی وہ لہر
دامن ہے بادبانِ جہازِ امامِ دہر
پنجے کا نور سبز پھریرے کے ساتھ ہے
دامن وہ سبز اور وہ پنجے کا اس کے نور
فرقِ جنابِ خضر پہ روشن ہے شمعِ طور
اُس کا علم یہ ہے جو شہِ مشرقین ہے
لکھتا ہے اب کمیتِ قلم سرعتِ سمند
نازک مزاج خوش قد و طنّاز و سربلند
اڑتی تھی اک پری فرسِ تند خو نہ تھا

کس بل میں بے مثال صالت میں بے نظیر
گیتی نورد باد پیما فلک مسیر
کوچہ وہ کونسا ہے جہاں یہ چلی نہیں
کیا تاب ہے کہ لا سکے اُس کی چمک کی تاب
دشمن اسے جو رات کو دیکھے میانِ خواب
بستر پہ دھڑ کہیں ہو دمِ صبح سر کہیں
لیکن کماں نہ ساتھ ہے نہ تیر نہ کمند
سب حملے ویرکے ہیں بہادر کو ناپسند
نیزہ نہیں جو پاس اک اس میں بھی نوک ہے
طوبیٰ اشکوہ عرش تجمل فلک وقار
حمزہ کا اقتدار تو جعفر کا افتخار
ظلِ خدا پہ دھوپ میں سایہ اسی کا ہے
سبزہ بھی اس کے عشق میں کھائے ہوئے تھا زہر
موجیں دکھا رہی ہیں بہشتِ بریں کی نہر
طوبیٰ کی شاخِ سبز پہ مریم کا ہاتھ ہے
نکلا ہوا ہے قصرِ زمرد سے روئے حور
بے شبہ وہ امام کے ہے نور کا ظہور
گویا حسن کے دوش پہ دستِ حسین ہے
آہو شکار شیر طبیعت وغا پسند
وہ پیش و پس وہ سم وہ کنوتی وہ جوڑ بند
سرعت بھری ہوئی تھی رگوں میں لہو نہ تھا

تنہا ہیں اس شکوہ سے عباسِ تشنہ لب
تیغیں علم کیے ہیں سپاہِ وغا طلب
سرہنگِ روم و رے ہیں وغا پر تلے ہوئے
کہتا تھا شمر آکے یہ ہر اک سرے کے پاس
مردوں کو معرکہ میں نہیں چاہیئے ہراس
لاکھوں ہو تم وہ ایک ہی پیاسے کو ٹوک لو

ہے رستمی کا وقت وغا کا مقام ہے
عالم میں شورِ طنطنۂ فوجِ شام ہے
ہاتھوں سے صبر کی بھی عناں چھوٹ جائے گی

پہونچی جو گوشِ شاہ میں یہ شمر کی صدا
چلائے آکے سامنے ای فوجِ اشقیا
بولا نہیں میں کچھ جو بھرا گھر اُجڑ گیا

آفت میں مبتلا ہوں اسیرِ محن بھی ہوں
بیکس بھی ہوں ضعیف بھی ہوں خستہ تن بھی ہوں
ناحق بڑھے ہو تیر کمانوں میں جوڑ کے

مشہور کائنات میں ہے بھائیوں کا پیار
پہلو میں دل نہ ہو تو جگر کو کہاں قرار
جب سے خدا کے شیر نے چھوڑا جہان کو

بازو یہی ہے ہاتھ یہی تن کی جاں یہی
بھائی یہی پسر یہی راحت رساں یہی
پانی پلائے جب یہ بہشتی تو پیتے ہیں

اور وال پرے جمائے ہیں سفاک سب کے سب
ڈھالوں سے اہلِ شام کی دن ہو گیا تھا شب
ہیں دور تک نشانوں کے شقے کھلے ہوئے

ہاں صفدرانِ شام خبردار و باحواس
بڑھنے نہ پائے حضرتِ عباسِ حق شناس
جانیں لڑا کے شیر کے حملے کو روک لو

مردانگی نبرد میں مردوں کا کام ہے
جیا رکے اس نشاں کو مٹا دو تو نام ہے
مر جائیں گے حسین کمر ٹوٹ جائے گی

اُٹھے تڑپ کے خاک سے حضرت برہنہ پا
کاٹو خدا کے واسطے پہلے مرا گلا
مر جاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھڑ گیا

فاقہ بھی تین دن کا ہے تشنہ دہن بھی ہوں
سیدہ بھی ہوں غریب بھی ہوں بے وطن بھی ہوں
کیا ہاتھ آئے گا مرے بازو کو توڑ کے

بچپن سے میں ہوں اس پہ فدا مجھ پہ یہ نثار
مجھ سے جدا ہوا کبھی دم بھر یہ نامدار
پالا ہے میں نے گود میں اس نوجوان کو

قوت یہی عصا یہی تاب و تواں یہی
خادم یہی شفیق یہی مہرباں یہی
ہم تو اسی جواں کے سہارے سے جیتے ہیں

دل کی جو تقویت ہے تو قوت جگر کی ہے
دولت کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہے
کیوں کر نہ رشتہ روح کا اور تن کا ساتھ ہے
ہم دونوں میں سے ایک پہ قربان ایک ہے
جلدیں اگرچہ دو ہیں پہ قرآن ایک ہے
جب روح کوچ کر گئی پھر تن میں دم کہاں

دنیا میں چھوٹے بھائی سے پیارا نہیں کوئی
گر ہے تو یہ ہے اور سہارا نہیں کوئی
پوچھو اسی سے بھائی سے جس کی جدائی ہو
روکر جو مستغیث امام بحق ہوئے
جو صاحب حیا تھے وہ غرق عرق ہوئے
برچھی لگی الم کی دل دردناک پر

گھبرا کے معرکے سے پھر آیا جو خوش خرام
گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
سر پر عمامہ رکھیے پیمبر کے واسطے
پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ آؤ گلے لگو
بچھڑے ہیں دیر سے نہ رلاؤ گلے لگو
آنکھوں سے آنکھیں منہ سے منہ اور لب سے لب ملیں

دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند
دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رشتہ اجل کا بند
روٹھے جو ندتوں تو خوشی ایک دم رہے

سینے کا ہے سرور ضیا چشم تر کی ہے
پیری کا آسرا ہے نشانی پدر کی ہے
طفلی کی الفتیں ہیں لڑکپن کا ساتھ ہے
جان ایک ہے دل ایک ہے ایمان ایک ہے
قالب جدا جدا ہیں مگر جان ایک ہے
بے جاں ہوا یہ جان برادر تو ہم کہاں

دل کا سرور آنکھوں کا تارا نہیں کوئی
کہنے کو یوں ہیں سب پہ ہمارا نہیں کوئی
جب باپ ہو جہاں میں پیارا تو بھائی ہو
غم سے کلیجے بھائیوں والوں کے شق ہوئے
سن کر صدا حسین کی عباس فق ہوئے
نزدیک تھا کہ گر پڑیں گھوڑے سے خاک پر

دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمر امام
آپ اُٹھے کیا غضب ہے کیا اے فلک مقام
یہ اضطراب بندۂ احقر کے واسطے
سینہ مرے جگر سے لگاؤ گلے لگو
لو تم بھی دست شوق بڑھاؤ گلے لگو
اب کے جدا ہوئے تو خدا جانے کب ملیں

دنیا میں ہجر کے کسے پہونچے نہیں گزند
آتی ہے موت جب تو بچھڑتے ہیں بھائی بند
تھوڑے دنوں نبی و علی بھی بہم رہے

وہ دل ہو داغدار جو ہجراں نصیب ہو
کوئی بعید یار سے کوئی قریب ہو

اس باغ کا بھی رنگ عجیب و غریب ہو
اکثر چمن میں پھول نہیں عندلیب ہو

موسم کوئی نہیں چمنِ روزگار میں
لاکھوں ہیں گل کہ ٹوٹ گئے ہیں بہار میں

فرما کے یہ بشوق امامِ امم بڑھے
عباس اس طرف سے جھکا کر علم بڑھے

بس ڈبڈبائے آنکھوں کو دو بحرِ غم بڑھے
یہ سوئے سینہ اور وہ سوئے قدم بڑھے

دونوں پہ کوہِ رنج و غم و یاس گر پڑے
گردن جھکا کے پاؤں پہ عباس گر پڑے

بولے گلے لگا کے شہنشاہِ نامدار
ای میرے یادگارِ پدر میں ترے نثار

لپٹے رہو ابھی کہ جگر کو نہیں قرار
بھیّا ملا دو چھاتی سے چھاتی پھر ایک بار

تم کیا چلے کہ زخمِ جگر تازہ ہو گیا
پھر آج ہم کو داغِ پدر تازہ ہو گیا

زیرِ بغل تھے دستِ شہنشاہِ بحر و بر
چھاتی سے سر لگائے تھے عباسِ نامور

حضرت کا روئے پاک تھا بھائی کے دوش پر
ہچکی لگی تھی اِن کو اِدھر اور اُنھیں اُدھر

تھمتی تھی رقّت ان کی نہ زہرا کے جائے کی
تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی

عبّاس رو کے کہتے تھے مولا نہ روئیے
صدقے غلام ای مرے آقا نہ روئیے

صدمے سے بے قرار ہیں بابا نہ روئیے
سر پیٹتی ہیں فاطمہ زہرا نہ روئیے

پردے ہیں کچھ نہ آلِ نبی کے خلل پڑے
ایسا غضب نہ ہو کہ سکینہ نکل پڑے

دل تھا جو شہ کا فرطِ محبّت سے بے قرار
فرمایا ہم کو گرد تو پھرنے دو ایک بار

بولے یہ کانپ کانپ کے عباسِ باوقار
بندے ہوں لاکھ مجھ سے تو نعلین پر نثار

کیونکر کہوں کہ قابلِ لطفِ امام ہوں
میں تو سکینہ جان کا ادنیٰ غلام ہوں

رو کر کہا حسین نے ای جان الوداع
اچھا سدھارو ای مرے ذی شان الوداع

بھائی تمھارے عزم کے قربان الوداع
ہم بھی ہیں کوئی آن کے مہمان الوداع

بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجیو
کوثر پہ جائیو تو مجھے یاد کیجیو

روتے ہوئے یہ کہکے چلے شاہِ دیں پناہ
ہم شکلِ مصطفےٰ کو پکارے بہ اشک و آہ
بھولے اُسے جو کہ گئے ہم آئے تھے آپ سے
فرماکے یہ چڑھے فرسِ خوش خرام پر
چمکا فرس کہ برق گری ابرِ شام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھرتھرا گئے
نعرہ یہ تھا کہ ہم دُرِ دریائے نور ہیں
خیبر کشا کے قلب و جگر کے سرور ہیں
اپنا چلن کھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہے
جب معرکہ میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے
روکی ہے تیغ کفر کی بستی اُجاڑ کے
پڑھ کر درود فوجِ ملک مدح خواں ہوئی
در پے ہمیں ہے رہِ حق کی تلاش کے
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بدمعاش کے
ناقوس کو اُٹھاکے زمیں پر پٹک دیا
جنگ آزما ہیں صف شکن و قلعہ گیر ہیں
دُنیا کے بادشاہ ہیں گردوں سریر ہیں
رتبہ پہ فخر ہے نہ شجاعت پہ ناز ہے
کیا کیا لڑے ہیں خیبر و بدر و تبوک میں
شہرہ ہے اپنی جود و سخا کا ملوک میں
بگڑے ہیں جب تو خون کے دریا بہائے ہیں

تا دیر اُس طرف رہی عباس کی نگاہ
اتنے دیا حضور کو یاں تم نے واہ واہ
بیٹا چچا نثار خبردار باپ سے
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق امام پر
غصہ سے ہاتھ شیر نے ڈالا حسام پر
خیبر کے سرکشوں کو علی یاد آ گئے
دُنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سے دور ہیں
جرار ہیں سخی ہیں ولی ہیں غیور ہیں
اب تک ہماری ضرب کا سکہ دلوں پہ ہے
دم میں قدم اُکھاڑ دیئے ہیں پہاڑ کے
پٹکا ہے گھر سے حق کے بتوں کو اُکھاڑ کے
جب ہم گئے تو کعبہ کے اندر اذاں ہوئی
ٹکڑے تک جلا دیئے کافر کی لاش کے
کاٹے ہمیں نے ہاتھ ہر اک بت تراش کے
آتش کدوں پہ تیغ کا پانی چھڑک دیا
صولت میں دبدبہ میں عدیم النظیر ہیں
اس اوج پر حسین کے در کے فقیر ہیں
گر ہے تو بس غلامیِ حضرت پہ ناز ہے
یہ ہاتھ پیاس میں نہ رکے ہیں نہ بھوک میں
حاتم سے بھی سخی ہیں سوا ہم سلوک میں
سر دیدیا ہے بات پہ جس وقت آئے ہیں

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
غازی پکارا او نجس و مرتد و جہول
سمجھا ہی کیا امامِ عراق و حجاز کو
تو کیا ہی اور کیا ہی ترا وہ امیرِ شام
تو بھی نمک حرام ہی وہ بھی نمک حرام
دوزخ سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے

یہ کہہ کے لی دلیر نے تلوار میان سے
نکلی جو عندلیبِ ظفر آشیان سے
دکھلائی شکل قہرِ خدائے جلیل نے
حملہ دلیر کا غضبِ کردگار تھا
تلوار کوندتی تھی فرس بے قرار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو منہ زرد ہوتے تھے

وہ تیغ جاں گداز جدھر چل کے رہ گئی
یہ غول چھن گیا تو وہ صف جل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائے گا
ہوش و حواسِ شمرِ سیہ رو اڑا دیئے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے زانو اڑا دیئے
تھا نورِ چشمِ شیرِ الٰہی جلال میں

بجلی سی جس پرے کی طرف آکے پھر گئی
دم میں لہو زمین پہ برسا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو اور دلیری ہوئی اُسے

بیعت انھیں تو صلح ہمیں بھی نہیں قبول
لیجو نہ منہ سے نامِ جگر گوشۂ رسول
گدی سے کھینچ لونگا زبانِ دراز کو
کرتے ہیں بادشاہ کہیں بیعتِ غلام
او بے ادب۔ یزید کجا اور کجا امام
کعبہ کبھی جھکا نہیں آگے کنشت کے

مسکن چھٹا ہمائے سعادت نشان سے
چمکے شرارے پھول جھڑے آسمان سے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھ لیئے پر جبرئیل نے
گر سامنے تھا شیر تو وہ بھی شکار تھا
مقتل میں گرم معرکۂ کارزار تھا
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے

گردن عدو کی شمع صفت ڈھل کے رہ گئی
بھاگا کوئی تو ہاتھ اجل مل کے رہ گئی
ٹھنڈا کروں گی میں تو جہنم جلائے گا
دو دو کے ایک ہاتھ میں بازو اڑا دیئے
ڈالی کسی نے آنکھ تو ابرو اڑا دیئے
پتلی چھپی ہوئی تھی سیاہی کی ڈھال میں

ناگن تھی اک کہ فوج پہ لہرا کے پھر گئی
اللہ رے منہ صفین کی صفیں کھا کے پھر گئی
سیر دل لہو پیا پہ نہ سیری ہوئی اُسے

غصّے تھا شیر کانپتے تھے بزدلوں کے دل
لوہے کو اُس کے مان گئے جاہلوں کے دل
تھی ہاہِ نو پہ پھرتی تھی بجلی بنی ہوئی
لرزاں ہر ایک بانیِ بیداد و جور تھا
رُخ زرد تھے سپاہ کا کچھ رنگ اور تھا
کشتوں کے پشتے اور سروں کے پہاڑ تھے
گر اس طرف بڑھا کسی بیدادگر کا ہاتھ
رُکتا نہ تھا علی ولی کے پسر کا ہاتھ
ہنستی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
تیغیں سپر کے ساتھ کٹیں خود سر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ
بھاگے شریرِ خلعت و منصب کو چھوڑ کر
گرتی تھی برقِ تیغ جو ہر پل ادھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل ادھر اُدھر
ہر جا تنوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
ہر ہنگِ شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے
کتنے جواں سموں کے تلے آ کے مر گئے
ہل چل نے استخوانِ بدن چور کر دیے
بھڑکا دی آگ صاعقۂ شعلہ ریز نے
کچلا انھیں سمند کی ہر جست و خیز نے
ترکش نہ تھے درست نہ ثابت کمان تھی

سینے میں ہو گئے تھے لہو قاتلوں کے دل
کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے بسملوں کے دل
چمکی تو زخمیوں کے لیے چاندنی ہوئی
لشکر تھا بے حواس تباہی کا طور تھا
نیزوں کا تھا نہ اوج نہ ڈھالوں کا دور تھا
فوجیں لٹی ہوئی تھیں محلے اجاڑ تھے
بالائے تن رہا نہ اِدھر نہ اُدھر کا ہاتھ
دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہاتھ
آدھا فرس پہ جسم تھا آدھا زمین پر
سینہ کمر کے ساتھ کٹا دل جگر کے ساتھ
اس معرکہ میں چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
روحیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر
سمٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل اِدھر اُدھر
بھاگڑ تھی قلبِ فوج میں ہل چل اِدھر اُدھر
بھاگیں کہاں گریز کے کوچے تو بند تھے
جو بچ گئے ادھر سے اُدھر جا کے مر گئے
پس پس کے سرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
بیٹوں نے نانوں باپ کی چھاتی پہ دھر دیئے
چن کر صفوں کو صاف کیا تیغِ تیز نے
گنتی اُلٹ دی ابنِ علی کی ستیز نے
تیغوں میں دم رہے تھے نہ لشکر میں جان تھی

تھرّا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد
ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا وادیِ نبرد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمیں بھی زرد
خورشید چھپ گیا یہ اُٹھی کربلا میں گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشمِ مہر میں
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیطِ سپہر میں

تھا الاماں کا شور پریشاں تھے اہلِ شہر
تیغوں کے پیچھے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
اٹھے علم رگڑتے تھے جھک جھک کے خاک پر
پرچم نے بال کھولے تھے فریادیوں نے سر
دانتوں میں خس ہراس سے تھی ہر جوان کے
چادر ہلاتے تھے پھریرے نشان کے

مصروف تھے جہاد میں عباسِ باوفا
ناگاہ آئی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا
اب کیا سکینہ پیاسی ہی مرجائے ای چچا
کب تک لڑو گے فوج سے بس ہو چکی وغا
سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہے
ای نورِ چشمِ ساقیِ کوثر دہائی ہے

جلدی خدا کے واسطے دریا پہ جائیے
قربان جاؤں بھر کے مری مشک لائیے
پھکتا ہے سینہ آگ جگر کی بجھائیے
اچھے مرے چچا مجھے پانی پلائیے
اب رحم کیجیے مری دو دن کی پیاس پر
جیتی ہوں اب تک آپ کے آنے کی آس پر

اعدا کو بار بار نہ جھنجلا کے دیکھیے
صدقے گئی فرات کو اب جا کے دیکھیے
کانٹے مری زبان کے آ کے دیکھیے
رونے کو شاہِ بیکس و تنہا کے دیکھیے
صدمہ فراق کا ہے دلِ دردناک پر
جلد آئیے حسین تڑپتے ہیں خاک پر

عباس نے سنی جو یہ آوازِ ناگہاں
بے اختیار آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کاندھے پہ رکھ کے شیر نے شمشیرِ خونچکاں
رُخ جانبِ فرات کیا پھیر کر عناں
دیکھی جو نہر دل نہ رہا اختیار میں
گھوڑا اُڑا کے شیر سے آئے کچھار میں

گرمی میں تھے جو غرقِ عرق سر تا بہ پا
سردی سے اس ترائی کی جان آگئی ذرا
دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا
صدمہ ہوا کہ دھوپ میں ہیں شاہِ کربلا
دل ہو گیا کباب مصیبت پہ شاہ کی
عباسِ نامدار نے اک سرد آہ کی

دو دن سے بے زباں پہ چھٹا آب و دانہ بند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند
تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
چمکارتے تھے حضرتِ عباسِ نیک نام
گر تو ہے تشنہ کام تو ہم بھی ہیں تشنہ کام
اٹھتا ہے شورِ گریہ محمد کی آل سے
عباس نے کہا جو یہ بچوں کا حالِ زار
جب نہرِ علقمہ میں در آیا وہ نامدار
جاں بازیِ سمند پہ غازی نے رو دیا
دریا سے بھر چکا وہ بہشتی جو مشکِ آب
لو مشک لے چلا جگر و جانِ بوتراب
گر مشک تا خیامِ شہِ نیک خو گئی
یہ شور سُن کے گھاٹ پہ اُمڈی سپاہِ شام
تولے تھے پہلواں تبر و خنجر و حسام
اب پاس آبرو کا ہے جانوں کا غم نہیں
تیغ دو دم کو تول کے غازی نے دی صدا
پہلے نہ رک سکے تو بھلا اب رکیں گے کیا
دیکھیں تو ہاں بڑے کو جمائے کھڑے رہو
یہ سن کے جو بڑھنے لگے حلقوں میں واں خدنگ
لپکا جدھر زبانۂ شمشیرِ شعلہ رنگ
حیرت تمام فوج کو تھی اُس کے کاٹ پر

دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
چمکارتے تھے حضرتِ عباسِ ارجمند
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا
بس اتنا مضطرب نہ ہو اے اسپِ تیز گام
پیاسا ہے ذوالجناحِ شہنشاہِ خاص و عام
آگاہ کیا نہیں ہے سکینہ کے حال سے
گردن ہلا کے رہ گیا اسپِ وفا شعار
پانی سے تھوتھنی کو اٹھاتا تھا بار بار
غازی کے منہ کو دیکھ کے تازی نے رو دیا
چلایا فوج کو عمرِ خانماں خراب
سادات پر بس اب نہ کبھی ہونگے فتح یاب
یہ جان لو کہ جان گئی آبرو گئی
پہلے سے بھی زیادہ ہوا کچھ ہجومِ عام
غل تھا کہ ہاں نکلنے نہ پائے یہ تشنہ کام
عباسِ نامور نہیں یا آج ہم نہیں
مجھ کو نہ دور جانیو اے لشکرِ جفا
یہ گھاٹ تیغ کا ہے خبردار اک ذرا
روکو تو برچھیوں سے ہم آئے کھڑے رہو
یاں بادپا ترائی میں تھا صورتِ نہنگ
پانی میں ڈوبنے لگے ناری کہاں کی جنگ
برسا دی آگ تیغ کی پانی نے گھاٹ پر

تا غاضریہ نہر سے لڑتا گیا دلیر
تکتے تھے سوئے [illegible] منہ کو پھیر پھیر
پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اُس دیں پناہ کی
نزدیک سے نہ کرتا تھا حربہ کوئی شریر
تھے ایک جان کے لیئے دشمن جوان و پیر
منظورِ ظلم سخت تھا ہر بد خصال کو
اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب
کہتا تھا ہاتھ اُٹھنے کی مجھ میں نہیں ہے تاب
پروانہ تھی جو بازوؤں پہ تیر کھاتے تھے
برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
تکتے تھے مسکرا کے سوئے آسماں کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سناں کبھی
گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داب کے
چھینٹیں لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو سر بسر
اقبالِ بادشاہِ زمین و زماں رہے
وا حیف وا دریغ تمنائے جاں نثار
اور یاں کمیں میں تھا بنِ ورقائے نابکار
آفت پڑی نصیبِ سکینہ اُلٹ گیا

تودے کہیں سروں کے کہیں تھے تنوں کے ڈھیر
دم لے لیا کہیں کبھی جھپٹے مثالِ شیر
پر ہائے کم نہ ہوتی تھی کثرت سپاہ کی
پہلو سے نیزے چلتے تھے اور سامنے سے تیر
برچھے تھے گرد بیچ میں تھا وہ مہِ منیر
پتھر شقی لگاتے تھے حیدر کے لال کو
شل ہو گیا تھا بازوئے فرزندِ بوتراب
لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب
لیکن سپر سے مشکِ سکینہؓ بچاتے تھے
اک شیر سے ادھر کبھی جھپٹے اُدھر کبھی
سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
رُوتے تھے بازوؤں کو علی چوم چوم کے
ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زباں کبھی
جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشاں کبھی
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے
دامن سے پونچھتے تھے علمدارِ نامور
شقہ مگر علم کا نہ ہووے لہو سے تر
دنیا میں ہیں یہ ہوش رہوں یا نشاں رہے
جھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
ماری شقی نے دوش پہ اک تیغِ آبدار
لڑتے تھے جس سے ہائے وہی ہاتھ کٹ گیا

اک ہاتھ سے سنبھالے تھا مشکیزۂ و علم
گھوڑے پہ سیدھے ہوتے تھے گاہے تو گاہ خم
تیغا کسی کا شبر کے شانے پہ پھر پڑا
کٹ کر گرا تھا بازوئے غازی جو زین پر
لے دیں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغِ شعلہ ور
صدقے ہوا ابنِ شہِ ذوالفقار کے
بے دست یاں ہوا جو وہ مہرو حسین کا
غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو حسین کا
ہاں نوبتیں بجاؤ ظفر یاب ہم ہوئے
گو ہاتھ کٹ گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہراس
غم تھا کہ گر پڑا علمِ شاہِ حق شناس
آنکھیں لہو تھیں رخ سے جلال آشکار تھا
ٹھکرا کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب
اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بیدست تشنہ لب
صدمے سے زرد چہرۂ پر نور ہو گیا
ہر چند پھٹ گیا تھا سرِ دلبرِ علی
اپنا نہ کچھ خیال تھا پیاسوں کی فکر تھی
آنکھوں سے بہہ گئے اشک بصد یاس گر پڑے
آئی صدائے شیرِ الٰہی یہ ایک بار
ہے یہ ترے لیے مری گودی میں بے قرار
ہونٹوں پہ دم بدم ہے صدا یا حسین کی

بہتا تھا خون ضعف بھی بڑھتا تھا دمبدم
فریاد الغیاث ستم پر ہوا ستم
وہ ہاتھ بھی بدن سے جدا ہو کے گر پڑا
تلوار ادھر لٹکتی ہی تھی اور ہاتھ ادھر
قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ گو مگر
چھیدے علم کی نوک سے دل پانچ چار کے
واں تھرتھرا کے رہ گیا بازو حسین کا
گھائل ہوا برادرِ خوش رو حسین کا
گویا علی کے دستِ مبارک قلم ہوئے
دانتوں سے جھک کے مشک کو پکڑا ابرو دیاں
یہ رعب تھا کہ ڈر سے نہ آتا تھا کوئی پاس
مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا
چھاتی پہ نیزے رکھ کے انہیں روکتے تھے سب
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز ہی غضب
ضربت لگی کہ کاسۂ سر چور ہو گیا
تسمہ نہ چھوڑا مشک کا دانتوں سے اس پہ بھی
ہرنے پہ سر پٹک دیا جب مشک چھد گئی
پانی گرا تو گھوڑے سے عباس گر پڑے
شبیر آئے نثار ہوا تجھ پہ جاں نثار
عاشق کو ہے ترے ترے آنے کا انتظار
آنکھیں تری طرف ہیں مرے نورِ عین کی

جس دم سنا حسین نے یہ نوحۂ پدر
گر کر اُٹھے سنبھل کے گرے شاہِ بحر و بر
واحسرتا جوان برادر بچھڑ گیا
زینب نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا
ہی ہی کا شور اہلِ حرم میں بپا ہوا
گھبرا کے بنتِ شاہِ مدینہ نکل پڑی
دریا پہ سر برہنہ شہِ بحر و بر چلے
اکبر سنبھالے باپ کو با چشمِ تر چلے
صدمہ ہی ضربِ غم سے دلِ پاش پاش ہے
صورت یہ شاہ کی ہی کہ زلفوں پہ خاک ہے
سوکھے لبوں پہ نالۂ روحی فداک ہے
دستِ یسار بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
جب پاؤں کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ
دریا نہ اتنا دور تھا ای میرے تنابِ ماہ
ہی دور یاں سے یا مرا بھائی قریب ہے
القصہ لائے باپ کو اکبر ترائی میں
پائی جو بوئے خونِ برادر ترائی میں
گزری تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے
منہ رکھ کے منہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
کیوں پتلیاں پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا
میرا بھی حلق خشک ہی خنجر کے واسطے

پٹکا عمامہ سرِ اقدس کو خاک پر
چلائے ہاتھ اکبرِ مہرو کا تھام کر
تھامو ہمیں کہ بندِ کمر کا اُکھڑ گیا
چلائے ای بہن مرا عاشق جدا ہوا
زہرا نے دی صدا کہ بڑا حادثہ ہوا
حضرت بڑھے نہ تھے کہ سکینہ نکل پڑی
صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے تھامے کمر چلے
یہ بھی چلے اُدھر شہِ والا جدھر چلے
رونے کو بھائی جاتا ہی بھائی کی لاش پر
آلودۂ غبارِ الم روئے پاک ہی
اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہی
شہ کو جھکے ہوئے علی اکبر سنبھالے ہیں
طاقت بدن کی لے گئے عباس آہ آہ
رستہ غلط کیا ہی کہ کچھ بڑھ گئی ہی راہ
کہتے ہیں وہ حضور ترائی قریب ہی
زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی میں
لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی میں
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے
ای شیر اے دلیر یہ بیکس ترے فدا
عباس میں حسین ہوں دیکھو مجھے ذرا
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو عنانِ توسنِ عمرِ رواں نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرام جاں نہ لو
مر جاؤں گا میں ساتھ اگر چھوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسِ نامدار
یہ موت زندگی ہی زہے فخر و افتخار
دیدار دیکھنے میں نہ آتا تو موت تھی

زانوئے پاکِ نورِ خدا اور سرِ حقیر
ذرّے کو مہر کر دیا اے آسماں سریر
پایا یہ اوج ماں کی نہ بابا کی گود میں

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
روشن ہو کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہیں زخمی بھی ہوتے ہیں

مولا کھڑے ہیں سامنے محبوبِ ذوالجلال
استادہ ہیں یہ حضرتِ شبیر نکو خصال
تنہا نہیں حضور بھلا کیوں اُداس ہیں

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہیں ہم کو سب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جاں بلب
کس کس کو رد کیجئے گا کہ اعدا کے ریلے ہیں

راحت کی راہ ہی سفرِ گلشنِ ارم
اب تک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہیں

ساتھی تھکا ہوا ہی رہِ کارواں نہ لو
لگتی ہی چوٹ دل پہ مرے ہچکیاں نہ لو
بھائی مرا تو رشتۂ جاں ٹوٹ جائے گا

آقا ہزار جانِ گرامی ترے نثار
نکلے جو گل کے سامنے بلبل کی جانِ زار
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

عالم کا بادشاہ کجا اور کجا فقیر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہی دمِ اخیر
معراج مل گئی شہِ والا کی گود میں

لیکر رسول جامِ شرابِ طہور آئے
ایسا نہ ہو سرور جو بالیں پہ حور آئے
میں اچھا تو تندرست ہوں کیوں آپ روتے ہیں

یہ رو رہے ہیں شیرِ الٰہی بصد ملال
یہ فاطمہ ہیں پہلو میں بکھرائے سر کے بال
جن کا غلام میں ہوں وہ سب میرے پاس ہیں

عباس چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہی غضب
اے جانِ فاطمہ جگرِ سیدِ عرب
صدمہ بڑا یہی ہی کہ حضرت اکیلے ہیں

صدمہ مگر یہی ہی روح پہ اے قبلۂ امم
الفت یہ آپ کی ہی کہ اٹکا ہوا ہی دم
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

یہ کہہ کے چپ ہوئے تھے کہ اُٹھا جگر میں درد
لیں کروٹیں تو بھر گئی زخموں میں رن کی گرد
دُنیا سے انتقالِ علمدار ہو گیا
بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اُتر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تنِ پاش پاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سُناؤ
زینب تمھیں بلاتی ہیں خیمے کے در پہ جاؤ
باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلا نہ ہو
کیا ہے جو آنکھ بند کیے ہو حیا سے تم
اکثر ہمیں بچاتے تھے لوں میں ہوا سے تم
ہے دوپہر کا وقت برادر پہ دھوپ ہے

اکبر نے رو کے عرض یہ کی اے شہِ زماں
لے چلیے گھر میں لاشِ علمدارِ نوجواں
دریا پہ ننگے سر کہیں بنتِ علی نہ آئے
سینے سے کی حسین نے اک آہِ دل خراش
اچھا بتاؤ تم کہ میں کیونکر اٹھاؤں لاش
کیونکر کہوں کہ لاشۂ عم گھر میں لے چلو

اکبر نے جب علم کو اُٹھایا بہ درد و آہ
ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یہ شاہ
ہے جس طرح زمانہ میں اندوہ و غم کا ساتھ

رخسارِ سرخ سُرخ جو تھے ہو گئے وہ زرد
منہ رکھ کے شہ کے پاؤں پہ کھینچی اک آہِ سرد
سردارِ فوج بیکس و بے یار ہو گیا
صدمہ غضب کا سبطِ نبی پر گزر گیا
چلاتے تھے کہ شبیر ہمارا کدھر گیا
اُٹھ اُٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاؤ
کب سے بلک رہی ہے سکینہ کو دیکھ آؤ
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؓ خفا نہ ہو
کیا کچھ خفا ہو سبطِ رسولِ خدا سے تم
ہم اٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قبا سے تم
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جاں
ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمہ سے بی بیاں
فضہؓ کو ساتھ لیکے سکینہ چلی نہ آئے
فرمایا ان کے بدلے ہمیں موت آتی کاش
سر چار پارہ ہاتھ جدا جسم پاش پاش
میت کے بدلے مشک و علم گھر میں لے چلو

رونے لگے پکار کے حالت ہوئی تباہ
باندھو علم میں مشک کہ اے میرے رشکِ ماہ
اب حشر تک رہے یہی مشک و علم کا ساتھ

اکبر نے عرض کی کہ چلیں اب شہِ زماں
واں بھی مرے لیئے وہی رونا ہے جو یہاں
اُٹھتے نہ تھے حسین برادر کو چھوڑ کر
ناچار اُٹھ کے واں سے امامِ امم چلے
اکبر تو آگے لیکے وہ مشک و علم چلے
جنگل میں شورِ نالہ و فریاد و آہ تھا
فضہ کھڑی تھی خیمے کے باہر جو بے خبر
پردہ الٹ کے خیمے کا بولی وہ نوحہ گر
اکبر علم لیئے ہیں علی کا نشاں نہیں
ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشاں
گویا کہ تھا شبیہہ الم بر سر نشاں
چھپتا جاتا تھا پھریرے میں روکا نپ کانپ کے
سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباس کٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے
ہر دل پہ برقِ رنج و غم و یاس گر پڑی
اکبر علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
چلاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں سے پائے
چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
لپٹی جو تھی علم سے سکینہ جگر فگار
پرچم میں یوں لپکتا تھا پنجہ وہ بار بار
تصویرِ حسرت و الم و یاس بن گیا

روکر امامِ دیں نے کہا جائیں اب کہاں
اپنا بھی گھر ہے اب یہی بھائی رہے جہاں
رکھا پسر نے پاؤں پہ سر ہاتھ جوڑ کر
فرمایا لو کہ ہم نگہبان ہم چلے
نہر نگلے پیچھے سرورِ عالی ہمم چلے
حضرت کے پیچھے اسپ علمدار شاہ تھا
حضرت کو اس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
سیدانیوں اٹھو علم آتا ہے خوں میں تر
کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجواں نہیں
تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشاں
ڈوبا تھا خوں سے پنجۂ پر نور و فر نشاں
رُتا ہے جس طرح کوئی منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
سیدانیوں کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
رنگ اُڑ گئے رخوں سے کلیجے الٹ گئے
بچوں ہمیت رو چِہ عباس گر پڑی
سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسین آئے
عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے ہائے
لو بی بیو ترائی میں رو آئے شبیر کو
ہے ہے علی کے لعل کی رانڈوں میں تھی پکار
سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
رایت بھی نخلِ ماتمِ عباس بن گیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباس کا یہ حال ، ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی کہ ای اسدِ کبریا کے لال ، میں سر کو پیٹتی ہوں تمھیں کچھ نہیں خیال
جاتا ہی یوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے ، مسکن کیا ترائی میں لونڈی کو چھوڑ کے

مرجائے گی کنیز جو صاحب جدا رہے ، وہ کیجئے کہ خلق میں ذکرِ وفا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آ رہے ، تھوڑی سی جا مرے لیے پائینِ پا رہے
بیٹوں کا قرب چاہتی ہوں نہ عزیز کا ، صاحب کی پائینتی ہو بھرنا کنیز کا

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھا گئی ، جاگے تمام رات کے تھے نیند آگئی
صورت تمھیں عروسِ شہادت دکھا گئی ، کیا خوش نصیب تھی کہ اجل تم کو پا گئی
ہم تیرہ بخت ہجر کی راتوں میں روئیں گے ، جاگے نصیب قبر کے آپ ہیں سوئیں گے

صاحب پکارتی ہی یہ لونڈی ادھر تو آؤ ، دامن قبا کا رکھ کے کمر میں علم اٹھاؤ
صورت کوئی نباہ کی میرے بتا کے جاؤ ، دنیا تو اب اجڑ گئی والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو موت ہمارا علاج ہی ، صاحب کے ہاتھ، ہاتھ پکڑنے کی لاج ہی

اللہ تھا یہ آج کی شب تک ہمارا پیار ، اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے مرے منہ کو بار بار
میں کہتی تھی کہ سو رہو اک آن میں نثار ، کہتے تھے وہ کہ اب یہی صحبت ہی یادگار
فرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں ، سونا تو حشر تک ہی یہ آرام پھر کہاں

میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب ، کیا تھی خبر کہ صبح کو بچھڑو گے ہی غضب
صاحب میں دونوں ہاتھوں کو جوڑتی ہوں اب ، تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب
چھوڑو نہ اس کو جس کا کوئی آسرا نہیں ، صاحب کے سلسلے میں کوئی بے وفا نہیں

یہ کہکے پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار ، زینبؓ نے شاہِ دیں سے کہا رو کے زار زار
وارث کے غم میں ہوتا ہی یہ حال میں نثار ، لے جائیے علم کو اب ای شاہِ نامدار
ماتم میں اور کوئی مصیبت گزر نہ جائے ، ڈر ہی مجھے کہ زوجۂ عباس مر نہ جائے

زینب سے روکے کہنے لگے سرورِ زمن
اب تو نہ فوج ہے نہ علمدارِ صف شکن
لو یہ نشانیِ شہِ دلدل سوار لو
جس دم سنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام
رایت لٹا کے خاک پہ کہنے لگے امام
پیاسے گلے کو خنجرِ خونخوار چاہیے
پُرخوں علم کے پاس تھے عباس کے پسر
ماں نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گہر
زلفوں پہ گرد تھی تو رخوں پر غبار تھا
چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
آیا علم پر اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا
اماں کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گزر گئے
دوڑا یہ سُن کے نہر کی جانب وہ بے پدر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
میّت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئینگے
بس اے انیس بس کہ دعا کا ہے یہ مقام
مدّاحِ آلِ پاکِ نبی تھا وہ خوش کلام
بندہ وہ کونسا ہے کہ جو بے قصور ہے

لیکر نشاں کو جائے کہاں اب بے وطن
گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ بس اے بہن
پٹکا علم سے کھول لو پنجہ اُتار لو
سر اُٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
بس الوداع اے علمِ سیدِ انام
بس اب مجھے علم نہ علمدار چاہیے
تکمے کھلے تھے کرتوں کے تھرّاتے تھے جگر
سہما ہوا تھا ایک تو اک ہٹ رہا تھا
چہروں سے دردِ بے پدری آشکار تھا
بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے اے چچا
چھوٹے سے روکے تب یہ بڑے بھائی نے کہا
بھیّا تمھیں خبر نہیں بابا تو مرگئے
روکر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائینگے
ہو مغفرت خلیق کی یاربِّ ذوالکرام
یارب یہی بزرگ کا یہ فیض ہے تمام
گر بخش دے تو کیا تری رحمت سے دور ہے

رباعی

عباس سا صف شکن نہ ہوگا کوئی
گردن پہ لگا تیر مگر لب نہ ہلے
اکبر سا بھی گلبدن نہ ہوگا کوئی
اصغر سا بھی کم سخن نہ ہوگا کوئی

مرثیہ (۹)

جب رن میں سر بلند علی کا علم ہوا
چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
وہ شان اُس علم کی وہ عبّاس کا جلال
پنجے پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
تھا پنجتن کا نور جو پنجے پہ جلوہ گر
ذرّے نثار کرتے تھے اُٹھ اُٹھ کے اپنا زر
اللہ ری چمک علمِ بوتراب کی
قربانِ احتشامِ علمدارِ نامور
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر
چھایا تھا رعب لشکرِ ابنِ زیاد پر
وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم
پنجے کی وہ چمک وہ سرافرازیِ علم
کیا رفعتِ نشانِ سعادت نشان تھی
پنجہ اُٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار
یہ شش جہت انھیں کے قدم سے ہی برقرار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولا کے نام سے

فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
پنجے پہ سات بار تصدّق حشم ہوا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا
نخلِ زمردی کے تلے تھا علی کا لال
غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کے اوج سے
اعمیٰ کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
تارِ نظر بنا تھا کرن آفتاب کی
رُخ پر جلالتِ شہِ مرداں تھی سر بسر
قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر سپر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر
وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
گرتی تھی برق فوجِ مخالف پہ دمبدم
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی
عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے آشکار
کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہوا ای قومِ نابکار
بیعت کرو حسینِ علیہ السّلام سے

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور
یارب رہے نگاہِ بد اس کی ضیا سے دور
جلوے ہیں سب محمد و حیدر کی شان کے
آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ
دیکھیں کسے کسے کہ ہر ایک ایک ہے شکِ ماہ
دیکھو انھیں دموں سے ہے رونق زمین کو
شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالمِ ایجاد زشت ہے
ہم شکلِ مصطفےٰ کا ہے کیا حسن کیا جمال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رخ یہ خال
اک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
لختِ دلِ حسن بھی ہے کس مرتبہ حسیں
یہ زلفِ مشک بیز یہ آئینہ جبیں
رخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
نامِ خدا ہیں عون و محمد بھی کیا شکیل
افروختہ ہیں رخ یہ شجاعت کی ہے دلیل
مثلِ علی ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
عباسِ نامور بھی عجب سج کا ہے جوان
حمزہ کا رعب صولتِ جعفر علی کی شان
کیوں کر نہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو
صلِ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنجتن کا نور
قربان اس جواں کے نثار اس نشان کے
دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
چن کر حسین لائے ہیں کس کس حسین کو
قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے
صبح جبیں ہے اور شبِ گیسو ہے بے مثال
یاقوت و مشک نرگس و نجم و مہ و ہلال
چہرہ نہ کہیے قدرتِ پروردگار ہے
جس کے چراغِ حسن سے روشن ہے زیب زیب
سرمایۂ خطا و ختن کائناتِ چیں
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی
اک مہرِ بے نظیر ہے اک بدرِ بے عدیل
ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
دونوں کے پنجوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے
نازاں ہے جس کے دوشِ منور پہ خود نشان
ہاشم کا دل حسین کا بازو حسن کی جان
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

اُس مہر کو تو دیکھو یہ ذرّے ہیں جس کے سب
ابرِ کرم غدیر ہو عجم خسروِ عرب
جنباں زبان خشک ہو ذکرِ الٰہ میں
کیا فوج تھی حسین کی اُس فوج کے نثار
جرّار و دیں پناہ نمودار و نامدار
فوجیں کوئی سماتی تھیں اُن کی نگاہ میں
ایک ایک مُلکِ جرات و ہمّت کا بادشاہ
آنکھیں غزالِ رشک مگر شیر کی نگاہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
وہ اشتیاقِ جنگ میں لڑکوں کے ولولے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے
اک اک رسولِ حق کی سحر کا چراغ تھا
اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیئے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیئے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
بچپن یہ خادمانِ اولوالعزم کے سنجائیں
تن تن کے رگیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالیئے
کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال
ہر وقت چاہیئے مردِ شیرِ ذوالجلال
اُترے ہی تیغ جن کے لیئے وہ دلیر ہیں

سرتاجِ آسمان و زمیں نورِ عرشِ رب
عالی ہمم امامِ امم شاہِ تشنہ لب
گویا کھڑے ہیں ختمِ رسل رزم گاہ میں
ایک ایک آبروئے عرب فخرِ روزگار
لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گلعذار
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیرِ الٰہ میں
کیوان خادم سپہر حشم عرش بارگاہ
وہ رعب جتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
ابرو ذرا جو ہل گئے تلوار چل گئی
بیتاب تھے کہ دیکھیئے تلوار کب چلے
سب فاطمہ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
جس پر علی نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا
یہ سمجھے نہ لیوینگے دم بے لہو پیئے
صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لیئے
آج آپ دیکھیئے گا تماشا لڑائی کا
جب چاہیں معرکہ میں ہمیں آپ آزمائیں
بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیئے
کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دمِ جدال
نعرے ابھی کریں تو ملے عرصۂ قتال
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

یہ چہچہے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباسِ نامدار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان
باتیں ہیں جز سے کم نہیں اللہ رے خوش بیان
کس دبدبہ سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں

زینب کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور
رخ پر جلالِ شیرِ خدا کا ہے سب ظہور
دونوں ہیں صاف حیدر و جعفر کے طور پر

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابنِ شہِ نجف
تھا بس کہ شوقِ جنگ ہر اک رشکِ ماہ کو

غصّے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
پاسِ ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
نامرد جو ہیں آنکھ چراتے ہیں مرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
چتون کسی کی شورِ دہل سے بگڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے

شبیر دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
یہ ننھے بچے رکیں گے بھلا فوجِ شام سے

یہ بھولے بھولے منہ یہ جواں مردیاں یہ شان
چلتی ہے ذوالفقارِ علی کی طرح زبان
گویا چلن لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں

مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
پر تو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برقِ طور
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی امنگ
بے چین ہو گئے فرس ابلق و سرنگ
پڑی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ چوم کے
ٹکڑے اڑائیں گے عمر و شمرِ شوم کے
دونوں کو چار کر کے بھریں گے نبرد سے

بل کھا گئے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
منہ سرخ ہو گیا شکنِ ابرو پہ پڑ گئی
غصّے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو

سنتے ہی یہ کلام جوانان نامور
کہتے تھے نیمچے لیے وہ غیرت قمر
سر کے نہ پھر دغا ہیں جو بڑھ کے قدم گڑے

عباس شہ سے کہتے ہیں بپھرے ہوئے ہیں شیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر
پاس ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ

کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
ہے مصلحت کہ دیجیے اب اذن کارزار
برہم ہیں سرکشی پہ سواران شام کی

جب روکتا ہوں اٹھتی ہیں اک آسماں سر پر
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکر شریر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں

اک اک جری کو نشۂ جرأت کا جوش ہے
ہر صف میں یا علی ولی کا خروش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے

حسرت سے کی سوئے رفقا شاہ نے نظر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر
یہ راہ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا

نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
یارب شکست کوفیوں کو دے ہمیں ظفر
جا کر دریا پہ اپنا علم گاڑ دے

تیر اس طرف سے آتے ہیں اب کس لیے ہے دیر
مولا غلام سے نہیں رکنے کے یہ دلیر
شیر خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

مرنے پہ ایک دل ہیں بہتر وفا شعار
ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
ہنگام جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

عالم ہے بیخودی کا یہ مرنے کا ہوش ہے
کہتے ہیں بار بار کہ سر بار دوش ہے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نامور
دربار مصطفیٰ میں وہی پہلے جائے گا

مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیرِ خشمگیں
برپا تھا شورِ حشر دلیروں کی حرب سے
اللہ رے جہادِ حبیب و زہیرِ قیں
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین
یوں جا کے روئے اُن کے تنِ پاش پاش پر
خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا
لڑکے جو باپ باپ کہی ہاتھوں سے کھو گئے
تھی قہرِ حق عقیل کے پوتوں کی کارزار
عزّت عرب کی کر گئے جعفر کے یادگار
فتح و ظفر تھی مثلِ علی اختیار میں
نکلے برادرانِ علمدارِ صف شکن
بے سر تھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
تھا چھوٹے بھائیوں کے لیئے مضطرب جو دل
نعرہ یہ تھا کہ شیرِ ہو ماں کا تمھیں بحل
یہ وقت آبرو ہی بڑی جد و کد کرو
اُلٹو پرے دلوں کو اور صفوں کو بچھا کے آؤ
جب باگ اُٹھاؤ فوج کے اُس پار جا کے آؤ
ہاں صفدر و نشاں نہ ہے فوجِ شام کا

اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوجِ کیں
تھرائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں
فوجیں تو کیا جہاں تہہ و بالا تھا ضرب سے
گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسین
جس طرح بھائی روتا ہو بھائی کی لاش پر
کانپا سپہرِ شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
گہہ رہ گئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
ٹکڑے حسن کی طرح کلیجے کے ہو گئے
شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں
دکھلا دیئے علی کی لڑائی کے سب چلن
لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پٹ تا تھا رن رن
عباس داد دیتے تھے ایک ایک وار کی
گہہ شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
شیر و رکیں نہ ہاتھ بدن گو ہو مضمحل
ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو
ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
یا مر کے آؤ یا انھیں رن سے بھگا کے آؤ
بیٹوں کو پاس چاہیئے بابا کے نام کا

رو کر حسین کہتے تھے بھائی سے دم بدم
جینے نہ دے گا آہ ہمیں بھائیوں کا غم
اب باپ کی جگہ شہِ عالی مقام ہیں
بے جاں ہوئے جو راہِ خدا میں وہ شیرِ نر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسن کا گھر
سب چل بسے نبی و علی پاس رہ گئے
آیا نظر جو لاشۂ نوشاہِ نیک خو
کی غیظ کی نظر طرفِ لشکرِ عدو
نکلی یہ بات جوشِ بکا میں زبان سے
بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا
حسرت یہ ہو کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
بھائی کے بعد ان سے ملی لذتِ حیات
خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات
صدمے بھلائے دل سے حسن کی جدائی کے
ہو ان کے اتحاد کا سب سے جدا مزا
ملنا ہو ان کی بات میں ہر دم نیا مزا
قایم رکھے خدا کہ علی کے نشان ہیں

دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
عباس عرض کرتے تھے اے قبلۂ امم
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں
حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سنر دو تن میں اکبر و عباس رہ گئے
اکبر کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
پہلو سے آ رہے روتے ہوئے شہ کے روبرو
قاسم کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے
سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
پہلو میں ابنِ عم کے ہماری بھی لاش ہو
خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
مر مر کے غم میں بھائی حسن کے جیئے ہیں ہم
عباس نامدار نہ ہوتے تو موت تھی
بیکس کے غم گسار تھے یہ یا خدا کی ذات
سویا جو میں تو ان کو کٹی جاگنے میں رات
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے
بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
اوجھل یہ آنکھوں سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

قوّت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور
ہوتا ہے زخمِ دل پہ نمک آنسوؤں کا شور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بےکس سنبھل گیا

بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشنِ جہاں
اُٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مسن نہیں

ان سے نشاں علی کا ہے تم سے ہمارا نام
میّت کے دفن کا بھی مناسب ہے اہتمام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو

کیجو نہ ذکرِ ہجر یہ صدمہ ہے دل خراش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو

اکبر نے سُن کے باپ سے یہ اشکِ خوں بہائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
دیتے ہیں جان اہلِ وفا نام کے لیئے

بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہم شکلِ مصطفا
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے

اُٹھیئے قدم سے آپ کی الفت کے میں نثار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نامدار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآب سے

بچھڑا جو ایک دم بھی تو پھر ہیں کنارِ گور
جب پتلیاں نہ ہوں تو چشمِ بشر ہے کور
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

گزرے بہارِ عمر کے دن آگئی خزاں
پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں

گھر مٹ گیا نبی کا جو دونوں ہوئے تمام
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
اندھیر ہے جو قبرِ پدر بے چراغ ہو

بہرِ پدر ہو کفن و گور کی تلاش
دو شخص چاہیئے کہ اُٹھائیں ہماری لاش
فرزند پائینتی ہو برادر سرہانے ہو

عباس بول اُٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اُٹھائے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لیئے

جھک کر کہا حسین نے بھائی یہ کیا یہ کیا
باتیں تو ان سے تھیں تمہیں کیوں غیظ آگیا
اچھا ہماری لاش کو اکبر اُٹھائیں گے

غصّے میں بھول جاتے ہو بھیّا ہمارا پیار
بے اذنِ جنگ سر نہ اُٹھائے گا خاکسار
پہلے مروں گا اکبرِ عالی جناب سے

صدقہ علی کی روح کا اکبر کو رو گئے
نورِ نگاہِ بانوے بے پر کو رو گئے

پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اُٹھائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مریں خیر جائیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجیے

عباس شہ کے گرد پھرے اُٹھ کے سات بار
بولا یہ پیک شاطرِ فوجِ ستم شعار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیک نام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے

دِل ہِل گئے سپاہ کے سُنتے ہی یہ خبر
ہل چل میں اُس طرف کے پرے ہو گئے اِدھر
پیچھے ہٹیں صفیں کہ تلاطم عیاں ہوا
ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال
اللہ رے ہیبتِ خلفِ شیرِ ذوالجلال
منہ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا

تھا شش جہت میں غل کہ یہ ہے روزِ انقلاب
اُس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہِ حجاز کا

دے کر قسم شبیہِ پیمبر کو رو گئے
اے آفتابِ دیں مہِ انور کو رو گئے

آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں
لیجئے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
اپنی سکینہ جان سے جا کر مل آئیے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے

بھائی کو گھر میں لیکے چلے شاہِ ذی وقار
لو اذنِ جنگ پا چکے عباسِ نامدار
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموسِ شاہ سے
نعرہ یہ دم بدم تھا کہ اب ہم ہوے تمام
اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

کانپے مثالِ بید جوانانِ پر جگر
ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
دریا جو باڑھ پر تھا وہ اُلٹا رواں ہوا
برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
کانپی زمیں کھڑے ہوئے ہیں تنوں کے بال
وشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

لُٹے گا اب میں کا ورق ابنِ بوتراب
بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے

تھی ابتری سپاہِ ضلالت شعار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدر کے لال کے

سرکردہائے فوجِ مخالف تھے بے حواس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے

اس فوج میں تو ہے یہ تزلزل یہ انتشار
مضطر ہیں بی بیاں شہ والا ہیں بے قرار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کیے ہوئے

منہ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بچشمِ تر
لٹتا ہے باپ تم کو سکینہ نہیں خبر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو

بھائی کے اضطراب میں زینب کا ہے یہ حال
عباس سے یہ کہتی ہے رو کر بصد ملال
کیا کہتے ہو سکینہ سے منہ موڑ موڑ کے

دیکھو تو حالِ سبطِ رسولِ فلک اساس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
عاشق ہو دلبرِ اسدِ ذوالجلال کے

بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اس قطار میں
وہ جائے امن ڈھونڈھتے تھے کارزار میں
نامرد منہ چھپاتے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
ضربِ علی ہے ضربِ علمدارِ حق شناس
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

ہتھیار ادھر لگاتے ہیں عباسِ نامدار
بھائی کے منہ کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لیے ہوئے

کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطانِ بحر و بر
جانے نہ دو وہ چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم یاس
قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
بازو قوی تمھیں سے ہیں زہرا کے لال کے

عباس کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں
الٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں
پہونچا ہی فیض سیّد خوشخو کے ہاتھ سے
رخصت طلب ہی شاہ سے اکبر سا لالہ فام
للّٰلہ رو کیئے نہ اب ای خواہر امام
بےکس ہوں ساتھ ماں نہیں پر پدر نہیں
باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینب جھکائے سر
چہرہ تو فق ہی گود میں ہی چاند سا پسر
موقع نہ روکنے کا ہی نہ بول سکتی ہی
کہتی ہی رو کے بانوے عالم سے بار بار
ہی لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کہیئے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجیئے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجیئے
اک دل ہی میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
عبّاس دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارا ہی بار بار
آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
کھولا ہی گوندھے بالوں کو صاحب نے کیا کیا
خیر النسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا
ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہی

کیونکر نہ حق امام زماں کا ادا کروں
یہ سر ہی اس لیئے کہ قدم پر فدا کروں
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے
شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
کیجیئے کہ بڑھے جس سے میرا نام
وہ امر
میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں
تھرا رہی ہی زوجۂ عبّاس نامور
مانع ہی شرم روتی ہی منہ پھیر پھیر کر
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہی
ہم کو تباہ کرتے ہیں عبّاس نامدار
کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار
اب عنقریب ہی کہ مرا گھر تباہ ہو
امداد بہر حضرت شبیر کیجیئے
پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجیئے
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں
ہوتا ہی تیر غم جگر ناتواں کے پار
شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہی بے قرار
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے
پیٹو نہ سر کو روتا ہی فرزند مہ لقا
شادی کا ہی مقام کہ ماتم کی ہی یہ جا
میری بھی آبرو ہی تمھارا بھی نام ہی

لو پوچھ ڈالو آنسوؤں کو بہرِ ذوالجلال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال
غم چاہیئے نہ آہ و بکا چاہیئے تمھیں

صدقے ہیں ابنِ فاطمہ پر مجھ سے سو غلام
کیا اشکِ خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام
پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہی
دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار
رہ جائے بات امر وہ کرتے ہیں ہوشیار
سو ایسے تفرقے ہوئے ہیں ایک آن میں

قاسم کو دیکھو جانبِ اکبر کرو نگاہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بی بیاں
جل جائے دل مگر نہ اُٹھے آہ کا دھواں
چرچا رہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی

شوہر نے یہ کلام کیے جب بچشمِ تر
ہتیار سج کے حضرتِ عباسِ نامور
صدمے سے رنگِ سبطِ نبی زرد ہو گیا
جوں جوں قریب آتے تھے عباسِ نامور
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر اِدھر اُدھر
ہے زیست تلخ فاطمہ کے نورِ عین کو

دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
قایم تمھارے سر پہ رہے فاطمہ کا لال
شہ کی سلامتی کی دُعا چاہیئے تمھیں

دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہی صبر کا مقام
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہی
آدابِ شہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بے قرار
دنیا ہی بے ثبات زمانہ ہی بے مدار
صاحب سدا کوئی بھی جیا ہی جہان میں

گزری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
کیا صابرہ ہی دخترِ شبیرؑ واہ واہ
آواز بھی بھلا کوئی سُنتا ہی رونے کی
ہوتا ہی صابروں کا مصیبت میں امتحاں
اُف کیجیو نہ منہ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں
چھوٹی بہو علی کی بڑا نام کر گئی

چُپ ہو گئی وہ صاحبِ ہمت جھکا کے سر
آئے قریب لختِ دلِ سیّد البشر
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا
بیتاب تھے حسین سنبھالے ہوئے جگر
جینے نہ دے گا آہ ہمیں صدمہ کمر
زینب کہاں ہو آ کے سنبھالو حسین کو

سب گھر کی بی بیوں کو کہو میرے پاس آئیں
گودی میں تشنہ کام سکینہ کو جلد لائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا جس دم مروں گا میں

یہ سُن کے ساری بی بیاں آئیں بحالِ زار
ای آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار
ہیں ذرّہ پروری کے چلن آفتاب میں

لڑکوں نے معرکے میں کیئے اپنے اپنے نام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوے گا یا امام
مشکل ہی ایسے وقت میں رُکنا دلیر کا

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم ای جناب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا

ساتھ آپ کے سہو نگا نہ گر قتل کی جفا
بیزار کیا نہ ہوگا دلِ شاہِ قل کفا
مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا

پالا ہی مجھ کو یاشہِ دلگیر آپ نے
بندھوائی ہی کمر سے یہ شمشیر آپ نے
وقتِ مدد ہی آج بھی امداد کیجیے

گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں
جینے نہ دے گا یہ غمِ جانکاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی

بانو کہاں ہیں نہ وجہ عباس کو بلائیں
کوچ اب جہاں سے ہی ہمیں سب آکے دیکھ جائیں
عباس سے ہر اک کی سفارش کروں گا میں

بولے قدم پہ جھک کے یہ عباسِ نامدار
ہل من مبارزہ کا اُدھر غل ہی بار بار
آقا یہ دیر کس لیئے خادم کے باب میں

کیا میں غلام خاص نہیں یا شہِ انام
کس کام کا جو آج نہ کام آئے گا غلام
آخر پسر ہوں شیرِ الٰہی کے شیر کا

خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابوتراب
زہرا سے بھی حجاب ہی شبّر سے بھی حجاب
مولا بتایئے کسے پھر منہ دکھاؤں گا

مجھ سے رسولِ پاک خوشی ہوں گے یا خفا
پھر فاطمہ کہیں گی مجھے صاحبِ وفا؟
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

کی ہی ہمیشہ پیار سے توقیر آپ نے
بخشی ہی سب میں عزت و توقیر آپ نے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجیے

مشکل ہی سخت ای مرے اللہ کیا کروں
چھٹتا ہی اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

غازی نے رکھدیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر
اے تن کی جان اے سببِ قوتِ جگر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
رونا ہوا۔ جھکا پئے تسلیم وہ جری
اِک آہِ سرد زوجۂ عباس نے بھری
سر سے ردا بھی دوش تک آکے گر پڑی
نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لیے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغِ دودم لیے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
آیا سجا ہوا وہ براقِ سمند سیر
ہوتا تھا اُس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
وہ زیبِ زین زین کی وہ ساز وہ پھبن
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے
بخشی جو صدر زیں کو ضیا خوش جمال نے
کس ناز سے وہ رشکِ غزالِ ختن چلا
خوشبو سے ارضِ پاک رہِ باغِ جناں بنی
جلوے سے راہِ دشتِ بلا کہکشاں بنی
سم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے

بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
یوں ہی خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
اچھا تمھارا کوچ مرا یا تراب ہے
سب روئے مشک دوشِ مبارک پہ جب دھری
صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی
مجرے کو آئی فتح سپاہِ حشم لیے
نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لیے
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا
تھا خود فلک پہ اُڑنے کو تیار مثلِ طیر
الحق سپاہ شر اُسے دیکھے تو یہ بخیر
ڈھونڈے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی
زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دلہن
سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا
نعلینِ پا کو فخر سے چوما ہلال نے
دُم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا
گرد اُڑ کے غازۂ رُخِ لیلیٰ وشاں بنی
ذرّے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
نقشِ سمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

وہ دبدبہ وہ سطوتِ شاہانہ وہ شباب
وہ رعبِ حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب
صورت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں

پہونچے جو دشتِ کیں میں اُڑاتے ہوئے فرس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راس و پیش و پس
رُک کے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا

بولے یہ بڑھ کے فوجِ مخالف سے پہلواں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزماجواں
بڑھ بڑھ کے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے

سنتے ہی یہ جلال میں آیا علی کا لال
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علی کے پسر وار پار ہیں

تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں
مہلت نہ ایک کو دمِ جنگ و جدال دیں
منہ دیکھتے رہیں جو نگہباں ہیں گھاٹ کے

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر
جب بان پڑا ہی کر دیئے ہیں خیموں کے ڈھیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں

تھرّا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
صولت میں فرد دخترِ جرأت میں انتخاب
شوکت پکارتی ہو کہ بیٹے علی کے ہیں

گھوڑے کو ہاتھ اُٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
ہاں آیئے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں
سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
اک دم میں چونٹیوں کی طرح ہونگے پائمال
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دریا نہیں کہ رُک گیا ہم ذوالفقار ہیں

شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
لے جائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

دادا شجاع باپ جواں مرد ہم دلیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
بیر الالم میں کون کے تلواریں ماری ہیں

جرأت جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں
سر کاٹتے ہیں پیر کے تیغوں کی آب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بارگاہِ فلک بارگاہ کے
دفتر الٹ دیئے ہیں عرب کی سپاہ کے

بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب
گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
اصغر کو گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب
کیا وقت ہے حسین کے بچوں پہ ہے غضب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوالِ آب
سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب
اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشانِ فوجِ پیمبر بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے
نیزے اٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثلِ شہِ قلعہ گیر آئے
گیتی ہلی غضب میں جنابِ امیر آئے
گھوڑا اڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا
یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرسِ تیز گام تھا
ششدر تھی موت چار طرف قتلِ عام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی
رف رف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
شوکت سوار میں شہِ دلدل سوار کی
حملوں میں شان سب اسدِ کردگار کی
چتون وہی غضب ہے وہی بے باکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

توڑا وہ مورچہ یہ صف الٹی ادھر پھرے
تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر پھرے
جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سرخ سرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رُخ کیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک جیا
اس پر بھی تشنگی میں نہ تسکین فری ہوئی

بے شک تھا ان کا ہاتھ امیر عرب کا ہاتھ
آئی اجل اُٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغ دو دم شانہ کاٹ کے
چلتا تھا مثل برق یمین و یسار ہاتھ
ان کی نہ ایک چوٹ نہ اُن کے ہزار ہاتھ
آواز شش جہت میں تگیر و بزن کی تھی

نعرہ جدا صدائے تکبیر و بدہ جدا
بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے زرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
جس کی طرف نظر دم جنگ و جدل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری
ایسے جری سے کس کو مجال مصاف تھی

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں
چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
نیزے اُدھر قلم تو ادھر برچھیاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم
جب سن سے سر پہ آئی کسی بد خصال کے

یاں سے وہاں گئے اسے مارا اُسے لیا
اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
گویا تھی آگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

پہونچا وغا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
شیر خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
کافی تھے سب کو تیغ دو دستی کے چار ہاتھ
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

گوشے کماں سے دور تھے گوشوں سے زہ جدا
نیزوں کو دیکھئے تو گرہ سے گرہ جدا
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے
کچھ ہٹ کے تیغ سے اُسی جانب اجل پھری
تلوار بھی گلوں کی طرف بر محل پھری
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
جھلی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
بولی اجل اب اُٹھ گئے تو پنجوں کے بل چلو
ترکش و نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
منہ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا
افشاں لہو سے شیر کا دستِ نکو ہوا
تھا خاتمہ سپاہِ جہنم مقام کا
وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار
عاری تھیں منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس
نیزے نہ تھے سناں پہ نہ پرچم نشان پر
نہ وہ علم سیاہ نہ وہ روسیاہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے
دکھلا دیا تھا خالقِ اکبر کے قہر کو
بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے
ہر جا یہ تیغِ شعلہ فشاں سدِّ راہ ہے
جنّات ڈر کے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے ہیں آج
ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہِ لعیں ہٹی
سہمے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
اللہ ری جنگِ شیر سلیمانِ کربلا
پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں

ظالم ہزار میں تھا جو بچتا وہ دو ہوا
ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ سرگرم جو ہوا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا
تھا اُس کے ہاتھ سے دلِ چار آئنہ فگار
خود اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا
بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
پیکاں نہ تیر پر تھا نہ چلّہ کمان پر
تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
سب چھاؤنی اُجاڑ محلے تباہ تھے
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو
اُس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
اس معرکہ میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
میں کیا ہوں جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج
یہ صف ہوئے پیادہ رو ہوئے ہمیں ہٹی
دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
دریا لہو کا کشتیِ گردوں پہ چڑھ گیا
چونٹی بھی ہو رہی جوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قومِ اشقیا
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بندوبست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑ کے آئے ہیں

دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
کس دبدبے سے جوہر تیغ علی دکھائے
فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے
اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے

بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شبیر نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

لب تشنہ تین دن سے ہیں گو ہے فرات پاس
چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
پر زہر ہے بغیر شہ آسماں اساس
مرتے ہیں آبرو پہ جوانان حق شناس

آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
بے ان کے آب خضر بھی ہووے تو خاک ہے

فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں
گویا خضر اتر گئے آب حیات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں

سیراب جب تلک کہ شہ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب
تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آ جاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب
کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب

عباس! آبرو میں ابھی فرق آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام
اُمڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہ شام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہ تمام

موجیں تھیں رود نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
پر واہ رے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم
کاندھے پہ مشک آب تھی پنجے میں تھا علم
دامن سے لگ کے ہاتھ اُلجھتا تھا دم بدم
کرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپ خوش قدم

اُڑا اڑ کے برچھیوں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں در آتے تھے ریت میں

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر

چلّا رہا تھا شمرِ جفا پیشہ و شریر

رُخ اس جری کا خیمے کی جانب سے موڑ دو

سُن کر زباں درازیِ شمرِ ستم شعار

تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار

تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر

کھائے اُدھر سے زخم جو کی اس طرف نظر

جب دم لیا تو سینے پہ سو تیر چل گئے

سینہ سپر تھا مشک پہ رو کے ہوئے تھے ڈھال

کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال

چاہو نچوں مشک لیکے جو تھوڑی بھی راہ ہو

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ کثیر

آ کر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر

چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے

اب یاں تو خاتمہ ہے سنو اس طرف کا حال

غم سے کمر جھکی ہوئی رُخ زرد جی نڈھال

گر گر اُٹھے تڑپ کے ادھر سے اُدھر گئے

فریاد کر کے دل کبھی تھاما جگر کبھی

گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی

کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جائی کے

کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر

جانے نہ پائے لختِ دلِ شاہِ قلعہ گیر

ہاں برچھیوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو

عبّاس مثلِ شیر جھپٹتے تھے بار بار

توڑی یہ صف اگر تو جمی دوسری قطار

بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

دَر پَے تھے اک جوان کے دو لاکھ اہلِ شر

کِس کِس کا وار رد کریں دیکھیں کدھر کدھر

پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

لڑنے میں بھی حسین کے بچّوں کا تھا خیال

فرزند کو سنبھالیے یا شیرِ ذوالجلال

ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

بس چور ہو گیا پسرِ شاہِ قلعہ گیر

تیورا گیا علی ولی کا مہِ منیر

پھیلا کے ہاتھ مشکِ سکینہ پہ جھک گئے

ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال

یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال

جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

پکڑی طناب خیمے کی گہ اور کمر کبھی

روئے پسر کے دوش پہ رکھ کے سر کبھی

رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

فرماتے تھے کراہ کے اکبر سے بار بار
کیسا یہ درد ہی کہ جگر کو نہیں قرار
واحسرتا کہ بےکس و بے یار ہو گئے

چلّاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ
بھیّا خدا کے واسطے اب چھپیاں نہ کھاؤ
پیاری تمھاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہی

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال
ڈیوڑھی میں اہلِ بیت ہیں سب کھولے سر کے بال
لب اُن کے اودے اودے ہیں منھ گورے گورے ہیں

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر
حضرت سے پوچھتی ہی سکینہ بچشمِ تر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئیں گے

گھیرے ہیں اُن کو لاکھ ستمگار ہائے ہائے
وہ کہتی ہی میں پانی سے گزری نہ مشک آئے
رکھے خدا جہاں میں علی کی نشانی کو

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
چلّائے بڑھ کے فوج سے وچاراہلِ شہر
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں

افشاں ہی سر کے خون کی چھینٹوں سے سب نشاں
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشاں
لاش اُن کی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے

شانے دبا دو ای علی اکبر پدر نثار
بازو کا زور لے گئے عباسِ نامدار
سر کس سے پیٹیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے

پہونچا ہی دم لبوں پہ ہمیں آکے دیکھ جاؤ
عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
لو تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہ نکلتی ہی

خیمے میں غش ہی زوجۂ عباسِ خوش خصال
پردے سے منہ نکالے ہیں اطفالِ خورد سال
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

اب پانی لیکے آتے ہیں عباسِ نامور
میرے چچا کب آئیں گے یا شاہِ بحر و بر
بہلاتے ہیں حسین کہ بی بی اب آئیں گے

مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
ہی ہی بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہِ بحر و بر
حضرت کہاں ہیں مر گئے عباسِ نامور
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہی ترائی میں

عباس کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشاں
کیوں ای حسین کون اُٹھائے گا اب نشاں
جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار
تن سے نکل کے آنکھوں میں آ گئی ہے جانِ زار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں

دیکھا جو در سے بنتِ علی نے یہ شہ کا حال
چلائی کون قتل ہوا ہے علی کے لال
دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو

خورشیدِ مشرقین زمانے سے اٹھ گیا
وہ عاشقِ حسین زمانے سے اٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو

اکبر کو ہاتھ اٹھا کے پکاری وہ سوگوار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدر کا نام لو

اکبر پدر کو نہر پہ تھامے ہوئے جو لائے
چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے
رو لیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو

اکبر نے شہ کے ہاتھ کو پکڑا بصد بکا
لیجے یہی ہے لاشِ علمدارِ باوفا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسین کو

آقا تمام ہوتا ہے یہ عبدِ جاں نثار
اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

گھر لٹ گیا ہے خاک اڑاتا ہوں بھائی جان
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
بھیّا نہیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں

ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال
مڑ کر کہا حسین نے عباسِ خوش خصال
زینب اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

حیدر کا نورِ عین زمانے سے اٹھ گیا
زینب ہمارا چین زمانے سے اٹھ گیا
دریا پہ روتے جاتے ہیں خدمت گزار کو

ہے ہے حسین ہو گئے بے یار و غمگسار
اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

غلطاں لہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے
فرق آ گیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
اکبر ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

رکھا چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
چلائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
بھیّا ذرا گلے سے لگا لو حسین کو

عبّاس ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہی غضب
لوٹا ہمیں رسول کی امت نے بے سبب
مرجائیں گے جلا دو ہمیں منہ سے بول کر
کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
ہی ہی دلیلِ مرگ ہی لکنت زبان کی

غش میں سُنی جو گریۂ شبیر کی صدا
آہستہ کی یہ عرض کہ ای سبطِ مصطفا
زیبا ہی نکلے جان اگر پیشوائی کو
یہ کہہ کے روئے شہ کی طرف کی نظر بغور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتولِ ظلم و جور
پتھرا کے چشمِ اشک فشاں بند ہو گئی

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ نیک نام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کلام
گردن پھری ہوئی سوئے سبطِ نبی رہی
ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہی
اب رخصتِ حسینِ علیہ السّلام ہی
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا

آگے تمھارے مرتے ہیں عباسِ با وفا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو

رہتی پہ دو طرف یہ تمھارا لہو ہی سب
بھیّا ہماری جان نکلتی ہی تن سے اب
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمھارا سر
ثابت ہوا کہ جلد ہی دنیا سے اب سفر
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہی جان کی

چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسِ با وفا
اس پیار کے نثار اس الطاف کے فدا
گویا رسول آئے ہیں مشکل کشائی کو
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کہو کچھ اور
لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
تھرّائے دونوں ہونٹھ زباں بند ہو گئی

گودی میں لیکے پاؤں دبانے لگے امام
تھرّائی لاش مر گئے عباسِ تشنہ کام
سوکھی زباں دانتوں کے نیچے دبی رہی
تم میں شریکِ روحِ رسولِ انام ہی
تاریخ آٹھویں ہی محرّم تمام ہی
جو سال بھر جیئے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

پُرسا نہ دینے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
زہرا ابھی کھلے سر ہیں قیامت کدہ بپا
دے لو جوان بھائی کا پُرسا حسین کو

پیٹو سروں کو ہوتا ہے اب مرثیہ تمام
رخصت طلب ہے باپ سے اکبر سا لالہ فام
مقتولِ ظلم و جور ہے اب جانِ فاطمہ
بس اے انیس روک لے اب خامے کی عناں
آنکھوں سے سامعیں کی بھی ہیں اشک خوں رواں
آنکھوں سے مس کروں ہیں مزارِ بتول کو

لپٹو ضریح پاک سے کہہ کہہ کے یا امام
خاموش ہیں حسین نہیں کرتے کچھ کلام
ہوتا ہے پنجتن کا کوئی دم میں خاتمہ
یہ غم ہے جاں گزا نہ کبھی ہوئے گا بیاں
خالق سے عرض کر کہ اے خلاقِ انس و جاں
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسول کو

سلام

خیالِ چہرۂ شہ وقتِ خواب رہتا ہے
سلامی ریش میں جب تک خضاب رہتا ہے
خدا کا قہر نبی کا عتاب رہتا ہے
ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑیے گردوں
جو دل جلے ہیں انھیں کا سخن ہے گرما گرم
زباں سوالِ نکیرین سے نہ بند ہوئی
کھلی ہیں مالکِ دفتر کے سامنے فردیں
لگا کے آتشِ قلب و جگر کو اشک نکل

تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے
اگر رہا تو بس اتنا شباب رہتا ہے
عدوِ علی کا ہمیشہ خراب رہتا ہے
یہ ظرف وہ ہے کہ جس میں گلاب رہتا ہے
مزا ہے سیخ پہ جب تک کباب رہتا ہے
خموش بھی کہیں حاضر جواب رہتا ہے
سیا قداں سے حساب و کتاب ہوتا ہے
دو آتشہ ہو تو برسوں گلاب رہتا ہے

بھری ہے کونسی یارب دلِ انیس میں آگ
کہ جس کی آگ سے دوزخ کباب رہتا ہے

مرثیہ (۱۰)

جب لاشۂ قاسم کو علمدار نے دیکھا
منہ بھائی کا رو کر شہِ ابرار نے دیکھا
تیغوں سے عجب سروِ رواں کٹ گیا آقا

بے چین کیا دل کو غمِ راحتِ جاں نے
دنیا سے کیا کوچ عجب سروِ رواں نے
ہم خلق سے پہلے نہ سفر کر گئے افسوس

پامال ہوا گھوڑوں سے تن وائے مصیبت
بیوہ ہوئی اک شب کی دُلھن وائے مصیبت
تازہ تمھیں پھر بھائی کا غم ہو گیا آقا

کیا کیا یورشِ فوجِ ستم دیکھ رہے ہیں
دل کو تہِ شمشیرِ دو دم دیکھ رہے ہیں
دُنیا غمِ نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہے

یاد آتی ہے بھائی کی وصیت مجھے ہر بار
فرمایا تھا خادم سے برادر نے بہ تکرار
جو اس پہ بلا آئے وہ رد کیجیو بھائی

تلوار چلی دل پہ بھتیجے کے الم سے
کچھ بس نہ چلا حکمِ شہنشاہِ امم سے
قاسم کے عوض تیغ و سناں کھا نہ سکے ہم

قبضے کی طرف غیظ سے جرّار نے دیکھا
کی عرض بڑا داغ ثنا خوار نے دیکھا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

کیا پیاس کی تکلیف سہی غنچہ دہاں نے
لوٹا یہ چمن فصلِ بہاری میں خزاں نے
جینے کے جو قابل تھے وہ یوں مر گئے افسوس

لوٹا گیا شادی کا چمن وائے مصیبت
بے شمع ہوئی قبرِ حسن وائے مصیبت
دو گھر ہوئے برباد ستم ہو گیا آقا

کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں
یہ ظلم ہے اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں
کیا جانے مرے مرنے میں کیوں دیر ہوئی ہے

قدموں سے دمِ مرگ جو لپٹا تھا یہ غمخوار
عباسِ دلاور مرے قاسم سے خبردار
ہر دکھ میں بھتیجے کی مدد کیجیو بھائی

ٹپکا کیا چہرے پہ لہو دیدۂ نم سے
دیکھا کیے کیا خوب حفاظت ہوئی ہم سے
پامال بھتیجا ہوا اور جا نہ سکے ہم

واللہ کہ قاسم کی بھی تقدیر تھی کیا خوب
سرسبز ہوا اسپرِ مسموم کا محبوب
منہ زینبِ ناشاد کو دکھلا نہیں سکتے
سمجھے شہِ والا یہ کنایہ یہ اشارا
ہم نے بھی تو صدمے سہے اور دم نہیں مارا
یوں خلق میں تاراج نہ ہو باغ کسی کا
سچ ہے کہ بڑا صبر کیا تم نے مری جاں
سر تن سے جو اترے تو ہو مشکل مری آساں
بھائی کی خوشی خلق میں سب کرتے ہیں بھائی
بیتاب ہے دل پیار کریں ہم تمھیں آؤ
خوش ہو کے رضا دو ہمیں آنسو نہ بہاؤ
داغِ غمِ فرزندِ جواں سہہ نہ سکیں گے
تھرّا گئے عبّاسِ علی سن کے یہ تقریر
آقا کے تصدّق سے ملی ہے مجھے توقیر
بخشش تو کریموں ہی کا دستور ہے آقا
سر دینے کو موجود ہوں اے کل کے مددگار
حضرت نے کہا واہ مرے مونس و غمخوار
آنکھیں نہ چراؤ کہ جگر بندِ علی ہو
عبّاس نے کی عرض کہ شرمندہ نہ کیجے
مارے گئے خویش و رفقا بھائی بھتیجے
مشہور رہے جرار غلام آپ کا سب میں

ساماں وہی ہو گیا جو تھا اُنھیں مطلوب
اک ہم ہیں کہ بہنوں سے خجل بھائی سے محجوب
بھاوج کے بھی پرسے کے لئے جا نہیں سکتے
رو کر کہا کیا خواہشِ تقدیر سے چارا
گودی کے پلے مر گئے گھر لٹ گیا سارا
اب ہم کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا
بھائی ہیں ترے ضبط کے اور صبر کے قرباں
اب آخری وقت اور یہ ہم پر کرو احساں
ہم تم سے صنارن کی طلب کرتے ہیں بھائی
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ غصّے سے چباؤ
فرزند کے صدمے سے برادر کو بچاؤ
اکبر بھی بجز اس امر میں کچھ کہہ نہ سکیں گے
کی عرض کلیجے پہ مرے چل گئی شمشیر
کیا آپ یہ فرماتے ہیں یا حضرتِ شبیر
میں آپ کو کچھ دوں مرا مقدور ہے آقا
جاں دینے میں صرفہ ہے نہ حجت ہے نہ تکرار
تم دیتے ہو کچھ ہم ہیں کسی شے کے طلبگار
دو رن کی اجازت تو میں جانوں کہ سخی ہو
امداد کا ہے وقت خبر بھائی کی لیجے
میں پاؤں پہ گرتا ہوں اجازت مجھے دیجے
عزت نہیں رہنے کی شجاعانِ عرب میں

گر آج نہ صدقے ہوا یہ عبد وفادار
پھر پیار سے دیکھیں گے مجھے حیدرِ کرار؟
ان قدموں کو چھوڑا ہی کبھی یاد تو کیجے
شہ نے کہا چل جائے گا جب حلق پہ خنجر
لٹنا ہیو نہ ہرا کی ردا میں تن بے سر
سمجھا ہیو ناموس شہنشاہِ زمن کو
عباس نے کی عرض بجا ہوتا ہے ارشاد
حضرت کی تو گردن پہ چلے خنجر فولاد
غارت کی خوشی لشکرِ بے پیر میں دیکھیں
یہ کہتے ہی عباس پہ رقت ہوئی طاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری
آزردہ نہ ہو منہ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
یہ کہہ کے سوئے خیمہ چلے روتے ہوئے شاہ
فضہؓ نے کہا زینب دلگیر سے ناگاہ
ہے ریش بھی تر اشکوں سے رخسار بھی نم ہے
زینب نے کہا خیر کرے خالق اکبر
فضہؓ نے کہا پیچھے ہیں عباس دلاور
روتا نہیں بے وجہ جگر بند نبی کا
یہ سن کے اڑا رنگ رخ آل پیمبر
یوں کہنے لگی زوجۂ عباس دلاور
بولیں کہ یونہیں حال مرا غیر ہے بی بی

فرمائیں گے کیا حق میں مرے احمد مختار
مخدومۂ کونین خوشی ہوں گی کہ بیزار؟
بعد آپ کے ہم کیا کریں ارشاد تو کیجے
مقتل سے اٹھانا مرے لاشے کو برادر
رکھیو تمھیں ہاتھوں سے ہمیں قبر کے اندر
پرسا مرا دینا مری ناشاد بہن کو
قابل اسی خدمت کے ہے یہ بندۂ ناشاد
ہم بیٹھ کے خیمے میں سنیں رانڈوں کی فریاد
عابد کا گلا طوق گلوگیر میں دیکھیں
اشک آنکھوں سے برسے صفت ابر بہاری
اچھا ہی ہووے گا جو مرضی ہے تمھاری
تم جس میں خوشی خیر ہمیں داغ ہی سہیں گے
عباس بھی تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ
میدان سے آتے ہیں ادھر سیدِ ذیجاہ
رومال ہے آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہے
ہے اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
فرمایا میں سمجھی سبب گریۂ سرور
سامان یہ ہے رخصت عباس علی کا
بانو علی اکبر کے لئے ہو گئی مضطر
کیوں خیر تو ہے کیا ہوا اے شاہ کی خواہر
کھل جائے گا جو ہوئے گا ہاں خیر ہے بی بی

یہ کہہ کے چلی جانبِ درِ شاہ کی ہمشیر
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
اک ہاتھ سے لیں سبطِ پیمبر کی بلائیں
خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا
فرمانے لگے رو کے شہِ یثرب و بطحا
یہ روتے ہیں حیران جنھیں سمجھاتے ہیں بھینا
بچّوں کا نہ صدمہ ہے نہ رونے کا مرے غم
سمجھاؤ تمھیں کچھ انھیں اے ثانیِ مریم
یہ غیظ میں رکتے نہیں روکے سے کسی کے
سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا
ہے درپئے آزار و جفا لشکرِ اعدا
حجت انھیں کچھ جانے نہ جانے میں نہیں ہے
دے رب کو خدا خلق میں اس طرح کا بھائی
غصّہ ہے انھیں یہ کہ اجازت نہیں پائی
تھوڑے سے ہیں الم اور یہ غم کھانے نہ دونگی
ساتھ ان کے اگر آج نہیں مادرِ غمخوار
ہر وقت یہ ہیں آپ کی راحت کے طلبگار
جو ہوتا ہے ارشاد بجا لاتے ہیں عباس
حضرت نے اشارہ کیا تم بھائی کو سمجھاؤ
لیجا کے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رُلواؤ
تم پاس نہ ہو گے تو کدھر جائیں گے شبیر

داخل ہوئے ڈیوڑھی میں اُدھر حضرتِ شبیر
کس شوق سے آئی وہ قریبِ شہِ دلگیر
اک ہاتھ سے عباسِ دلاور کی بلائیں
جوڑی یہ سلامت رہے اے خالقِ یکتا
بس آج تلک ساتھ تھا اب ہوتے ہیں تنہا
بھائی تو ہمیں چھوڑے چلے جاتے ہیں بھینا
مل جائے رضا رن کی تقاضا ہے یہ ہر دم
مرجائیں گے عباس تو جینے کے نہیں ہم
کہتے ہیں چلا جاؤنگا رونے پہ علی کے
بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی ان سے نہ ہوگا
اس وقت میں عباس تمھیں چھوڑیں گے تنہا
ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہے
جرّار و فادار مددگار فدائی
کیا سہل ہے آغوش کے پالے کی جدائی
رخصت بھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دونگی
پالا ہے انھیں گود میں کیا میں نہیں مختار
میں اُن سے نہ بگڑوں جو کریں جانے میں تکرار
کیوں آپ ہیں بیتاب کہاں جاتے ہیں عباس
زینب نے کہا آؤ میں قربان گئی آؤ
تم کو سرِ زینب کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
ہتھیار تو کھولو نہیں مرجائیں گے شبیر

عباس نے رو کر کہا اے ثانیٔ زہرا
سر دینے کو میداں میں چلے تھے شہِ والا
مر جانے سے میرے کوئی برباد نہ ہوگا
خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا
نہ دین میں توقیر نہ دنیا میں ٹھکانا
جراروں کے سر جسم پہ محسن کے لیئے ہیں
آگے مرے گر قتل ہوئے حضرتِ شبیر
حضرت کا تو کیا ذکر ہے اے خواہرِ دلگیر
اس گھر کی غلامی مجھے منظورِ نظر ہے
روکو نہ مجھے سیدِ ابرار کا صدقہ
کچھ سعی کرو حیدرِ کرار کا صدقہ
میداں میں بڑی بے ادبی کرتے ہیں اعدا
کچھ سوچ کے زینب نے کہا اے مقدر
یاں ان کا یہ اصرار ہے واں روتے ہیں سرور
سمجھانے کو بھیجا ہے مجھے شاہِ زمن نے
یہ کہہ کے گئی شہ کے قریں زینبِ بے پر
حضرت نے اشارہ کیا کیوں کیا ہوا خواہر
منظور ہے صدقے ہوں شہنشاہِ امم پر
روتے ہیں کہ ہم جیتوں میں اب جو نا ہوں محجوب
خیر اب وہی کیجیے کہ جو کچھ ان کو ہے مطلوب
تنہائی کا کچھ غم نہیں راضی برضا ہیں

مر جانے میں عزت ہے نہ جاؤں تو کروں کیا
رکتے نہ جو میں پاؤں پہ آقا کے نہ گرتا
شبیر نہ ہوں گے تو گھر آباد نہ ہوگا
فرمایئے پھر کیا کہے گا مجھ کو زمانا
جانا مرا بہتر ہے کہ شبیر کا جانا
اچھا جنھیں پالا ہے وہ کس دن کے لیئے ہیں
صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گی ہمشیر
مر جاؤں میں اکبر پہ جو تولے کوئی شمشیر
وہ بھی مرا آقا ہے کہ آقا کا پسر ہے
سر دینے دو کونین کے سردار کا صدقہ
دلوا دو رضا احمدِ مختار کا صدقہ
اکبر سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا
دلوادوں رضا بھائی سے میں بھائی کو کیونکر
جینے کے نہیں جبر سے راضی بھی ہوئے گر
فرمائیں گے کھویا مرے بھائی کو بہن نے
عباس بھی ہمراہ تھے ہنوڑائے ہوئے سر
کی عرض نہیں مانتے عباسِ دلاور
سمجھاتی ہوں جب میں تو یہ گرتے ہیں قدم پر
معلوم ہوا یہ نہ رکیں گے کسی اسلوب
حضرت نے کہا رو کے بہت خوب بہت خوب
بندے کے تو سب امر محول بخدا ہیں

فرما کے یہ ارشاد کیا آؤ برادر
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاؤ برادر
مشتاق ہو جس کے بھتیجے وہ باغ مبارک
عباس گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
بانو نے کہا غش سے سکینہ کو جگا کر
اس طرح جو شاہِ شہدا روتے ہیں بی بی
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس
زینب نے کہا آئی ہو لو عاشقِ عباس
بہتے تھے جو آنسو خلفِ شیرِ خدا کے
عباس نے رو کر کہا کیا چاہیئے جانی
عباس نے فرمایا بصد اشک فشانی
لو گود سے اترو تو ہم اب جائیں سکینہ
یہ سنتے ہی اس پیاس میں اک جان سی آئی
یوں کہنے لگی رو کے وہ شبیر کی جائی
جلد آؤ گے دریا سے یہ فرما کے سدھارو
عباس نے کی عرض کہ دریا نہیں کچھ دور
اور آ گئے مری جان جو اللہ کو منظور
تقدیر سے کیا زور ہے سقائے حرم کا
بابا سے یہ کہنے لگی وہ حور شمائل
ہر چند کہ بے آب مری زیست ہے مشکل
حضرت نے سنیں حضرتِ عباس کی باتیں

شبیر کی چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
لو داغِ جوانی ہمیں دکھلاؤ برادر
شبیر کے سینے کے لیئے داغ مبارک
رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر
سر ور سے علمدار جدا ہوتے ہیں بی بی
اودے ہوئے جاتے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس
عباس نے گودی میں لیا آ کے بصد یاس
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی منہ سے چچا کے
شرما کے سکینہ نے یہ کی عرض کہ پانی
اللہ بجھائے گا تری تشنہ دہانی
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہ
فضہ گئی اور دوڑ کے مشکیزے کو لائی
میں رن میں چلی آؤں گی گر دیر لگائی
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھارو
مشکیزہ بھرا اور پھرے خرم و مسرور
مانع ہوئی آنے میں اگر موت تو مجبور
وعدہ کریں کیونکر کہ بھروسا نہیں دم کا
کیوں مشک اٹھیں دوں کہ نہ دوں اے شہِ عادل
صدقے گئی سینے میں دھڑکتا ہے مرا دل
ماتم کی خبر دیتی ہیں یہ یاس کی باتیں

بیٹی کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ذی جاہ
تم پیاسی ہو کس طرح تمھیں منع کروں آہ
پانی کی تو ہوتی ہی بہشتی کو بڑی چاہ
دو مشک انھیں خیر جو کچھ مرضیِ اللہ
کام ان کا تو ہی کوشش و تدبیر سکینہ
آگے تری قسمت تری تقدیر سکینہ

یہ سن کے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم
آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ ہوئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم
عباس چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

مجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
ہاتھوں پہ فدا ہونے کو فیض و کرم آئے
غیظ و غضب و قہر و تہور بہم آئے
چوما ظفر و فتح نے دامانِ علم کو
اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت نے قدم کو

جرأت کو یہ تھا فخر کہ ہمراہ ہوں میں بھی
ہمت کا سخن تھا کہ ہوا خواہ ہوں میں بھی
صولت یہ پکاری کہ فلک جاہ ہوں میں بھی
شوکت نے کہا خادمِ درگاہ ہوں میں بھی
کہتا تھا حشم وجد ہو یہ حال مرا ہے
عزت نے کہا اوج پہ اقبال مرا ہے

استادہ ہوا در پہ جو وہ رکنِ معظم
دونی درِ دولت کی بزرگی ہوئی اس دم
تھا متصل برجِ شرف نیرِ اعظم
عالم کو نظر آنے لگا نور کا عالم
گردوں پہ مہ و مہر بھی چکر میں پڑے تھے
گویا کہ علی عرش کے پہلو میں کھڑے تھے

اسواری غم خوارِ امامِ زمن آئی
یا بادِ صبا ناز سے سوئے چمن آئی
جب گرد اٹھی بوئے گلِ یاسمن آئی
گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زیور دلھن آئی
آمد درِ دولت پہ ہوئی کبک دری کی
مرغانِ ہوا بھول گئے چال پری کی

گھوڑے پہ چڑھے حضرتِ عباسِ فلک جاہ
روحِ اسد اللہ علی شیر کے ہمراہ
جاسوس نے دی جا کے خبر فوج کو ناگاہ
آتا ہے بڑا شیر دلاور سوئے جنگاہ
اس سج کا جواں غرب سے تا شرق نہیں ہے
حیدر میں اور اس میں سر مو فرق نہیں ہے

داؤدی زرہ ہو اسی انداز سے بر میں ۔ ہتھیار اسی شان سے باندھے ہیں کمر میں
غصہ وہی چتون میں وہی رعب نظر میں ۔ برپا تھی قیامت شہِ ذی جاہ کے گھر میں
جس دم یہ چڑھا گھوڑے پہ غش کر گئے شبیر ۔ ہم کو تو یقیں ہو گیا تھا مر گئے شبیر

جاسوس یہ کہتا تھا کہ صفدر نظر آیا ۔ جرار و وفادار و دلاور نظر آیا
بپھرا ہوا مقتل میں غضنفر نظر آیا ۔ سب فوج کو نورِ رخِ حیدر نظر آیا
گردوں پہ ہوا غل کہ یہ قدرت ہے خدا کی ۔ دی خاک کے ذروں نے صدا صلِ علیٰ کی

غازی کی وہ شوکت وہ شکوہِ علمِ نور ۔ کہتی تھی یہ گیتی کہ انا الطور انا الطور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے موئے سرِ حور ۔ ہم پنجہ ہو پنجے سے یہ کیا مہر کا مقدور
دکھلاتا تھا سرسبزیِ افلاک پھریرا ۔ تھا دامنِ مریم کی طرح پاک پھریرا

زر ریز تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خردمند ۔ یہ ہاتھ سخی کا ہے نہ ہووے گا کبھی بند
تھی اس کی ضیا آئنۂ مہر سے دہ چند ۔ کرتا تھا ستاروں کو فلک فخر سے اسپند
سب فوجِ ملائک کی نظر اس سے لڑی تھی ۔ اوڑھے ہوئے ایک سبز ردا حور کھڑی تھی

اللہ رے اوجِ علمِ لشکرِ شاہی ۔ تھا زیرِ نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
پنجہ جو ہلا پھیل گیا نورِ الٰہی ۔ دامن جو کھلا رنگِ زمیں ہو گیا کاہی
سبزیِ حسن سرخیِ رنگِ شہِ دیں تھی ۔ سونے کا فلک تھا تو زمرد کی زمیں تھی

غل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا ۔ زر ریز ہے پنجہ کرم ایسا نہیں دیکھا
اقبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا ۔ سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
طوبیٰ ہو تو ایسا مہِ کامل ہو تو ایسا ۔ ایسے علمِ نور کا حامل ہو تو ایسا

ناگاہ بڑھے حضرتِ عباس فلک جاہ ۔ ذروں میں چلا مہر ستاروں میں چلا ماہ
اشعارِ رجز تھے کہ چلی سیفِ یداللہ ۔ ہٹنے لگے ڈر ڈر کے صفِ جنگ سے روباہ
دم بند تھے دہشت سے فصیحانِ جہاں کے ۔ کہتی تھی فصاحت کہ نثار اس کی زباں کے

نعرہ تھا کہ میں شیرِ نیستانِ علی ہوں
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی ہوں
گھر ہے وہ مکاں برجِ شرف کہتے ہیں جس کو
پڑھ کر یہ رجز میان سے لی تیغ جری نے
رہوار پہ اسپند کیا کبکِ دری نے
اُڑ کر گیا اور بھر کے طرارہ نکل آیا
گھوڑے کو اُدھر سے جو پلٹ کر اِدھر آئے
گویا کہ علی لشکرِ ہیجا میں در آئے
تلوار کی بجلی جو گری کوندکے رن میں
اُس صف سے جھپٹ کر صفِ ثانی پہ جب آئے
غل پڑ گیا بھاگو کہ امیرِ عرب آئے
جھونکا جو چلا صرصرِ شمشیر کا سن سے
میداں سے کیا ڈر کے سلامت نے کنارا
خود امن نے گھبرا کے اماں کو یہ پکارا
پھر وقت نکل جائے گا اصلا نہ ملے گا
شمشیرِ علمدار کی تیزی کا بیاں ہے
ڈھالوں کو سمجھتی تھی وہ بجلی کہ دھواں ہے
کیا قبضے سے اُس برقِ جہاں سیر کے نکلے
بجلی کی طرح ڈوب کے جوشن سے نکل جائے
اسوار کا کیا ذکر ہے توسن سے نکل جائے
جب تاب نہ کسا وہ کبھی جھکتے نہیں دیکھا

جرار ہوں صفدر ہوں شجاعِ ازلی ہوں
میں جوششِ بازوے ولی ابنِ ولی ہوں
بیشہ ہے وہ اپنا کہ نجف کہتے ہیں جس کو
جلوہ کیا پردے سے نکلتے ہی پری نے
بوسہ دیا قدموں پہ نسیمِ سحری نے
تلواروں کے جنگل سے چکارہ نکل آیا
یوں آئے کہ روباہوں پہ جوں شیرِ نر آئے
سر خاک پہ گرتے ہوئے پیہم نظر آئے
آخر صفِ اوّل ہوئی اک چشم زدن میں
معلوم ہوا شیر کے پنجہ میں سب آئے
کیا ہو سکے جب فرق پہ برقِ غضب آئے
ڈھالیں تو اُٹھی رہ گئیں سر اُڑ گئے تن سے
راحت نے کہا غیرِ فرار اب نہیں چارا
لشکر سے چلو اب نہیں یاں کام ہمارا
لاشوں کے ہوئے ڈھیر تو رستا نہ ملے گا
بلبتیں ہیں دو پارا کہ قلم سیفِ زباں ہے
چار آئینہ کیا یہ مہِ نو ہے وہ کتاں ہے
فولاد کا دریا ہو تو وہ پیر کے نکلے
چار آئینہ کیا قلعۂ آہن سے نکل جائے
سنسان ہو وہ راہ جدھر سن سے نکل جائے
ہاں سیل رکے پر اُسے رکتے نہیں دیکھا

خاک اُڑ گئی اُس صف کی جدھر سن سے چلی وہ
اسوار کا گرنا تھا کہ توسن سے چلی وہ
تھی رویت میں جب توسنِ چالاک سے نکلی
آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی بلا تھی
روکے کوئی کیا باڑھ نہ تھی سیلِ فنا تھی
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے

کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغ زن اُس کا
تاریک تھے ہیں اور وہ تاباں بدن اُس کا
ہے صاحبِ جوہر کا محل چرخِ بریں پر
غل تھا یہ کسی تیغ میں چم خم نہیں دیکھا
لشکر کا لہو پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
پھر کیا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہے

دشمن کو ہوا لگ گئی اُس کی جو قضا را
گھاٹ اُس کا نہ تھا بحرِ فنا کا تھا کنارا
دریا بھی تلاطم میں رہا کاٹ سے اُس کے
وہ برق ہے جو خرمنِ ہستی کو جلا دے
وہ شعلہ ہے جو تیغِ دو دستی کو جلا دے
ہے دور سے برچھی تو برابر سے چھری ہے

اک آفتِ نو لشکرِ سفاک پہ آئی
گہہ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی
ہر صف کا یہ احوال تھا اس تیغِ دو دم سے
خود و سر و رو کاٹ کے جوشن سے چلی وہ
دو کر کے زرہ سینۂ دشمن سے چلی وہ
کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی

بجلی تھی کٹاری تھی قرولی تھی قضا تھی
پشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
ناب اُس کی نہ تھی مانگ نکالی تھی پری نے
قامت میں کجی چال میں وہ بانکپن اُس کا
چلتی تھی سروں پر یہ نیا تھا چلن اُس کا
رکھا ہے مہِ نو نے کبھی پاؤں زمیں پر

بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا
ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا
اس تیغ کے کاٹے میں کہیں لہر نہیں ہے
سمجھا وہ کہ شہپرِ ملک الموت نے مارا
بے تن سے سر اُترے ہوئے مشکل تھا اُتارا
اُبھری نہ کوئی کشتیِ تن گھاٹ سے اُس کے

وہ آگ ہے جو شام کی بستی کو جلا دے
چمکے جو بلندی پہ تو پستی کو جلا دے
سچ کہتے ہیں تلوار کی بھی آنچ بُری ہے
جس صف پہ گری تیغ وہ صف خاک پہ آئی
دو ہو گیا جس ظالمِ ناپاک پہ آئی
جس طرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

سالم صفِ ہیجا میں کسی سر کو نہ چھوڑا
جوشن کو، کمر بند کو، بکتر کو نہ چھوڑا
لوہے کو چبانے کی صدا اچھی لگی اُس کو
لڑتا ہوا پہونچا لبِ دریا جو وہ جرار
کُہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار
دِل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
گو پیاس سے تڑپا دلِ عباسِ خوش اطوار
اُس وقت میں ہوا بھی ہوتے تھے وفادار
سمجھا کہ خجل ہوگا بہت پیاس بجھا کے
ڈھیلی کی لگام اُس کی کئی بار یہ کہہ کر
کی عرض کہ ای لختِ دلِ ساقیِ کوثر
پانی پیئے کس طرح علمدار کا گھوڑا
یہ سُن کے علمدار کی آنکھیں ہوئیں پُر نم
منہ باندھ کے تسمے سے کہا دوشِ تیغ جبر و م
تو مشک کا حافظ ہے نگہباں ہے علم کا
کیا قہر کا دریا تھا جسے جھیل کے آیا
ہر چند کہ دو روز سے قطرہ نہیں پایا
صابر ہوں کہ آغوش میں صابر کی پلا ہوں
یہ کہہ کے چلے نہر سے عباسِ فلک جاہ
پھر آگئے دریا پہ صفیں باندھ کے روباہ
رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباس

سر کیا ہے کہ بے ڈوبے پیکر کو نہ چھوڑا
چار آئنہ کو، ڈھال کو، مغفر کو نہ چھوڑا
جس چیز پہ منہ ڈال دیا کھا گئی اُس کو
تھا دستِ مبارک میں علم ہاتھ میں تلوار
چھیڑا جو ذرا اُڑ کے گیا نہر میں رہوار
تر ہوگئی چھینٹوں سے زرہ جسمِ جری کی
بھولے نہ مگر تشنگیِ سیدِ ابرار
پانی سے اُٹھائے رہا منہ اپنا وہ رہوار
ہمت اسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے
تو پی لے کہ پھر پانی نہ ہووے گا میسّر
دو روز سے ہے تشنہ جگر آلِ پیمبر
پیاسا ہے ابھی سیّدِ ابرار کا گھوڑا
سیراب کیا مشک کو سکینہ کو بصد غم
کی عرض مدد کیجیو ای حافظِ عالم
یا رب میں بہشتی ہوں پیمبر کے حرم کا
لاکھوں سے لڑا اور کوئی زخم نہ کھایا
پر نہر کے پانی کو میں لب تک نہیں لایا
جس حال سے آیا تھا اُسی طرح چلا ہوں
جاری تھا زباں پر کہ توکّلتُ علی اللہ
غل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ
خود ڈوب کے اِس نہر میں مر جائیں گے عباس

ساحل پہ ہوئی قتلِ علمدار کی تدبیر
تھے گھاٹ کو تلواروں سے روکے ہوئے بے پیر
یہ حال تھا ضیغم دمِ جنگ آتا ہے جیسے
لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا
ڈر سے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا
یوں جاتے ہیں اُس نہر سے یوں آتے ہیں غازی
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاتے ہیں غازی
رکتے نہیں یوں حکمِ خدا روکے تو روکے
یہ کہہ کے ترائی سے بڑھا شیرِ دلاور
غل تھا کہ نہیں رکنے کا یہ عاشقِ داور
سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا پیچ پڑے گا
دو لاکھ کے حلقے نے علمدار کو گھیرا
جو بھاگے تھے اُن لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا
تلوار سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباس
لکھا ہے کہ اک تھا ابنِ ورقہ ستم آرا
بے دست ہوا حیدرِ کرّار کا پیارا
دیکھو تو ذرا جرأتِ سقائے حرم کو
جس وقت گرا خاک پہ جھک کر علمِ شاہ
اس وقت پہ بھی تیغ چلی پشت سے ناگاہ
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گئے عباس

ترکش کے دہن کھل گئے چلّوں سے ملے تیر
عباس بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یوں آتے تھے ساحل پہ نہنگ آتا ہے جیسے
بادل کو ہٹا کر مہِ انور نکل آیا
دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
تلوار اُٹھا کر کہا کیوں ہم کو نہ روکا
لاکھوں ہیں تو ہوں دھیان میں کب لاتے ہیں غازی
جب بات پہ آتے ہیں تو مر جاتے ہیں غازی
کیا روکو گے تم ہاں جو قضا روکے تو روکے
پستی سے نمایاں ہوا گویا شہِ خاور
لو جاتا ہے دریا سے شجاعت کا شناور
پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا
وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
پڑھ پڑھ کے عامنک دم کرتے تھے عباس
تیغ اُس کی لگی دوشِ مبارک پہ قضا را
احمد کا نشاں خون میں تر ہو گیا سارا
تا دیر کٹے ہاتھ سے چھوڑا نہ علم کو
کس یاس سے عباسِ علمدار نے کی آہ
دونوں نہ رہے دستِ جگر بندِ ید اللہ
بازو جو کٹے سروِ رواں بن گئے عباس

یاں کی تو یہ صورت تھی سنو حال اُدھر کا
عریاں ہی سر فاطمہ زہرا کے پسر کا
ہیہات کٹے ہاتھ شجاعِ ازلی کے
مجمع حرمِ شاہ کا ہی خیمے کے در پر
تھرّا رہی ہی زوجۂ عباسِ دلاور
مائیں جو تڑپتی ہیں تو جی کھوتے ہیں بچّے
غش ہی کوئی سامانِ عزا کرتی ہی کوئی
تسبیح لیئے ذکرِ خدا کرتی ہی کوئی
دکھ پہنچے نہ کچھ بازوئے شاہِ شہدا کو
زینب کا یہ نقشہ ہی کہ چادر نہیں سر پر
چھائی ہی اُداسی شہِ مظلوم کے گھر پر
صدمہ یہ ہی کچھ کہہ نہیں سکتی ہی سکینہ
کہتی ہی کبھی ننھے سے ہاتھوں کو وہ مل کر
اب منہ نہیں دکھلائے گی بابا کو یہ دختر
پھر گھر میں نہ اس چاند سی تصویر کو دیکھا
میں کس سے کہوں کون ہی جو نہر پہ جائے
کس کام کا پانی ہی جو وہ پھر کے نہ آئے
کہدے کوئی دُنیا سے سفر کر گئی وہ تو
یہ ذکر تھا جو شور اُٹھا فوج سے یکبار
اب پائیں گے شبیر کہاں ایسا مددگار
گم ہوگیا نور آج امامِ ازلی کا

سب گھر تہ و بالا ہی شہِ جن و بشر کا
فرماتے ہیں لو ٹوٹ گیا بند کمر کا
کانوں میں صدا آتی ہی رونے کی علی کے
سیدانیاں سب پیٹتی ہیں کھولے ہوئے سر
فرزند تو ہی گود میں سر پہ نہیں چادر
منہ دیکھتے ہیں رانڈوں کا اور روتے ہیں بچّے
ششدر کوئی بی بی ہی بکا کرتی ہی کوئی
ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ دُعا کرتی ہی کوئی
یا رب تو بچا لیجو سکینہ کے چچا کو
گہہ خیمے میں آتی ہیں کبھی جاتی ہیں در پر
چلتی ہی چھری پیاس کی بچّوں کے جگر پر
ایک ایک کا منہ یاس سے تکتی ہی سکینہ
کیوں مشک چچا جان کو دی ہائے مقدر
میرے لیئے مجروح ہوا اُن کا برادر
کیوں بی بی ہو تم نے مری تقدیر کو دیکھا
للہ چچا کو کوئی میدان سے لائے
جان آئے بدن میں جو سکینہ اُنھیں پائے
اب پانی پہ کیوں لڑتے ہو تم مر گئی وہ تو
لو خاک پہ گھوڑے سے گرا اللہ کا علمدار
مارا اُسے کیا قتل ہوئے حیدرِ کرّار
کٹتا ہی گلا حضرتِ عباسِ علی کا

اس شور کے ساتھ آئی صدا طبلِ ظفر کی
اُٹھے شہِ دیں دیکھ کے صورت کو سپر کی
سیدانیاں کرنے لگیں فریاد خدا سے

میداں میں عجب حال سے پہنچے شہِ ذی جاہ
فاقہ تو کئی روز کا اور صدمۂ جاں کاہ
خود صبر کے ہاتھوں سے کمر تھامے ہوئے ہیں
گھبرا کے یہ کہتے تھے پسر سے شہِ ابرار
اللہ بہت دور گرے یاں سے علمدار
تلوار علَم کرنے وہ اب پاس کہاں کا

اکبر نے کہا رو کے یہی تو ہے ترائی
عباس نے آوازِ حزیں اپنی سنائی
بازو ہے جدا بہرِ سلام اُٹھ نہیں سکتا

شبیر پکارے ترے قربان برادر
ساونت برادر مرے ذی شان برادر
کیا ہو گیا طفلی کا وہ اقرار تمھارا
پانی کے لیئے واہ کمر بھائی کی توڑی
جنت کی طرف یاں سے لگام آپنے موڑی
پہلو سے برادر کے نہ ہٹتے تو مزا تھا

یہ کہتے تھے جو لاشۂ پر خوں نظر آیا
شانوں سے رواں خوں کا جیحوں نظر آیا
دم توڑتے تھے نہر سے لپٹے ہوئے رن میں

فضہ نے اُدھر دوڑ کے زینب کو خبر کی
پر سوجھتی تھی راہ ادھر کی نہ اُدھر کی
ہلتا تھا کلس خیمے کا ہائے کی صدا سے

اشک آنکھوں میں اور ہاتھ میں شمشیر ید اللہ
نہ پاؤں میں طاقت تھی نہ کچھ سوجھتی تھی راہ
ہم شکلِ نبی دستِ پدر تھامے ہوئے ہیں
دریا کی ترائی ہے کدھر اے مرے غمخوار
غل کیسا ہے کیا لاش کو گھیرے ہیں ستمگار
سر کاٹ نہ لے کوئی مرے شیرِ جواں کا

شبیر پکارے مرے بھائی مرے بھائی
گھبراؤ نہ مولا ابھی زندہ ہے فدائی
تن چور ہے ایسا کہ غلام اُٹھ نہیں سکتا

طاقت ہری پیری کی مری جان برادر
دنیا میں کوئی دم کے ہو مہمان برادر
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لیا پیار تمھارا
پیاسوں کا دیا ساتھ رفاقت مری چھوڑی
اُٹھتا ترا دنیا سے مصیبت نہیں تھوڑی
گر دونوں گلے ساتھ ہی کٹتے تو مزا تھا

تلواروں سے ٹکڑے قدِ موزوں نظر آیا
رنگِ گلِ رخسار دگرگوں نظر آیا
تیروں سے چھدی مشک کا تسمہ تھا دہن میں

شاہِ شہدا لاشۂ علمدار سے لپٹے
کس شوق سے کس یاس سے کس پیار سے لپٹے
غمخوار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے
زخمی سے مسافر سے وفادار سے لپٹے
یہ جوش تھا رقت کا شہِ جن و بشر کو
جس طرح کہ روتا ہے کوئی باپ پسر کو

چلاتے تھے اے بھائی کی پیری کے سہارے
اے شیر جواں یارِ وفادار ہمارے
اے باپ کے محبوب پسر بھائی کے پیارے
اب خلق سے جینے کے مزے اُٹھ گئے سارے
تھا میری ضعیفی کا عصا ہاتھ تمھارا
آج اُٹھ گئی راحت کہ چھٹا ساتھ تمھارا

جس بھائی کا بھائی نہ ہو مردہ ہے وہ بھائی
معلوم ہوئی اب ہمیں بابا کی جُدائی
تھی یادِ حسن کی تری الفت نے بھلائی
گویا کہ ہوئی آج مرے گھر کی صفائی
بس اب مرے جینے کا سہارا نہیں کوئی
یوں کہنے کو سب ہیں پہ ہمارا نہیں کوئی

یہ سُن کے علمدار کے آنسو ہوئے جاری
شہ نے کہا روتے ہو غریبی پہ ہماری
سوکھی تھی زباں تن کی رگیں کھنچتی تھیں ساری
بولا نہ گیا کچھ پہ کراہے کئی باری
بوسے قدمِ شاہ پہ دینے لگے عباس
صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباس

کیا دم کے نکلنے کا بھی ہے صدمۂ جانکاہ
کانپے کبھی کروٹ کبھی لی اور کبھی کی آہ
جب آنکھ کھلی یاس سے دیکھا طرفِ شاہ
بولے دمِ آخر کہ نثارِ شۂ ذی جاہ
روتے رہے شاہِ شہدا مر گیا بھائی
آغوش میں بھائی کی سفر کر گیا بھائی

خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
کافی ہے رُلانے کو تری درد کی گفتار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار
فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
افسردہ نہ ہو غنچۂ اُمید کھلے گا
کھل جائینگی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

رُباعی

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے
پیری میں بشکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر
خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

مرثیہ (۱۱)

آمد ہے جگر بندِ شہِ قلعہ شکن کی
سرداروں پہ ثابت ہے جدائی سرِ تن کی
ہے تیغ بکف قوتِ بازوئے شہِ دیں کا
غل ہے کہ علمدارِ حسین آتا ہے رن میں
مردے بھی تہِ خاک لرزتے ہیں کفن میں
غازی کی سواری نہیں خیمے سے بڑھی تھی
رنگِ رُخِ خورشید ہوا جاتا ہے تغیّر
سہما ہوا مخفی شکمِ قوس میں ہے تیر
جمعیتِ عالم کے یہی نشر کا دن ہے
کہتے ہیں ملک عرش کے پائے کو سنبھالے
کیا غزوۂ خندق میں بہے خون کے نالے
نقشہ نظر آجائے گا پھر جنگِ اُحد کا
خود شیر ہے جد شیر چچا شیر پدر شیر
پلکیں ہیں اگر شیر کا پنجہ تو نظر شیر
ٹلتے نہیں میداں سے یہ پیشہ ہے انھیں کا
تلوار کے بچپن سے یہی لوگ دھنی ہیں
قبضے میں انھیں کے ہنرِ تیغ زنی ہیں
جب آگئے ہیں غیظ میں یہ عرش ہلا ہے

لشکر میں تلاطم ہے زمیں ہلتی ہے رن کی
سمٹی ہیں رگیں خوف سے شیروں کے بدن کی
تھمتا نہیں ماہی پہ قدم گاوِ زمیں کا
ہے تہلکہ مصر و حلب و روم و ختن میں
پھرتے ہیں ہرن چوکڑی بھولے ہوئے بن میں
شیروں کو نیستاں میں تپِ لرزہ چڑھی تھی
جویا ہے ستاروں کی زرہ کا فلکِ پیر
مریخ کے قبضے سے چھٹی جاتی ہے شمشیر
سیاروں پہ ثابت ہے کہ یہ حشر کا دن ہے
گیتی کو خدا آج تباہی سے بچا لے
ہیں قلعۂ خیبر کے یہی توڑنے والے
پوتا ہے لڑائی پہ چڑھا بنتِ اسد کا
نعرے ہیں جدا شیر کے دل شیر جگر شیر
کیونکر نہ ہو اس طرح کے شیروں کا پسر شیر
کہتے ہیں نجف جس کو وہ بیشہ ہے انھیں کا
جاں باز و دلاور ہیں قریشی مدنی ہیں
سر بات پہ دیتے ہیں غنی ابنِ غنی ہیں
ورثہ میں انھیں زورِ یداللہ ملا ہے

جانبازوں سے لے جا نہیں سکتا کوئی بازی
ہے سب سے قوی بازوئے سلطانِ حجازی

ساونت ہیں یہ جان کی پروا نہیں ان کو
ہے خوف کے مارے پسرِ سعد کا منہ زرد
ہے شور کہ بازار شجاعوں کے ہوئے سرد
ہے بے خبری فوج کو آمد کی خبر ہیں

رن میں نہیں شمشیر ابھی شیر کی چمکی
طاقت گئی یک دست دلیروں کے قدم کی
جی چھوڑے ہوئے کوفی و شامی ہیں ابھی سے
بے جنگ مڑی جاتی ہیں تلواروں کی دھاریں
جو آپ ہی کشتہ ہوں وہ تیغیں کسے ماریں
ہر بر کوئی جھنجھلائے ہوئے شیر سے کیا ہو

ظاہر میں تو موجود ہے سب جنگ کا اسباب
کس طرح چھپیں امن کا گوشہ تو ہے نایاب
بڑھتے ہوئے کچھ سوچ کے پھر پڑتے ہیں ڈر کر
تفتیش کو جاسوس چلے جاتے ہیں ہر بار
ناگاہ خبر لیکے پھرا ایک خبردار
غل ہے حرمِ شاہ میں فریاد و فغاں کا

سیدانیاں نکلی ہیں شہِ دیں کو سنبھالے
چلاتے ہیں شہ ہائے مری گود کے پالے
بیتابیِ شبیر پہ گھبراتے ہیں عباس

مرجانے کو اک کھیل سمجھتے ہیں یہ غازی
کر سکتا ہے شیروں پہ کوئی دست درازی
ہٹتے ہوئے رن سے کبھی دیکھا نہیں ان کو

رنگ اڑتا ہے آندھی سے جو اٹھتی ہے کبھی گرد
باندھے ہوئے ہتیار لرزتے ہیں جواں مرد
ڈھالوں کو تو ہتوانسے ہیں تیغیں ہیں کمر میں
ہیبت سے لرزتی ہیں صفیں فوجِ ستم کی
ہر دم کا ارادہ ہے کہ لے راہ عدم کی
سارے علمِ فوج سلامی ہیں ابھی سے

خود تیغ کے گھاٹ اتریں گے سر کس کا اتاریں
ہے سامنا ایسوں کا جو لاکھوں سے نہ ہاریں
جب ہاتھ میں عشہ ہو تو شمشیر سے کیا ہو
دریا کے نگہبانوں کا زہرہ ہے مگر آب
اترے ہوئے چلوں کو چڑھانے کی نہیں تاب
پتا بھی کھڑکتا ہے تو گر پڑتے ہیں ڈر کر

ہیں کان لگائے ہوئے سب فوج کے سالار
خیمے سے برآمد ہوئے عباسِ علمدار
گھر سب تہ و بالا ہے امامِ دوجہاں کا
ہیں سب کو مگر فاطمہ کی جان کے لالے
ہے ہے مرے غمخوار مرے چاہنے والے
جھک کر قدمِ شہ سے لپٹ جاتے ہیں عباس

شہ کہتے ہیں سر بھائی کا چھاتی سے لگا کر
کہتا ہے علمدار کہ یا سبطِ پیمبر
بھائی کی سعادت جو کرے بھائی کی خدمت

اک چھوٹی سی لڑکی ہے کہ جینے سے ہے بے آس
کہتی ہے چچا جان بجھا دیجیے مری پیاس
گر دیر لگی تم کو تو جینے کی نہیں میں
منہ چوم کے کہتے ہیں یہ عباس دلاور
اب تک تو وغا کرنے کو جا چکتا وہ صفدر
بھائی کا نہ دکھلائے خدا داغ کسی کو

سب حال ابھی کہہ نہ چکا تھا وہ خبردار
گھوڑے پہ چڑھا لختِ دلِ حیدرِ کرار
لشکر لیے ساتھ آیا ہے اقبال و حشم کا
بے ڈول ہیں تیور خلفِ شبرِ خدا کے
ایک آن میں آ پڑتا ہے گھوڑے کو اڑا کے
بھاگو گے صفوں سے تو نکلنا نہ ملے گا

یہ ذکر ابھی تھا کہ سواری نظر آئی
شانِ حسنِ قدرتِ باری نظر آئی
آتا تھا جری گھوڑے کو ڈالے ہوئے رو میں
آنا تھا کہ کچھ اور ہی لشکر کا ہوا رنگ
سب سوچ میں تھے دیکھیے اب ہوتا ہے کیا رنگ
لاکھوں ہیں مگر فتح سے دل سرد ہیں سب کے

مر جائیں گے ہم داغ نہ دو ہم کو برادر
حسرت ہے کہ بچوں کے لبِ خشک کرو تر
کوثر ہے مرے واسطے سقائی کی خدمت

ہاتھوں سے نہیں چھوٹتی وہ دامنِ عباس
اقرار کیے جاؤ کب آؤ گے مرے پاس
پھر پانی بھی آئے گا تو پینے کی نہیں میں
جلد آئیں گے گھبراؤ نہ تم اے مری دلگیر
ہے دیر کی یہ وجہ کہ سب پیٹتے ہیں سر
ڈیوڑھی پہ غش آیا ہے حسین ابنِ علی کو

جو پیک دو دم نے یہ کہا آن کے اک بار
آتا ہے وہ بجلی سا چمکتا ہوا رہوار
ابر اس کو نہ سمجھو یہ پھریرا ہے علم کا
لشکر کی صفیں دم میں الٹ دیگا وہ آ کے
جیتے رہو دیکھو کہے رکھتا ہوں جتا کے
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنا نہ ملے گا

پنہاں ہوئی گرد اور کئی باری نظر آئی
آمد اسد اللہ کی ساری نظر آئی
اور پھولوں کی لپٹیں چلی آتی تھیں جلو میں
سینوں میں جگر ہل گئے چہروں سے اڑا رنگ
بولا کوئی ہے آج لڑائی کا نیا رنگ
بے جنگ کیے خوف سے منہ زرد ہیں سب کے

آپہونچا قریب اتنے میں حیدر کا وہ پیارا
تھا شور کہ اللہ نظر کا نہیں یارا
کثرت یہ نہ ہوگی یدِ بیضا میں ضیا کی
گویا وہ کمانیں ہیں یہ ابروئے خمیدہ
قرباں ہے شہ دیں کا دلِ درد رسیدہ
دل چھد گئے یکسر نگہِ غیظ جدھر کی
چتون میں غضب شبیر کا آہو سے بڑی آنکھ
تیر اُس کو لگا جس سے لڑائی میں لڑی آنکھ
یوں غیظ سے شیروں کو بھی تکتے نہیں دیکھا
اللہ رے صنعِ قلمِ کاتبِ تقدیر
یہ حاشیۂ خط یہ رُخِ بازوے شبیر
دیکھی یہ لطافت نہ کبھی پھول کی بو میں
ہے جوشِ جوانی پہ بہارِ گلِ رُخسار
ہے نکہتِ فردوس غبارِ گلِ رُخسار
محفوظ بہر رنگ ہیں صدمے سے خزاں کے
بہتر ہے کہیں پارۂ یاقوت سے ہر لب
گویا ہیں نزاکت سے دو برگِ گلِ تر لب
باتوں میں فصیحانِ عرب بند ہوئے ہیں
غنچے کا ہے کیا منہ جو مقابل ہو دہن سے
لانا بزباں بات کا مشکل ہو دہن سے
عالم میں گروہِ شعرا ایک زباں ہے

لشکر نے کیا حسن کے گلشن کا نظارا
سجدے کا نشاں ہے کہ یہ ہے صبح کا تارا
خورشید پہ اختر ہے یہ قدرت ہے خدا کی
دونوں بہم اور ایک سے پھر ایک کشیدہ
بے مثل کماندار ہیں یہ مردمِ دیدہ
پلکیں نہیں پر گیریاں ہیں تیرِ نظر کی
آہن کا بھی دل نرم ہو ڈالے جو کڑی آنکھ
تھرا گیا جس شخص پہ غصّے سے پڑی آنکھ
پلکوں کو بہادر کی جھپکتے نہیں دیکھا
حیرت میں ہے بہزادِ بیاں صورتِ تصویر
ہے نور کا سورہ ورقِ ماہ پہ تحریر
بینی ہے نشانی کی طرح مصحفِ رو میں
کہتی ہے نزاکت کہ نثارِ گلِ رُخسار
اور طوطیِ خط آئنہ دارِ گلِ رُخسار
دو ٹکڑے کفِ حور پہ ہیں سیبِ جناں کے
مردے کو دکھا دیں لبِ عیسےٰ کا اثر لب
بے مثل ہیں شیریں سخنی میں یہ شکر لب
یاں یوسفِ مصری کے بھی لب بند ہوئے ہیں
دیکھے تو خجالت اُسے حاصل ہو دہن سے
خود سر بگریباں ہو یہ قائل ہو دہن سے
عقدہ نہ کھلے گا کہ یہ اسرارِ نہاں ہے

کلیوں سے سمن کی بھی معطر ہیں یہ دنداں
ہیرے کے نگینوں سے بھی بہتر ہیں یہ دنداں
حیرت ہی صفا دیکھ کے ان دانتوں کی صف کی
کیا حسن ہی کیا نور ہی کیا صاف گلا ہی
مہتاب اگر کیجئے انصاف گلا ہی
دعوے کرے کس منہ سے قمر جلوہ گری کا
اللہ ری ضیا رشک رخِ حور ہی گردن
روشن صفتِ آئنہ نور ہی گردن
کب جلوۂ خورشید ٹھہرتا ہی نظر میں
کس حسن سے تیار ہیں اس ماہ کے شانے
تھے ایسے ہی حیدر سے شہنشاہ کے شانے
ہاتھ آیا تھا جعفر کو نہ جاہ و حشم ایسا
ہیں ماہیِ دریائے شجاعت یہی بازو
ہیں بازوئے شبیر کی قوت یہی بازو
ہم پنجہ ہو طاقت یہ تہمتن کی نہیں ہی
خوبی میں زمانے سے نرالے ہیں یہ ساعد
بارِ سپر و تیغ سنبھالے ہیں یہ ساعد
پہنچے کو کسی حور کا پہنچا نہیں پہونچا
کیا پنجہ ہی اس صاحبِ صمصام کا پنجہ
ہم پنجہ نہ پنجے سے ہو ضرغام کا پنجہ
یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کو بنی ہیں

گویا فلکِ حسن کے اختر ہیں یہ دنداں
ہی جن کا بہا خلد وہ گوہر ہیں یہ دنداں
دو لعلوں میں تسبیح ہی اک دُرِّ نجف کی
ای اہل نظر لائقِ اوصاف گلا ہی
آئینۂ بلّور سے شفاف گلا ہی
غیرت سے یہاں بند ہی دم حور و پری کا
مانندِ قمر حسن سے معمور ہی گردن
پروانے ہیں دل شمعِ سرِ طور ہی گردن
دیکھی یہ صباحت نہ کبھی نورِ سحر میں
ہیں جیسے بھرے سینۂ ذی جاہ کے شانے
رکھتے تھے یہی شان یداللہ کے شانے
اس دوش کے اوپر ہو تو ہو وے علم ایسا
رکھتے ہیں یداللہ کی طاقت یہی بازو
شیروں کو بھی دیتے ہیں ہزیمت یہی بازو
کچھ جنگ میں حاجت انھیں جوشن کی نہیں ہی
سانچے میں فقط نور کے ڈھالے ہیں یہ ساعد
ہاں کفر کا در توڑنے والے ہیں یہ ساعد
اس حسن کو حسنِ یدِ بیضا نہیں پہنچا
انگشت ملائے تو بھرے سام کا پنجہ
مخصوص یہ شمشیر کے ہی کام کا پنجہ
پنجے پہ وہ قربان ہیں جو پنجتنی ہیں

روشن گرِ مصباحِ انامل ہیں یہ ناخن
یوں دیکھو تو رشکِ مہِ کامل ہیں یہ ناخن
قطعِ نظر اس کی صفتیں اور بھی سنو ہیں
مصروفِ ثنا تھی سپہِ شام کہ ناگاہ
نعرہ کیا ضیغم نے کہ ای لشکرِ روباہ
بھاگی ہی وہ جس فوج پہ ابرو اپنے چلے ہیں
گھر حسن کا اور علم کا گنجینہ ہی سینہ
دل بغض سے خالی ہی تو بے کینہ ہی سینہ
ہی غیرتِ آئینہ تن اس رشکِ قمر کا
آمادہ ہی دل باپ کی خیبر شکنی پر
تیار ہر انگشت ہی شمشیر زنی پر
تن عطر ہی خوشبو سے پسینے کی بسا ہی
ہٹنے کے نہیں قاف کے ہمسر یہ قدم ہیں
شاہوں کے سروں کے لیئے افسر یہ قدم ہیں
گیتی جو الٹ جائے تو پروا انھیں کب ہی
ہی جس کا پدر قاتلِ کفار وہ میں ہوں
جو لشکرِ دیں کا ہی علمدار وہ میں ہوں
چاہی نہیں مشکل میں مدد جن و ملک سے
خادم ہوں میں اُس کا جو نبی کا ہی نبیرا
ہم شیروں کا طفلی سے شجاعت ہی وتیرا
کب بند کھلا جو اسد اللہ نے باندھا

حلالِ دو صد عقدۂ مشکل ہیں یہ ناخن
ترشیں تو مہِ نو کے مقابل ہیں یہ ناخن
ہر ہفتہ میں دس بدر ہیں اور دس مہِ نو ہیں
میداں سے بڑھا ماہِ بنی ہاشمِ ذی جاہ
وہ شیر ہوں میں جس کا پدر ہی اسد اللہ
ہم بیشۂ ضرغامِ الٰہی کے پلے ہیں
رُخ شمعِ تجلّی ہی تو یہ سینہ ہی سینا
دشمن سے بھی ہی صاف وہ آئینہ ہی سینہ
اس پہلو سے پہلو نظر آتا ہی اُدھر کا
قربان ہی جان آلِ رسولِ مدنی پر
شاہد ہی کمر شیر کی نازک بدنی پر
پٹکے کو عجب حسن سے مرنے پہ کسا ہی
چھوڑیں گے نہ جا سدِّ سکندر یہ قدم ہیں
ہاں زورقِ اسلام کے لنگر یہ قدم ہیں
ثابت قدمی کفشِ دلاور کا لقب ہی
کہتے ہیں جسے صفدر و جرار وہ میں ہوں
رکتی نہیں جس شیر کی تلوار وہ میں ہوں
تلوار ہمارے لیئے اُتری ہی فلک سے
درگاہِ خدا میں ہی دُعا جس کی پذیرا
گہوارے میں اژدر کو مرے باپ نے چیرا
عفریت کے ہاتھوں کو یداللہ نے باندھا

عالم میں لقب صاحبِ صمصام ہے کس کا
حیدر کے سوا شیرِ خدا نام ہے کس کا
انساں کوئی جنّات کے لشکر سے لڑا ہے
مرحب پہ چلی کون سے جرّار کی شمشیر
کس شخص نے صفین میں لاشوں کے کیئے ڈھیر
کس سے ہوا جو کام ہوا دستِ علی سے
خندق پہ اُسے توڑ کے پل کر دیا کس نے
مصباحِ رہِ کفر کو گل کر دیا کس نے
تھی لشکرِ کفار میں صد حیف کی آواز
چکھا ہے شجاعوں نے مزا تیغ کے پھل کا
پوشیدہ ہے قصہ نہ احد کا نہ جمل کا
اُس دن کے شرف کیا شبِ معراج سے کم تھے
بتلاؤ لقب فاتحِ صفین ہے کس کا
ہر فعلِ حسن لائقِ تحسین ہے کس کا
گر بدر میں وہ شیر پئے جنگ نہ جاتا
مصحف کی عبارت سے عیاں شانِ علی ہے
خورشید کو جحت ہو وہ فرمانِ علی ہے
محسن سے پھرے کیوں سبب اس کا نہیں کھلتا
ہے سورۂ نور ابنِ شہنشاہِ ولایت
یہ مصحفِ ناطق کے صحیفے کی ہے آیت
شبیر ہے یوں آلِ رسولِ دوسرا میں

شہرہ بجہاں روم سے تا شام ہے کس کا
کاٹے پرِ جبریل کو یہ کام ہے کس کا
کون آگ میں پانی کے لیئے کود پڑا ہے
اور عمر ہوا کس کی زبردستیوں سے زیر
جو قاتلِ عنتر ہے کہو کون ہے وہ شیر
خیبر کا وہ در تھا کہ اکھڑتا وہ کسی سے
بشاش دلِ ختمِ رسل کر دیا کس نے
تا چرخِ بریں فتح کا غل کر دیا کس نے
یاں عرش سے تا فرش تھی لاسیف کی آواز
حیدر کی نہ تھی ضرب طپانچہ تھا اجل کا
بُت توڑے ہیں کعبے میں ابھی ذکر ہے کل کا
سر عرش پہ تھا دوش محمد پہ قدم تھے
حق جس سے نمودار ہے وہ دین ہے کس کا
آئنہ گرے دیں کو یہ آئین ہے کس کا
آئینۂ ایماں سے کبھی زنگ نہ جاتا
ذاتِ احدی آپ ثنا خوانِ علی ہے
جن و ملک و انس پہ احسانِ علی ہے
بے اُن کی عنایت کوئی عقدہ نہیں کھلتا
سمجھو اُسے مصباحِ شبستانِ ہدایت
پایا ہے شرف وہ کہ نہیں جس کی نہایت
یٰسین ہے جس طرح سے قرآنِ خدا میں

اس صولت و شوکت سے رجز خواں ہوا ضیغم
بے جنگ صفیں ہونے لگیں درہم و برہم
سرکا کے سپر نحس سے خود چترِ زری کو
منہ پھیر کے عباس نے قبضے پہ دھرا ہاتھ
اے کعبۂ تسلیم و رضا قبلۂ حاجات
واللہ جواں آپ سے نایاب جہاں ہیں
آپ آئے ہیں اس وقت مدارات کروں کیا
مشکیزے کو بھر لیجیے حاضر ہے یہ دریا
کچھ مجھ سے دغا ہو تو قسم لیجیے آکر
مرضی ہو تو لکھ دوں میں ابھی خطِ غلامی
آپ آئیں تو ہو وے ابھی یہ فوج اسامی
گر آپ کا دل صاف ہو بندے کی طرف سے
منہ دیکھ کے اُس کا متبسم ہوئے عباس
میں جانتا ہوں ہے تجھے ایسا ہی مرا پاس
میں کیا ہوں ہر اک طفل بھی اس گھر کا جری ہے
بچپن سے غلامی میں ہوں کرتا ہوں خدمات
لازم ہے محمد کے نواسے کی مدارات
ملتی ہے نجات اُن کے سوا کس کے ملے سے
ہے مدح کے قابل پسر حضرت زہرا
حاضر مئے کوثر بھی ہے اور سایۂ طوبے
شبیر کے ہم دامنِ دولت میں پلے ہیں

تھرا گئے دل کانپ اُٹھا لشکرِ ظلم
نکلا پسرِ سعد لعیں فوج سے اس دم
کی دور سے تسلیم علمدارِ جری کو
تب کہنے لگا جوڑ کے ہاتھوں کو وہ بدذات
میں فوج سے کرتا ہوں ثنا آپ کی دن رات
حضرت سے اولوالعزم زمانے میں کہاں ہیں
بندے کو سرافراز کیا شکر کی ہے جا
اب دھوپ میں ہیں آپ مجھے ہوتی ہے ایذا
سایہ میں مرے چتر کے دم لیجیے آکر
ہے فخر کہ آقا ہو مرا آپ سا نامی
جھک جھک کے قدم بوس ہوں سب فوج شامی
نذریں لئے سردار بڑھیں فوج کی صف سے
فرمایا کہ جو کہتا ہے تو لائے خدا راس
پر بھائی سے برگشتہ ہوں میں اس کی نہ رکھ آس
بھائی کے تصدق سے مری ناموری ہے
اُن کا جو نہ ہوں میں کوئی پوچھے نہ مری بات
ہے اُن کی ملاقات پیمبر کی ملاقات
مل اُس سے کہ ملتا ہے خدا جس کے ملے سے
میں بندۂ ناچیز ہوں تعریف مری کیا
پانی کی نہ خواہش نہ ہمیں چتر کی پروا
سایہ میں جو اُن کے ہیں وہ طوبیٰ کے تلے ہیں

ہے چتر سے بہتر علمِ شاہ کا سایہ
پنجہ یہ نہیں سر پہ ہے اللہ کا سایہ
حق مجھ پہ رکھے فاطمہ کے ماہ کا سایہ
ہے ظلِ ہما سیدِ ذی جاہ کا سایہ
پروا نہیں حصّے میں اگر زر نہیں آیا
یہ چتر سلیماں کو میسر نہیں آیا

آقا سے کدورت ہے غلاموں سے صفائی
ہرگز یہ مدارات تری مجھ کو نہ بھائی
پچھتائے گا اچھی نہیں نیکوں سے بُرائی
وہ پیاسے ہوں اور پانی پیئے ساری خدائی
شبیر کو ایذا ہے مجھے رنج بڑے ہیں
ڈیوڑھی کے قریں دھوپ میں بے سایہ کھڑے ہیں

سوچا عمرِ سعد کہ خالی گئے سب وار
قابو میں کسی طرح نہ آئے گا علمدار
وہ چپ جو ہوا بول اُٹھا شمرِ ستمگار
کیوں کرتے ہیں بیعت میں تامل شہِ ابرار
حاکم ہے زبردست نہ کچھ زور چلے گا
سر تیغ سے کٹ جائے گا خیمہ بھی جلے گا

یہ سنتے ہی عبّاس کو غیظ آگیا اک بار
تھرانے لگا جسم اُگلنے لگی تلوار
بڑھ کر کہا کیا بکتا ہے او ظالمِ غدّار
یاں کچھ ترے حاکم کی حقیقت نہیں زنہار
مرتد ہے یہ کفر سے سرمست ہے ظالم
کیا دستِ خدا سے بھی زبردست ہے ظالم

کیا منہ ہے جو بھائی پہ کوئی ہاتھ اُٹھائے
رستم ہو تو مہلت نہ مری تیغ سے پائے
بجلی سی جو چمکے تو کوئی تاب نہ لائے
جل جائے وہ خیمہ کے جلانے کو جو آئے
ہے زینبِ دل سوختہ جس میں یہ وہ گھر ہے
سیدانیوں کی آہ میں بجلی کا اثر ہے

یہ کہہ کے سروہی کو علمدار نے کھینچا
باگوں کو ادھر فوجِ ستمگار نے کھینچا
نقشہ ملک الموت کا تلوار نے کھینچا
سر خوف سے بانبی میں ہر اک مار نے کھینچا
وحشت سے ہرن دشت کی حد چھوڑ کے بھاگے
دریا کی ترائی کو اسد چھوڑ کے بھاگے

بجلی سی جو چمکی تو پرندوں کے اُڑے ہوش
گھر چھٹ گئے بچوں کی ہوئی یاد فراموش
سب کوہ کے دامن میں درندے ہوئے روپوش
تھرّانے لگے کان کھڑے کرکے سیہ گوش
ہلتی تھی زمیں شورِ دف و صنج و دہل تھا
شیر آتا ہے چیتے رہو چیتوں میں یہ غل تھا

رانوں میں علمدار نے گھوڑے کو جو مسکا
اُڑنے میں تامل نہ ہوا ایک نفس کا
ممکن نہ ہوا کا گزر اُس تک نہ ہوس کا
غل تھا یہ چھلاوا ہے کہ سایہ ہے فرس کا
شبدیزِ نظر کو بھی رسائی نہیں دیتا
ہاں تارِ نظر ہے کہ دکھائی نہیں دیتا

گھوڑے کی وہ چھل بل وہ چمک تیغِ دودم کی
یاں گر کے گئی واں ادھر آئی تو وہ چمکی
تاب اس کی ہر اک اہ دکھاتی تھی عدم کی
جل جل کے صفیں خاک ہوئیں فوجِ ستم کی
غل تھا کہ چلے آگ سے کیا زور بشر کا
تلوار نہ سمجھو یہ زبانہ ہے سقر کا

ہم گھاٹ پہ ہیں۔ نہر ادھر ہے اُدھر آتش
ہے زیرِ قدم آگ تو بالائے سر آتش
میداں میں ہے دوزخ کی طرح شعلہ ور آتش
کھینچے لیئے جاتی ہے میانِ سقر آتش
بچ کر کرۂ نار سے کس طرح نکل جائیں
بھاگیں تو گریں نہر میں یاں ٹھہریں تو جل جائیں

جب تیغ پکڑ کر پسرِ عقدہ کشا آئے
کس طرح سے نیزوں کا ہر اک بند نہ تھرائے
ٹوٹے ہوئے دل ہوں تو ظفر کیا کوئی پھر پائے
ٹوکے کوئی ضیغم کو کہاں سے یہ جگر لائے
شیروں سے جہاں میں کسے یارائے وغا کا
اور شیر بھی وہ شیر جو ہے شیرِ خدا کا

یہ زور گھٹا ہے کہ کمانیں ہیں کہ بادے
ہیں چلّہ نشیں تیر ہوئے سست ارادے
ہیں کشمکشِ فوج سے پامال پیادے
غل تھا کسی گوشے میں کوئی ہم کو چھپا دے
ہوں تیرِ اجل کا جو نشانہ تو بجا ہے
سید سے لڑے کیوں یہ ہماری ہی خطا ہے

روباہوں کی فریاد کو سنتا تھا نہ وہ شیر
تھا جوشِ شجاعت سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
سن سن صفِ اعدا پہ چلی جاتی تھی شمشیر
پشتے کہیں کشتوں کے کمانوں کے کہیں ڈھیر
ترکش تھے قلم تیغ سے بیداد گروں کے
ایک ایک قدم خاک پہ تودے تھے سروں کے

جس صف پہ گئی تیغ وہ بیجاں نظر آئی
سر کاٹ کے یاں سے جو پھری ان نظر آئی
گرتی ہوئی بجلی سرِ میداں نظر آئی
دم میں کہیں سیل اور کہیں طوفاں نظر آئی
اعجاز کے انداز وہ ہم جنگ دکھائے
اک آبِ دمِ تیغ نے سو رنگ دکھائے

کاٹے ہوئے نیزوں کے کہیں بند پڑے تھے
جو زخمی تھے آنکھیں وہ کیے بند پڑے تھے
پنجہ کہیں بازو کہیں اور شانے کہیں تھے
تھے غرق بخوں خود کسی جا تو کہیں سر
چار آئنے ٹکڑے تھے کہیں اور کہیں مغفر
ہاتھ اُن کے نہ تھے تن پہ بہادر جو پڑے تھے
یوں سُرخ ہوا خوں سے دمِ تیغِ ہلالی
کھینچی قلمِ فکر نے تصویرِ خیالی
دل آب ہے غربت پہ شہِ تشنہ گلو کی
اک ضرب اُس تیغ کی دُشمن نے اُٹھائی
خفت دمِ شمشیر سے جوشن نے اُٹھائی
اِک دم میں نہ مغفر تھا نہ سر تھا نہ گلا تھا
کر دیتی تھی ہر چشم کو خیرہ چمک اُس کی
کیوں دھوم سما سے نہ ہے تا سمک اُس کی
مقراض سی چلتی تھی تنِ اہلِ ستم پر
ہر ضرب میں سر برچھیوں والوں کے اُڑائے
دم میں ورقِ اعدا کے رسالوں کے اُڑائے
کم چلتی ہے ایسی بھی ہوا باغِ جہاں میں
بڑھ کر جو کوئی شیرِ غضب ناک پہ آیا
تلوار کا سر گردنِ سفاک پہ آیا
چھوٹا نہ جہنم کا کنارا سقری سے

تر خوں میں جوانانِ تنومند پڑے تھے
تھا باپ کہیں اور کہیں فرزند پڑے تھے
پہنچے کہیں جا پہنچے تھے دستانے کہیں تھے
بکھری ہوئی کڑیاں کہیں جوشن کی سراسر
گھوڑوں کے کہیں زین کہیں باگیں کہیں پاکھر
تلواروں کے پھل ڈھالوں کے پھولوں میں پڑے تھے
جیسے لبِ معشوق پہ ہو پان کی لالی
لیکن نہیں یہ بات بھی کچھ رنگ سے خالی
تلوار بھی پیاسی ہے لعینوں کے لہو کی
ڈوبا تھا جو سپر سر پہ تہمتن نے اُٹھائی
تن کیا ہے شکست اُس سے جب آہن نے اُٹھائی
لوہے کو بھی کھا جاتی تھی منہ تھا کہ بلا تھا
دوزخ کے دہانے سے سوا تھی لپک اُس کی
کرتے ہیں صفت سیف زباں آج تک اُس کی
بس قطعہ یہ جامہ تھا اُسی تیغِ دو دم پر
ٹکڑے صفِ جنگاہ میں بھالوں کے اُڑائے
پھل تیغ کے پھول آہنی ڈھالوں کے اُڑائے
سر اُڑتے تھے یوں برگ اُڑیں جیسے خزاں میں
خالق کا غضب اُس سگِ ناپاک پہ آیا
سر اُڑ کے گرا نہر میں تن خاک پہ آیا
دوزخ میں یہ خستگی سے گیا اور نہ تری سے

جس طرح نیتاں رن میں صفِ فوج کو دیکھا
جب فوج کو دو کرکے پھرے نوج کو دیکھا
جاتی تھی جو اک برق سی گردوں پہ چمک کے
یاں سے کبھی واں اُس سے چمک کے اِدھر آئی
اُس صف سے زرہ پوشوں کو تک کر اِدھر آئی
شمشیر مہِ نو تھی کہیں ہالہ کہیں تھی

ہر وار میں چلّوں کو کمانوں سے اُڑایا
بڑھ بڑھ کے پھریروں کو نشانوں سے اُڑایا
جو راہ ہوئی بند وہ تدبیر سے کھولی
چلّے کو اگر بڑھ کے کماں دار نے کھینچا
ہاتھ اپنا اُدھر ڈر کے جفا کار نے کھینچا
سہما ہوا وہ دشمنِ دیں غش میں پڑا تھا

ہزاروں کے سر خاک پہ ہر بار گرائے
اس طرح پرے خاک پہ دو چار گرائے
گرتی تھی جو اک برق سی بیداد گروں پر
چار آئنہ کو کاٹ کے اس شیر کی تلوار
آہن پہ بھی رکتی نہ تھی وہ صاعقہ کردار
تھی پنج تنی تیغ نئے ڈھنگ تھے اُس کے

اُس تیغ نے سب رن کی زمیں خون سے رنگی
کوفی کہیں کشتے کہیں رومی کہیں زنگی
ہر طائرِ جاں ڈھونڈھتا تھا راہِ عدم کو

بیتاب تلاطم میں نہ یوں موج کو دیکھا
دیکھا کبھی پستی کو کبھی اوج کو دیکھا
کرتے تھے ملک بند دریچوں کو فلک کے
بے سر ہوئی وہ صف تو لپک کے اِدھر آئی
یہ واں گئی اور آگ بھڑک کر اِدھر آئی
بجلی تھی کہیں شعلۂ جوّالہ کہیں تھی

ہاتھوں کو جواں مردوں کے شانوں سے اڑایا
جرّار نے نیزوں کو سنانوں سے اُڑایا
نیزہ کی گرہ ناخنِ شمشیر سے کھولی
جوں کارِ رُبا تیر کو تلوار نے کھینچا
تلوار نے چھوڑا تھا کہ بس نار نے کھینچا
اِک تشنۂ جاں لاکھ کشاکش میں پڑا تھا

کس طرح اُٹھے جس کو وہ تلوار گرائے
جیسے کوئی فولاد کی دیوار گرائے
جا پڑتے تھے اس صف کے سر اس صف کے سروں پر
یوں تن میں در آتی تھی کہ صابون میں جوں تار
خود و زرہ و بکتر و دستانے تھے بیکار
یہ چار تو ہر وار میں چو رنگ تھے اُس کے

مارے گئے جتنے تھے جواں فوج میں جنگی
ہل چل تھی کہ سینوں میں نفس کرتے تھے تنگی
پر تن سے نکلنے کی نہ جا ملتی تھی دم کو

اسواروں کے تن بے تگ و دو ہو گئے بے سر
سو رہ گئے دو سو میں تو سو ہو گئے بے سر
تھا شور کہ بھاگو کسے طاقت ہے وغا کی
غازی سے جو لڑنے سپہِ شام میں آئے
پہنے جو زرہ جامے کو اندام میں آئے
سمجھے ہو غلط یہ کہ حصارِ آئنہ ہو گا
شعلہ کی لپک فوج کو دکھلا کے پھر آئی
دریا سے چمک کر گئی لہرا کے پھر آئی
مہلت جو ہو دم بھر تو کسی گھاٹ سے بھاگیں
بجلی سی اُدھر صف پہ گری اور اِدھر اُٹھی
گر سنگ پہ بیٹھی تو بسانِ شررہ اُٹھی
رہ رہ کے اُڑاتی تھی جو اعدا کے سروں کو
قوت اسد اللہ کی غازی نے دکھائی
لشکر شکنی شیرِ حجازی نے دکھائی
لڑنے جو بڑھا ڈر سے لہو گھٹ گیا اُس کا
بجلی میں نہ ایسی کبھی چھل بل نظر آئی
تاروں سے چمکتی ہوئی ہیکل نظر آئی
دریا تھا کہ دکھلا کے روانی نظر آیا
جاں باز قوی ہیکل و خوش رو و توانا
دو روز سے نہ کاہ میسر تھی نہ دانا
صرصر تھا کسی جا تو کہیں کبکِ دری تھا

بھاگے سپریں روک کے تو ہو گئے بے سر
دن میں جو بچا ایک تو نو ہو گئے بے سر
موج آتی ہے دریا کی طرح بحرِ فنا کی
آہو کی طرح پنجۂ ضرغام میں آئے
دی موت نے آواز کہ اب دام میں آئے
دم میں نہ زرہ ہو گی نہ چار آئنہ ہو گا
دس بیس کے سر خاک پہ برسا کے پھر آئی
چلاتے تھے ناری کہ اجل جا کے پھر آئی
حیراں ہیں کہاں مرگِ مفاجات سے بھاگیں
بازو وہ تھا قلم ہاتھ سے جس کے سپر اُٹھی
جس غول سے جس صف سے اُٹھی خوں میں تر اُٹھی
چھاتی تلے جبریل چھپاتے تھے پروں کو
شان اپنی لڑائی کی نمازی نے دکھائی
بجلی کی تڑپ شست میں تازی نے دکھائی
گھوڑے کی پڑی ٹاپ کے سر پھٹ گیا اُس کا
کاوے تھے کہ پھرتی ہوئی اک کل نظر آئی
آیا وہ جدھر فوج میں ہلچل نظر آئی
جب ٹاپ پڑی خاک سے پانی نظر آیا
کوڑا کسے کہتے ہیں کبھی اُس نے نہ جانا
کاووں میں بھلا لگتا تھا کیا جھوم کے آنا
پری میں جو طاؤس تو اڑتے میں پری تھا

گردن تلک اسوار چھپے پیش و پس ایسا
سائے پہ بھی بل کرتا تھا فانوس ہیں کس ایسا
مرکب جو لڑائی میں خدا دے تو بس ایسا
اسوار جو ایسا ہو تو ہووے فرس ایسا
رف رف بھی اس انداز سے فر فر نہیں جاتا
یوں تختِ سلیماں بھی ہوا پر نہیں جاتا

تھا شور کہ بھاگو یہ لڑائی ہے علی کی
پنجہ یہ علی کا یہ کلائی ہے علی کی
جرأت اسی جرار نے پائی ہے علی کی
بے سر ہوئے جاتے ہیں دہائی ہے علی کی
اے شیر ژیانِ اسد اللہ اماں دے
اے قوتِ بازوئے ید اللہ اماں دے

اب زیست کا اپنی کوئی اسباب نہیں ہے
دہشت سے تری کس کا جگر آب نہیں ہے
گھر موت کا ہے تیغ کی اب آب نہیں ہے
تلوار نہ چمکا کہ ہمیں تاب نہیں ہے
کر رحم محمد کے نواسے کا تصدق
یہ مشک ہے جس کی اسی پیاسے کا تصدق

نوشاہ کے اس لاشۂ پامال کا صدقہ
اکبر کی جوانی کا اور اقبال کا صدقہ
پیاسے علی اصغر کے سن و سال کا صدقہ
خون اب نہ بہا فاطمہ کے لال کا صدقہ
دم بند ہوئے ڈر سے تری تیغِ دو دم کے
آزاد کر اب ہم کو تصدق میں علم کے

حقا کہ تجھے قوتِ خیبر شکنی ہے
تلوار کا مالک ہے شجاعت کا دھنی ہے
بس اب نہ بگڑ ہم سے کہ جانوں پہ بنی ہے
تو فیض کا دریا ہے غنی ابنِ غنی ہے
مشہور ہے قاتل پہ جو احسان کئے ہیں
حیدر نے تو دشمن کے گنہ بخش دیئے ہیں

حضرت نے سنی جب یہ لعینوں کی دہائی
کیا رحم ہے امت کے لیے چشم بھر آئی
گھبرا کے بلندی سے یہ آواز سنائی
بس بس مرے بھائی مرے بھائی مرے بھائی
اس وقت اماں دے انھیں گو بے ادبی کی
عباس ہیں قربان یہ امت ہے نبی کی

روتا ہوں سنی جاتی نہیں مجھ سے یہ فریاد
دشمن کی بھی ہم لوگ سدا کرتے ہیں امداد
بچوں پہ مرے ہوئے تو ہو پیاس کی بیداد
مرجائے سکینہ مگر امت نہ ہو برباد
پانی نہیں ملتا تو چلے آؤ برادر
آکر مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر

غازی نے صدا دی کہ ہیں ہم تابعِ فرماں
اقبال سے حضرت کے مرے ہاتھ ہے میداں
میداں کی تو سب خون ہیں سرشار صفیں ہیں
پھر آنے کا موقع نہیں ای عاشقِ باری
سنتے نہیں دشمن کی کبھی منت و زاری
امّت نے ہمیں خوب رضا مند کیا ہے
یہ کہہ کے لیا شیر نے دریا کا کنارا
اک آن میں تلوار کے گھاٹ اُن کو اُتارا
تیر آئے ہزاروں پہ نہ گھائل ہوئے عباس
پانی میں یکا یک جو پڑا عکس علم کا
ٹپکا جو پسینہ رُخِ سقائے حرم کا
کوسوں گئی پھولوں کی مہک دشتِ بلا سے
دی خضر نے آواز کہ ای یوسفِ ثانی
رو کر یہ پکارا اسد اللہ کا جانی
خشکی میں تباہی ہے سفینے پہ نبی کے
جل جائے کلیجہ تو نہ میں پیاس بجھاؤں
حسرت ہے کہ یہ مشک لئے خیمہ میں جاؤں
تلواریں بھی برسیں تو نہ تیور پہ بل آئے
فرما کے یہ رکھا تہہ راں تیغِ دودم کو
پھر جھک کے بھرا مشکِ نگہبانِ حرم کو
کیا ساتھ دیا پیاس میں اس بحرِ عطا کا

بندے سے دغا کرتے ہیں یہ دشمنِ ایماں
اب نہر کو لیتا ہے غلام ای شہِ ذی شاں
باقی فقط اب گھاٹ کی دو چار صفیں ہیں
مرجائے گی بن پانی سکینہ مری پیاری
آتش ہیں جلا دینے کے قابل ہیں یہ ناری
پردیسیوں پر آب رواں بند کیا ہے
پھرتی سے جھپٹ کر اسے مارا اُسے مارا
ہٹتا ہوا لشکر متفرق ہوا سارا
تلوار لیئے نہر میں داخل ہوئے عباس
تھا پنجۂ خورشید کہ آئینے میں چمکا
پانی میں ملا عطرِ گلِ باغِ ارم کا
فردوس کی بو آگئی دریا کی ہوا سے
گرمی میں گوارا ہو تجھے نہر کا پانی
ہفتم سے ہے آقا کو مرے تشنہ دہانی
اطفال تڑپتے ہیں حسین ابنِ علی کے
کوثر کا ہو پانی تو نہ لب تک اُسے لاؤں
ٹھنڈا مرا دل ہو جو سکینہ کو پلاؤں
جینے کا مزہ کیا جو وفا میں خلل آئے
اور داب لیا دوسرے زانو سے علم کو
دریا سے نکالا فرسِ تیز قدم کو
افسانہ رہا خلق میں گھوڑے کی وفا کا

دیکھا جو عمر نے کہ چلا شاہ کا غم خوار
لو مشک لیئے جاتا ہی عباسِ علمدار
ہی موت جو قابو ہیں نہ یہ شیر اب آیا
ہی شیث کدھر لیکے کمانداروں کو جائے
نوفل بھی بڑا اپنے سواروں کا جمائے
خشکی ہیں نبی زادوں کی کشتی کو ڈوبا دو
جو تیر بہادر کے لگا دے وہ گہر لے
یا ور جو نہ ہو مہر مری فرد پہ کر لے
کچھ غم نہیں مجھ کو جو خزانہ مرا لٹ جائے
پانی کے نہ دینے سے ہم ان شیروں آج و رہیں
دنیا میں یہی مالکِ شمشیر دو سر ہیں
پانی جو گیا خیمۂ شاہِ شہدا میں
ساحل سے بڑھا آتا ہی وہ گھاٹ پہ جاؤ
مشکیزہ سے پانی تو لہو تن سے بہاؤ
دیکھوں میں کہ یاں جشن ہی واں بزمِ عزا ہی
آنکھوں سے میں دیکھوں کہ گرا گھوڑے سے عباس
یہ مشک و علم خون میں تر آئے مرے پاس
خلعت تمہیں پہناؤں کہ آرایشِ تن ہو
یہ سن کے پھری دور سے بھاگی ہوئی سب فوج
نقارہ جو بجتی فردوہ ڈول کے ہوئی زوج
دم لیکے صفِ جنگ میں شہنا نے صدا کی

چلانے لگا پیٹ کے زانو وہ جفا کار
دوڑو صفتِ ابر کرو تیروں کی بوچھار
مشکیزہ گیا خیمے تلک اور غضب آیا
نیزوں کی سناں ابن انس بڑھکے ہلائے
سقائے حرم راہ نکلنے کی نہ پائے
ہاں خوں میں سکینہ کے بہشتی کو ڈوبا دو
اس شیر کو جو سرخ کرے خوں میں نہ لے
سر لیکے پھرے جو وہ سپر آن کے بھر لے
عباس علمدار گر بھائی سے چھٹ جائے
ہٹتے ہیں کوئی یہ اسد اللہ کے پسر ہیں
تلواروں میں آنے کے لیئے سینہ سپر ہیں
یہ آگ لگا دیویں گے میدانِ وغا میں
جب جانوں جو اس شبیر کا سر کاٹ کے لاؤ
تیغوں سے چراغِ شہِ مرداں کو بجھاؤ
ٹوٹے کمرِ سبطِ پیمبر تو مزا ہی
کانوں سے سنوں میں کہ سکینہ ہوئی بے آس
غل ہو کہ نہ شبیر کے بچوں کی بجھی پیاس
اور لاش علمدار کی محتاجِ کفن ہو
جس طرح کہ آندھی سے سمندر میں اٹھے موج
افتادہ نشانوں کو دوبارہ اٹھوا پھر افوج
بیٹھی ہوئی آواز کھلی طبلِ وغا کی

سب شام کی فوج ابنِ ید اللہ پہ آئی
سب تیروں کی بوچھار جو ذی جاہ پہ آئی
روکیں سپریں سب نے قدم پیچھے ہٹا کے
کس طرح رُکے ایک سے دو لاکھ کا ریلا
سقائے یتیمانِ حرم جان پہ کھیلا

اس جنگ کو پوچھے کوئی اُس تشنہ جگر سے
لاکھوں سے لڑے یوں علمِ شہ کو سنبھالے
فرصت یہ کہاں تیر جو سینہ سے نکالے
سر زخمی ہے خون بہ کے ٹپکتا ہے گلے سے

تھا شور کہ یہ شیرِ ژیاں جانے نہ پائے
بازوئے امامِ دو جہاں جانے نہ پائے
برباد کرو محنتِ سقائے سکینہ

ملتی جو نہ تھی راہ تو حیراں تھا علمدار
ہر ضرب میں سر خاک پہ گر پڑتے تھے دو چار
سُرخ آنکھیں تھیں غصّہ سے پسینہ تھا جبیں پر

ناگاہ پسِ پشت گئے دو ستم ایجاد
مکار ستمگار دغا پیشہ و کیّاد
جو مشک کو تاکے تھے نظر اُن کی اُدھر تھی

شانے پہ جو ظالم نے برابر سے کیا وار
غصّے میں جو قاتل پہ چلے داب کے رہوار
عباسِ دلاور کو اُسی ہاتھ کا غم تھا

کس شور سے گھنگور گھٹا ماہ پہ چھائی
تلوار کی بجلی صفِ گمراہ پہ آئی
اک دم میں دھوئیں اُڑ گئے ڈھالوں کی گھٹا کے
اک قہر کا دریا تھا یہ کیا کیا اُسے جھیلا
واحسرت و دردا وہ ہزاروں پہ اکیلا

پانی نہ ملا ہو جسے چوبیس پہر سے
کچھ مشک پہ آفت ہو تو کیوں کر اُسے ٹالے
دم لینے میں سو جسم پہ پڑ جاتے تھے بھالے
پر مشک ہٹاتے نہیں چھاتی کے تلے سے

ہاں غازیو ہاں تشنہ دہاں جانے نہ پائے
جس گھر کا بہشتی ہے یہ واں جانے نہ پائے
گر پیاس سے مرتی ہو تو مر جائے سکینہ

ریتی میں تگ و دو سے تھکا جاتا تھا رہوار
ٹوٹی ہوئی تھی خون میں ڈوبی ہوئی تلوار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خانۂ زیں پر

تھا ایک حکیم ابنِ طفیل اک بنِ وقاد
سادات کو کعبہ میں کریں ذبح وہ جلّاد
پہلو سے اجل آتی ہے اس کی نہ خبر تھی

جس ہاتھ میں تھی تیغ قلم ہو گیا اک بار
ہیہات چلی دوسرے قاتل کی بھی تلوار
وہ ہاتھ بھی ریتی میں گرا جس میں علم تھا

اِک چوٹ لگی دل پہ گرا جب علمِ شاہ
کیا ہمّتِ عالی تھی ارادہ تھا عجب واہ
اس وقت عجب شان تھی اُس تشنہ دہن کی
مجبور تھا غازی کہ نہ تھی ہاتھ میں شمشیر
واحسرت و دردا کہ لگا مشک پہ اک تیر
گھوڑے سے گرا خاک پہ سقائے سکینہ

دریا پہ ہوا شور کہ ضرغام کو مارا
واللہ بڑے صاحبِ صمصام کو مارا
لڑ کر علمِ صاحبِ معراج لیا ہے
پہونچی یہ صدا کان میں حضرت کے جو ناگاہ
خم ہو کے پکارے کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
لو صاحبو حضرت پہ فدا ہو گیا بھائی

تم ساتھ رہو باپ کے ای اکبرِ مہرو
اُٹھ اُٹھ کے کئی بار گرے ہیں شہِ خوش خو
اِک دم بھی جدا ہو گے جو اس وقت پدر سے
اب کوئی نہیں شاہ کے جینے کا سہارا
ڈیوڑھی پہ یہ غل سن کے سکینہ نے پکارا
کیوں روتے ہیں قربان میں شاہِ شہدا پر

کہہ دے کوئی پانی نہیں ملتا تو نہ لائیں
پانی پہ لگے آگ وہ دریا پہ نہ جائیں
صدقے میں قصور ان کی محبت میں نہیں ہے

چلّائے یہ کیا قہر ہوا ای مرے اللہ
پکڑے ہوئے تھا مشک کو دانتوں میں وہ ذیجاہ
گویا دہنِ شیر میں گردن تھی ہرن کی
ہر سو نگراں تھا کوئی بنتی نہ تھی تدبیر
پانی جو بہا اور بھی حالت ہوئی تغیر
مشکیزے پہ منہ رکھ کے کہا ہائے سکینہ

پیاسا شہِ مرداں کے گل اندام کو مارا
لو فتح ہوئی شاہِ خوش انجام کو مارا
صفّین کے کشتوں کا عوض آج لیا ہے
بیکس پہ گرا یاس میں کوہِ غمِ جاں کاہ
دوڑی یہ بیاں کرتی ہوئی زینبِ ذی جاہ
ہے ہے مرے بھائی سے جدا ہو گیا بھائی

ماتم ہے جواں بھائی کا دل پر نہیں قابو
ٹھا مو مرے ماں جائے کا ٹوٹا ہوا بازو
میں بالوں کو بکھرا کے نکل آؤں گی گھر سے
عاشق مرے ماں جائے کا دنیا سے سدھارا
کیا کہتے ہو تم سب ارے لوگو کسے مارا
کیا دشت میں کچھ بن گئی ہے میرے چچا پر

زخمِ تبر و تیر و سناں تن پہ نہ کھائیں
ہی ہی مرے مظلوم پدر کو نہ رلائیں
کیوں لڑتے ہیں پانی مری قسمت میں نہیں ہے

ہے ہے کہیں لٹ جائے نہ زہرا کی کمائی
معلوم تھی مجھ کو تو مقدر کی برائی
اس پیاس نے شرمندہ کیا سبط نبی سے

تھا زوجۂ سقائے سکینہ کا عجب حال
کہتی تھی گیا نہر پہ کیوں فاطمہ کا لال
بے وجہ یہ حال شہ دیں غیر نہیں ہے

میں رانڈ ہوئی دل مرا دیتا ہے گواہی
یہ ایک ادھر نہر پہ دو لاکھ سپاہی
پیاسے پہ جو کوہ غم جاں کاہ گرا ہے

فضہ سے کہا پردے کا اس وقت نہ کر دھیان
ہے ہے مجھے ماتم کا نظر آتا ہے سامان
دریا پہ ہیں یا شام کے لشکر میں نہاں ہیں

فضہ گئی روتی ہوئی اور پیٹتی آئی
سیدانیو مارا گیا شبیر کا بھائی
ڈیوڑھی سے ہٹو لشکر غم آتا ہے لوگو

طور ان کی ملاقات کا اب حشر پہ ٹھہرا
تھامے ہیں کمر زخم کلیجے میں ہے گہرا
پانی جو بہا جان گنوا دی اسی غم میں

رہوار بھی کوتل ہے کہ مارا گیا اسوار
منہ دیکھ کے دریا کی طرف تکتا ہے رہوار
آنسو ہیں رواں خاک میں سب بال اٹے ہیں

مرجاؤں گی زخمی جو ہوا شاہ کا بھائی
پچھتاتی ہوں کیوں خشک زباں ان کو دکھائی
اب لکھ مری چارہ نہ ہووے گی کسی سے

ماتھا تو بھرا خاک سے اور بکھرے ہوئے بال
غل کیسا ہوا لٹ گیا لوگو مرا اقبال
اللہ کرے خیر مگر خیر نہیں ہے

پردیس میں آئی مرے بچوں پہ تباہی
کس کس سے لڑے دلبر ضرغام الٰہی
یا مشک چھدی یا علم شاہ گرا ہے

بچے مرے روتے ہیں لبوں پہ ہے مری جان
لا دے مرے وارث کی خبر میں ترے قربان
دیکھ آ کہ سکینہ کے چچا جان کہاں ہیں

تھا لب پہ مکرر کہ دہائی ہے دہائی
حیدر کے بھرے گھر کی ہوئی آج صفائی
عباس نہ آئیں گے علم آتا ہے لوگو

خم ہو گئی ہے ہے کمر دلبر زہرا
افشاں ہے لہو سے علم دیں کا پھریرا
تیروں سے چھدی مشک لٹکتی ہے علم میں

ہرنے سی لگی ہے سپر و تیغ علمدار
سر زخمی ہے ڈھلکا ہوا زیں خوں سے ہے گلنار
گردن ہے چھدی تیروں سے اور بال کٹے ہیں

حضرت کو ہی بھاوج کے رنڈاپے کا بڑا غم
عباس کے خیمے میں بچھا و صفِ ماتم
پردیس میں عموّں سے چھٹی ہائے سکینہ
فضہّ نے کہا یہ جو بصد گریہ و زاری
سر پیٹ کے یہ وجہ عباس پکاری
لوگو شہِ والا کے مصاحب نہیں آئے
ناگہ علمِ شاہ چمکتا نظر آیا
مشکیزۂ بے آب لٹکتا نظر آیا
لشکر کی جو زینت کو قضا لوٹ گئی تھی
تھامے ہوئے دامانِ علم سبطِ پیمبر
رایت کو سنبھالے ہوئے چلاتے تھے اکبر
عموّ پہ تمامی ہوئی اس جاہ و حشم کی
ڈیوڑھی سے جھکا کر جو اسے خیمے میں لائے
غل پڑ گیا ہی ہی اسد اللہ کے جائے
پیاسے گئے پانی نہ پیا نہر میں جا کے
عباس کے فرزند تڑپتے تھے زمیں پر
کہتا تھا بڑا خاک پہ سر اپنا پٹک کر
دِل سینے میں بیتاب ہے ٹکڑے ہیں جگر کے
سب خیمے میں ہیں اُن کو کیا کس کے حوالے
سمجھاتے تھے اکبر اسے گودی میں سنبھالے
تڑپو نہ کہ بے تاب امام دوسرا ہیں

پُرسے کے لیئے آئیں گے اب قبر
پیٹیں وہیں سر کھول کے سب بیبیاں ہا ہا
تھامو اُسے ایسا کہ نہ مر جائے سکینہ
ہی ہی کا ہوا غل کہ زمیں ہل گئی ساری
مجھ کو تو دکھا دو مرے وارث کی سواری
ہی ہی علم آیا مرے صاحب نہیں آئے
ماتم تھا کہ پنجہ بھی لچکتا نظر آیا
اور خوں پھریرے سے ٹپکتا نظر آیا
صدمے سے علم کے بھی کمر ٹوٹ گئی تھی
خوں منہ پہ ملے چاک گریبان کھلے سر
حمزہ کی وفات آج ہوئی اُٹھ گئے حیدر
بس آخری ہے آج زیارت یہ علم کی
حضرت کے حرم زیرِ علم پیٹتے آئے
مشکیزہ بھی تیروں سے چھدا زخم بھی کھائے
صدقے تری سقائی کے قربان وفا کے
تھامے تھے حسین ایک کو اور ایک کو اکبر
لِللہ ہمیں چھوڑ دو اس وقت برادر
سر پیٹنے ہم جائیں گے لاشے پہ پدر کے
لاشے کو کہیں فوجِ ستم روند نہ ڈالے
رستہ نہیں دینے کے ہمیں برچھیوں والے
لاشے کی نگہبانی کو واں شیرِ خدا ہیں

ناشاد سکینہ کا عجب حال تھا غم سے
آنکھوں کو چرائے ہوئے سلطانِ امم سے
یہ تشنہ جگر قابلِ تعزیر ہے لوگو
عاشق نے مرے میرے لئے جان گنوائی
اب شاہ کہاں پائیں گے اس طرح کا بھائی
جاتے ہوئے کیا شان تھی کیا جاہ و حشم تھا
اب کون مری پیاس کا غم کھائے گا ہے ہے
کیا جانتی تھی پیچ یہ پڑ جائے گا ہے ہے
روکے نہ کوئی واسطے دیتی ہوں خدا کے
اس شور میں زینب سے کہا شہ نے کہ جاؤ
زینب نے کہا بانوئے بیکس ادھر آؤ
تقدیر نے لوٹا اُسے آفت کے سفر میں
لے آئیں کسے بی بیاں کرتی ہوئی زاری
دیکھو تو ذرا خوں میں بھری مشک ہماری
مشکیزہ تو دیکھا تنِ صد پاش کہاں ہے
یہ سُن کے اُٹھے خاک سے روتے ہوئے سرور
بھاوج سے یہ فرمایا کہ ای بیکس مضطر
لاشا نہ اُٹھانا یہ وصیت ہے اخی کی
پھر کر جو لگی دیکھنے وہ بیکس و ناچار
دم گھٹنے لگا سینے میں تڑپا یہ دلِ زار
طاقت یہ نہ پائی کہ گرے جا کے علم پر

ماں تھامتی تھی اور وہ لپٹتی تھی علم سے
چلاتی تھی فریاد چچا چھٹ گئے ہم سے
کیوں پانی کو بھیجا مری تقصیر ہے لوگو
جیتی رہی رونے کو مجھے موت نہ آئی
پانی جو نہ پایا مجھے صورت نہ دکھائی
اُن ہاتھوں کے قربان ہیں جن میں یہ علم تھا
کون اب مرے مشکیزہ کو بھر لائے گا ہے ہے
ڈوبا ہوا خوں میں یہ علم آئے گا ہے ہے
اب جا کے میں سر پیٹوں گی لاشے پہ چچا کے
اب زیر علم زوجۂ عباس کو لاؤ
پہلے جو مناسب ہو تو رانڈ سالہ بٹھاؤ
اک ن تھا کہ یہ بن کے دلھن آئی تھی گھر میں
چلائی سکینہ کہ چچی جان میں واری
وہ زیر علم خاک پہ گر کر یہ پکاری
بتلاؤ کہ وارث کی مرے لاش کہاں ہے
مسند پہ لٹایا علم اور ڈال دی چادر
مجبور تھا دریا سے میں لاتا انھیں کیونکر
سمجھو کہ یہی لاش ہے عباس علی کی
معلوم ہوا صاف کہ ہے لاش علمدار
تاریکی سی آنکھوں کے تلے چھا گئی اک بار
غش ہو گئی منہ رکھ کے سکینہ کے قدم پر

چلاّئے حرم ہائے علمدار علمدار
لوٹے گئے ہم ہائے علمدار علمدار

نکلا ترا دم ہائے علمدار علمدار
تنہا ہے علم ہائے علمدار علمدار

اے شیر جواں کس کی نظر کھا گئی تجھکو
بتیس برس کا تھا کہ موت آگئی تجھ کو

کیا پیٹے گی ماں جائے گی جب گھر میں سنانی
مادر کو بڑھاپے میں دیا داغِ جوانی

یوں مٹ گئی ہے ہوشِ مرداں کی نشانی
خوں بہہ گیا اور ہاتھ نہ آیا ترے پانی

روئیں گے جوانانِ مدینہ ترے غم میں
مر جائے گی ناشاد سکینہ ترے غم میں

اے سیدِ لب تشنہ کے غمخوار برادر
مظلوم کے بیکس کے مددگار برادر

اے بھائی کی راحت کے طلبگار برادر
غمخوار خوش اطوار وفادار برادر

کہتے نہیں اب شہ سے کہ کیوں روتے ہو بھائی
خاک اڑتی ہے یاں نہر پہ تم سوتے ہو بھائی

اس مدح میں ہر چند خموشی ہے مرا ننگ
پر ہے دلِ حاسد کی طرح وقت بہت تنگ

تھا سحر بھی انیس آج کے پڑھنے کا نیا ڈھنگ
ہر مصرعۂ رنگیں نے دکھایا ہے عجب رنگ

حق یہ ہے کہ تو بلبلِ بستانِ عزا ہے
تھوڑی سی بھی مہلت جو فلک دے تو مزا ہے

رباعی

خورشیدِ شرف برجِ شرف میں ہوگا
جوہر معدن میں دُر صدف میں ہوگا
مشرق میں کہ مغرب میں کرو دفن اسے
جو عاشقِ حیدر ہے نجف میں ہوگا

رباعی

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ زخّار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

مرثیہ (۱۲)

جب بادبانِ کشتیِ شاہِ امم گرا
یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے واں برادرِ عالی ہمم گرا
یاں فاطمہ کے لعل پہ کوہِ الم گرا
صدمہ ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے
خم ہو گئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

بجتا تھا واں سپاہ میں نقارۂ ظفر
ماتم تھا نوجوانیِ عباس کا ادھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر
اکبر کھڑے تھے سامنے چپکے جھکائے سر
پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ
باقی ہے کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ
عباس سا تو اب کوئی ہوگا نہ خیر خواہ
بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
چننے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچایئے گا کلیجے کو داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباسِ نامدار
اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
حضرت کا شکر و صبر ہے عالم پہ آشکار
مثلِ خلیل بھیجیے فرزند کو نثار
آہیں نہ بھریئے پیٹ کے سر کو نہ پیٹیے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے داغِ پسر ہے اور
بازو کا درد اور ہے دردِ جگر ہے اور
قوّت بدن کی اور ہے نورِ نظر ہے اور
سینے کا زخم اور ہے دردِ کمر ہے اور
گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجیے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجیے

دشوار ہے اگر غمِ فرزندِ نوجواں
مرنے کو آپ آئیے اے قبلۂ زماں
مشتاقِ پیر ہیں تبر و خنجر و سناں
جان اپنی دیجیے جو ہے پیاری پسر کی جاں
اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے

حضرت نے مسکرا کے نظر کی سوئے پسر
فرمایا کیا ارادہ ہی ای غیرتِ قمر
عباسؑ کے فراق نے مارا غلام کو
شہ نے کہا خوشی ہی بہر حال خاکسار
پر میں نہ دونگا رخصتِ میدانِ کارزار
راضی ہوں وہ تو داغ انھیں دیکے جایئے
روکونگا میں تمھیں یہ نہ کیجو کبھی خیال
صدقے ہی نورِ عین تصدق ہی جان و مال
ماں کون باپ کون عطا کبریا کی ہی
سو طرح کا ملال ہوا میں نے کچھ کہا
بھائی کا انتقال ہوا میں نے کچھ کہا
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر بے چراغ ہو
خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبرِ حزیں
اِک آہِ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں
روتے ہیں غیر سیّدِ والا کے حال پر
اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہِ دیں کے پاس
گھیرے ہیں سب امامِ غریب الدیار کو
تنہا کہاں امام کہاں وہ ہجومِ عام
فریاد ہی کوئی نہیں آتا ہمارے کام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو

نعلینِ عرش سا پہ جھکایا پسر نے سر
کی عرض اذن دیجئے یا شاہِ بحر و بر
بس اب نہیں ہی صبر کا یارا غلام کو
تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
اس امر میں تمھاری پھوپی کو ہی اختیار
پالا ہی جس نے اُس سے رضا لیکے جایئے
صابر خدا کی راہ میں ہی فاطمہ کا لال
طفل و جوان و پیر کا حافظ ہی ذوالجلال
اولاد ہی تو کیا ہی عنایت خدا کی ہی
بے جاں حسن کا لال ہوا میں نے کچھ کہا
سب باغ پائمال ہوا میں نے کچھ کہا
حاضر دل و جگر ہی تمھارا ابھی داغ ہو
چھاتی لگایا ماں نے پھوپی نے بلائیں لیں
نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں شاہِ دیں
اماں مقامِ رحم ہی بابا کے حال پر
بازو شکستہ ضعفِ بصارت ہجومِ یاس
اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ نہ ہی حواس
تنہا کھڑے ہیں تولے ہوئے ذوالفقار کو
میں یاں ہوں اب تو اور بڑھی ہوگی فوجِ شام
مٹتا ہی صفحۂ دو جہاں سے پدر کا نام
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوندِ خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزندِ بوتراب
دُنیا کا نور نیرِ اعظم کے ساتھ ہے
جب گھر لُٹا تو شوکتِ شاہانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہو رونقِ خانہ پھر کہاں
ہم ہوں جہاں میں دلبرِ ختمِ رسل نہ ہو
دُنیا سے ہم کو جلد اُٹھا لے ہمارا رب
صدقے ہوں غیر سبطِ نبی کے قدم پہ سب
مانع ہیں آپ اور پھوپی سدِ راہ ہیں
مجھکو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں
سر سے حقوقِ والدِ ماجد ادا کروں
واں اقتل الحسین کا اعدا میں شور ہے
تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو سوال
رکھ لیجے آبروئے پسر بہرِ ذو الجلال
للّٰہ ہاتھ اُٹھائیے اب نورِ عین سے
ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو پھاڑ کے
پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر
صدقے امامِ دیں پہ ہوئے سارے نامور
بستی بسا کے رَن میں شہِ کربلا رہے

اچھا مریں گے بعدِ شہِ آسماں جناب
ذرہ کہاں غروب ہوا جب کہ آفتاب
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے
صاحب ہو تو رونقِ کاشانہ پھر کہاں
گل ہوگئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں
بلبل کی زندگی کا مزا کیا جو گل نہ ہو
آغوشِ قبر میں ہو الٰہی ہمیں نصیب
بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی ہے غضب
میرا قصور کچھ نہیں نہ ہرا گواہ ہیں
راہِ خدا میں فوج سے تنہا وغا کروں
مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں
پر کچھ ہمارا پالنے والوں سے زور ہے
اوّل تو یہ کہ دیجئے مجھے رخصتِ جدال
آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہ کا لال
اماں ہمیں عزیز نہ کیجے حسین سے
جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
نہ جائیں گے نجف نہ سوئے روضۂ رسول
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے
کہ دیجیو نہ آئیں گے اب وہ کبھی ادھر
کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاریِ پدر
کنبے سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ
بھاوج کے منہ پہ یاس سے زینب نے کی نگاہ
بنتِ علی تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
ماں کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر
اچھا رضا حسین سے لیلو تو جائیو

کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہے میں نثار
قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار
ہمراہ کھا کے مادرِ پُرغم کو چھوڑیو
مرتے ہیں اشتیاق میں وہ دن خدا دکھائے
غل ہو کہ لو حسین بہو گھر میں بیاہ لائے
جیتے ہیں گر تو حسرتِ دل یوں نکالیں گے

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر
یا دآتی ہیں وہ ہنسلیاں وہ کان کے گہر
غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو
دادا کا مرتبہ تمھیں دے ربِ ذوالجلال
قابل ہے رحم کرنے کے وارث ہمارا حال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو

دُنیا میں کوئی شخص لگاتا ہے گر شجر
بالفرض یہ جہاں میں نہ پھولے پھلے مگر
کچھ تو ملے ہمیں بھی ثمر اس نہال کا
بنتِ علی کی آنکھوں میں دُنیا ہوئی سیاہ
گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بانو پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی

بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
زینب پکاری چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو
اللہ واری بھول گئے سب ہمارا پیار
بن بیاہے تم ابھی تو ہوا ہے میرے گلعذار
آ لے دُلھن تو صدقے گئی ہم کو چھوڑیو

یہ وارثی اپنے ہاتھ سے دولہا تمھیں بنائے
اچھا نہ ہم سے آنکھ ملانا دلھن تو آئے
اب ہم تمھاری طرح سے پوتے کو پالیں گے
گہنا وہ پہنے لوٹتے پھرنا اِدھر اُدھر
یا آج تیغ ہاتھ میں ہے دوش پر سپر
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

قایم تمھارے سر پہ رہے فاطمہ کا لال
بچپن کی دائیوں کا بھی رکھیئے ذرا خیال
اب تو تمھیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو
ہوتی ہے یہ امید کہ دے گا کبھی ثمر
خوش ہوں گے اس درخت کے سایہ میں بیٹھ کر
صدقے گئی ریاض ہے اٹھارہ سال کا

قوت تمھیں ہو دل کی تمھیں پارۂ جگر
لاشیں بھی گھر میں آئیں تو پیٹا نہیں نے سر
اکبر تو ہی اگر مرے پیارے نہیں نہیں
باتیں یہ کر کے منہ پہ لیا گوشۂ ردا
بس گر پڑا پھوپی کے قدم پر وہ مہ لقا
میں بے وفا نہیں ہوں یہ روشن ہے آپ پر
منہ سے ہٹائیے تو ردا بہر کردگار
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دلفگار
اصغر ہو یا کہ تم ہو مجھے سب کا پاس ہے
اکبر نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تم سے پھوپی خفا ہیں جھکا دو قدم پہ سر
سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام
بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے
انصاف کیجیے کسے پیاری نہیں ہے جاں
کرتا ہے کوئی باغ جوانی کا رائگاں
لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہے
اکبر نے یہ کلام کیے جب بصد ادب
لے کر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
سچ ہے جہاں میں ملتا کوئی باوفا نہیں

بھی خبر نہیں مجھے کب مر گئے پسر
میں کہتی تھی جیے یہ مرا غیرتِ قمر
روشن ہے گھر میں چاند ستارے نہیں نہیں
سر چوب سے پٹک کے کہا وا محمدا
کی عرض رو کے ای پھوپھی اماں کروں میں کیا
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر
اچھا نہ جائینگے سوئے میدانِ کارزار
میں کو صدقے جاؤں تمھیں کو ہے اختیار
رخصت گلا کٹانے کی لو ماں تو پاس ہے
ماں نے کیا اشارہ کہ ای غیرتِ قمر
قربان جاؤں عذر کرو ہاتھ باندھکر
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے
تقصیر عفو کیجیے ای خواہرِ امام
میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام
راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے
اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجواں
روتے ہیں پیر بھی جو چھٹے گلشنِ جہاں
عزت پہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہے
الفت کا جوش آ گیا بنتِ علی کو تب
کڑھتے ہو کس لیے میں تمھیں و کیتی ہوں کب
واری تمھارے سر کی قسم میں خفا نہیں

کیوں کانپتے ہو اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں
لو میں نے دی رضا تمھیں اے میرے نوجواں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
جس شب کو رونے لگتے تھے سوتے سے چونک کے
دشمن تمھارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر
جب تم کراہتے تھے یہ غش کھا کے گرتی تھی
آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے
نازوں سے منتوں سے مرادوں سے تم پلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا
اس قافلہ میں آپ ہیں اب فاطمہ کی جا
صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر
بانو بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
سُنتی تھی میں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
بانو کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہدا
رہیں سب ان کے رونے کی بند ہو گئیں
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبر نے عرض کی
زہرا کی وہ بہو ہیں تو یہ دخترِ علی
رویا جو میں تو ماں نے گلے سے لگا لیا

تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیاں
تم جانو آگے صدقے گئی اور تمھاری ماں
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے
گودی میں لیکے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
بس جاگنا تھا اور دعائیں تھیں رات بھر
جھولے کے گرد صورتِ پروانہ پھرتی تھی
تلووں سے اس نے دیدۂ حق بیں سدا ملے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
میں نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر
لے لیں بلائیں بھائی کی زینب نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بالی سکینہ کہ اے پدر
لو اب تو گھر سے نہر پہ بھیا بھی جاتے ہیں
کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہئے پھوپی بھتیجوں میں کیا فیصلہ ہوا
سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہو گئیں
اماں نے بھی رضا مجھیں دی اور پھوپھی نے بھی
آقا سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی
مرنے کا اذن دے کے پھوپی نے جلا لیا

عاشق ہیں یہ حضور کی یا شاہِ نامدار
دیکھی ہیں کس نے بی بیاں ایسی فلک وقار
سب فاطمہ کا صبر ہی خو ہو تو ایسی ہو

ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
زینب بولیں ذہن کی جودت تو دیکھیے
کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی

رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دیں
سچ ہی اجل سے کچھ کسی انساں کا بس نہیں
بیجا ہی روکنا جو یہ طالب قضا کے ہیں

آیا بنائے ہستی انساں میں جب خلل
جاتا ہی کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل
نہ فاطمہ رہیں نہ امیرِ عرب رہے

رو کر کہا پسر سے کہ اچھا سدھاریئے
زینب سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ ماریئے
لے آؤ مصطفٰے کی قبا ان کے واسطے

آنسو بہا کے بانوئے ناشاد سے کہا
لاؤ عمامۂ شبِ معراجِ مصطفٰے
جاتے ہیں برچھیوں میں انھیں دیکھ بھال لو

کشتی میں لائی بنتِ علی بیاہ کا لباس
کپڑے تو میں نہ پہنوں گا یہ اے فلک اساس
ہیں سوگوار ہاتھ میں رومال دیجیے

مجھ سے ہوں تنگ پسر تو کریں آپ پر نثار
وہ ہاجرہ کا فخر یہ مریم کا افتخار
بیٹی ہو اس طرح کی بہو ہو تو ایسی ہو

نامِ خدا زباں کی طلاقت تو دیکھیے
ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھیے
گویا زبان ہی مصحفِ ناطق کے لال کی

تم دو گی رخصت ان کو مجھے یہ نہ تھا یقیں
آیا تھا اتنی عمر ہی لیکر یہ مہ جبیں
اے بنتِ فاطمہ یہ کرشمے قضا کے ہیں

رونا ہی بے حصول کہ ہی سعی بے محل
روؤ کہ خاک اڑاؤ نہیں چھوٹتی اجل
ہم شکل جن کے یہ ہیں وہ دنیا میں کب رہے

پوشاک تو پہنیے یہ کپڑے اتاریئے
شانہ منگا کے گیسوئے اکبر سنواریئے
خلعت یہ کھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

پروان آج چڑھتا ہی صاحب یہ مدعا
ارمان تھا بہت تمھیں اکبر کے بیاہ کا
دولہ بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو

اکبر یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بدردو یاس
تازہ ابھی ہی ماتمِ عباسِ حق شناس
گردن میں لا کے شالِ عزا ڈال دیجیے

محتاجِ قبر ہی ابھی لختِ دلِ حسن
ہم کس طرح سے پہنیں یہ شادی کا پیرہن
بھائی کے غم میں چاک گریباں ہی شاہ کا

تڑپی یہ سُن کے زوجۂ عباسِ نامور
گبرا نے آہِ سرد بھری اک جھکا کے سر
فریادِ شاہِ دیں کی صدا تا فلک گئی

مطلع
جب بہرِ جنگ اکبرِ شیریں سخن چلے
واری اجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے
پردہ اُٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا

خدام تازیِ علی اکبر کو در پہ لائے
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبر قریب آئے
اللہ کتنا شوقِ شہادت ہی آپ کو

دنیا سے کوچ کرنا ہی تم سا جواں پسر
جھک کر قدم کے سمت یہ بولا وہ نامور
رونے کو ضبط کیجے جگر کو سنبھالیئے

شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں
اس وقت تم سکو روئیں ایسا جگر کہاں
گھر تھامے کون تم تو کمر توڑے جاتے ہو

فرزند نے جو روحِ محمد کی دی قسم
منہ دیکھ کر پسر کا یہ بولے بچشمِ نم
پھر اس طرف کی راہ اُدھر جا کے لیجیو

عریاں پڑے ہیں عون و محمد سے گل بدن
عباسِ نامدار نے پایا نہیں کفن
مر کر کفن ملے یہی جوڑا ہی بیاہ کا

قاسم کی ماں پکاری کہ ہی ہی مرے پسر
بیٹوں کے غم سے ہل گیا زینب کا بھی جگر
عمو کا حال سُن کے سکینہ بلک گئی

بانو پکاری ای مرے گل پیرہن چلے
پیچھے جواں پسر کے امامِ زمن چلے
اک برج سے طلوع ہوا مہر ماہ کا

آنکھوں سے اشک قبلۂ کونین نے بہائے
چلّائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
دو چار گام ساتھ تو چلنے دو باپ کو

ای لعل قبر تک تمھیں پہنچا تو دے پدر
تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہِ بحر و بر
ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالیئے

بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیاتِ پدر کہاں
خود بے خبر ہیں ہم کو کسی کی خبر کہاں
ہم کو سنبھالنے کو کسے چھوڑے جاتے ہو

بس تھرتھرا کے بیٹھ گئے قبلۂ امم
اچھا سدھارو خیر نہ جائینگے ساتھ ہم
مر جائیں ہم تو جا کے خبر آ کے لیجیو

روتا ہوا بڑھا سوئے گلگوں وہ گلبدن
گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا یا دلہن
آہو خجل تھے کبکِ دری کو حجاب تھا
گویا چڑھے براق پہ محبوبِ ذوالمنن
ہر گام پر دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

پہونچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں
آئے رسولِ حق یہ ہر اک کو ہوا یقیں
تصویر سر سے تا بقدم مصطفیٰ کی ہے
کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسف سے بھی حسیں
اس حسن کے بشر بھی ہیں قدرت خدا کی ہے

مثلِ کماں کشیدہ ہیں ابروئے بے نظیر
سر برنہ ہونے دیں گے عدو کو مژہ کے تیر
قربان چشمِ سرمہ کشیدہ کی شان پر
ارجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
ہیں اس کمان و تیر کے قرباں جوان و پیر
چلہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پر

ہے جلوۂ جبینِ مبیں چاند سے دوچند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے سپند
ہے عین راستی پہ کجی دل نواز ہیں
گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کمند
پایا ہے ابروؤں نے عجب رتبہ بلند
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ ملے سرفراز ہیں

آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست
صانع نے کر دیا صفِ مژگاں کا بندوبست
مردم میں روشنی ہے اک زینِ عین سے
کیفیتِ رحیقِ محبت سے ہیں یہ مست
عین الکمال سے انہیں پہنچے نہ تا شکست
دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسین سے

ہم شکل ہیں جنابِ رسالت مآب کے
گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ ٹکڑے سحاب کے
دونوں سے نورِ مہ و خورشید ماند ہیں
کہتا ہے حسن خود کہ نثار اس شباب کے
رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے
زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں

گلزارِ حسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ
بلبل بھی مدح خوانِ چمنِ مرتضیٰ کی ہے
اڑتا ہے غنچہ دہن و یاسمن کا رنگ
رنگیں بیاں ہیں سب سے جدا ہے سخن کا رنگ
غنچہ سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

اللہ رے نورِ گوہرِ دندانِ آبدار
الماس صدقے حاملِ بحرِ عدن نثار
دولت ملی ہے اکبرِ شیریں مقال کو
روشن ہے دشتِ گردنِ نازک کے نور سے
موسیٰ دکھاتے ہیں یدِ بیضا کو دور سے
گردن ہے یہ عارضِ گلابی مثال ہے
ظاہر ہیں ان کے ہاتھوں کی زور آزمائیاں
سر کی ہیں دم میں عمرو و احد کی لڑائیاں
بالا رہا ہے سب سے جہاں میں علی کا ہاتھ
سینہ خزینۂ کرم و عدل و داد ہے
جو رطب و یابس اُس میں ہے سب اِن کو یاد ہے
دولت جو نوح کی ہے سفینے میں ان کے ہے
وہ سینہ جس کا مصحفِ اکبر مشبہ ہے
بیداد برچھیوں کی ہو تیروں کا برسے مینہ
دیدار آنکھیں ملتے ہیں دستِ فقیہ پر
کس طرح کوئی وصفِ سراپا کرے رقم
قطرہ کہاں کہاں صفتِ قلزمِ کرم
یاں سب تعلیاں شعرا کی فضول ہیں
کس شان سے کھڑے ہیں علی اکبرِ جواں
کہتا ہے ابنِ سعد ستمگار و سخت جاں
صدمہ مفارقت کا امامِ زماں پہ ہو

بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں بار بار
ہیں گوہرِ خزینۂ محبوبِ کردگار
ان موتیوں سے عشق ہے زہرا کے لال کو
فی الواقعی فزوں ہے ضیا شمعِ طور سے
شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے
تکمہ سہیل ہے تو گریباں ہلال ہے
مثلِ علی کریں گے صفوں کی صفائیاں
زورِ یداللّٰہی سے بھری ہیں کلائیاں
پہونچے یہ واں جہاں نہیں پہنچا کسی کا ہاتھ
ہاں لاکلام مصحفِ ربِّ عباد ہے
ایمان جانتا ہے جو خوش اعتقاد ہے
جو طور پر ضیا تھی وہ سینے میں ان کے ہے
نیزے لگائیں اُس پہ لعیں کیا غضب ہے یہ
سوراخ ہو بدن کی قبا صورتِ زرہ
کیا ہاتھ تھے اُٹھے جو نبی کی شبیہ پر
جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
مورِ ضعیف و طرحِ سلیمانِ ذی حشم
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہ رسول ہیں
اور اس طرف کھلے ہوئے ہیں فوج کے نشاں
شبیر کے چراغ کو جلدی بجھاؤ ہاں
دیکھیں حسین اور سرِ اکبر سناں پہ ہو

کہتی ہے فوج سب کہ خدا سے ڈر اے امیر
حاکم کے گر عتاب کا ڈر ہو نہ اے شریر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں
تیرے ہمارے بیچ میں ہے روئے مصطفےٰ
قامت ہے صاف قامتِ دلجوئے مصطفےٰ
سب روشنی جمالِ رسولِ زمن کی ہے
کیوں ایسے مزرشت کا ہو منکب بشر
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہیں سید البشر
بے شک کرم کیا ہے رسالت پناہ نے
کہنے لگا یہ تب وہ ستمگار وہ فتنہ گر
ہوتا نہ تھا مگس کا تنِ پاک تک گزر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گزر اُس جناب کا
جس راہ سے گزرتے تھے پیغمبرِ زماں
محبوبِ کبریا ہیں ارم میں یہاں کہاں
محبوبِ کبریا نہیں کوئی ملک نہیں
بالفرض گر نبی ہو تو پھر تم کو خوف کیا
اکثر ستمگروں نے رسولوں سے کی دغا
در پے رہے جنابِ رسالت پناہ کے
اسلام کس کو کہتے ہیں یاں ہے کس کا نام
دشمن کی طرح واہ یہ ہے کونسا کلام
گر یوں کرو گے رحم ہر اک نورِ عین پر

چپ رہ ارے مٹا دیں یہ تصویرِ بے نظیر
اس کے قدم پہ جا کے گریں سب جوان و پیر
بتلا یہ کون ہے جو ہمارا نبی نہیں
کھا تو قسم نہیں ہیں یہ گیسوئے مصطفےٰ
ایسے نہ تھے ملے ہوئے ابروئے مصطفےٰ
جنگل بسا ہوا ہے یہ بو کس بدن کی ہے
ایماں کا جس میں خوف ہو اور رب کا ڈر
اترا ہے آسماں سے ملک یہ نہیں ہیں گر
تجھ کو تو کور کر دیا ہے حُبِ جاہ نے
مجھ سے نشانِ خیرِ وریٰ سُن لو سر بسر
سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر
رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایہ سحاب کا
پھولوں کی تیں روز مہکتی تھی وہاں
اکبر ہے یہ حسین کا فرزندِ نوجواں
ہم صورتِ رسول ہے کچھ اس میں شک نہیں
فرمان جو امیر کا حاکم کی جو رضا
پتھر سے توڑ دے گوہرِ دندانِ مصطفےٰ
تلواریں ماریں فرق پہ شیرِ الٰہ کے
بندے ہیں زر کے ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
ہونی ہے دیر جاؤ یہ قصہ کرو تمام
کیونکر چھری پھراؤ گے حلقِ حسین پر

اکبر کو غیظ آگیا سُنتے ہی یہ کلام
یہ کیا کلام کرتا ہی تو او نمک حرام
اُن کے قدم پہ جن و بشر جان دیتے ہیں

سُن کر صدائے شیر ہٹا فوج سے شریر
صفدر نے لی نیام سے تیغِ قضا نظیر
بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی

پڑھ کر رجز دلیر در آیا سپاہ میں
ہل چل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی

دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش و پس گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے
چھایا تھا ابرِ غم سپہ بدصفات پر

جوہر شناس تیغ زباں منھ ادھر کریں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں
بیتوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہی

درپے تھی سرکشوں کی جو وہ تیغِ جاں ستاں
ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کماں
یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا

قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا
ڈھالوں سے پھول کے لیئے پھولوں سے زرہ لیا
بہرِ حصولِ جزیہ جو وہ تیغ تُل گئی

دی ابنِ سعد کو یہ صدا تول کر حسام
لیجو زباں سے پھر نہ امامِ اُمم کا نام
نامِ حسین صلِ علیٰ کہہ کے لیتے ہیں

یاں سے بڑھے تھے یہ کہ چلے اس طرف سے تیر
سمٹی زمین لرزنے لگا آسمانِ پیر
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
پہلے ہی وار میں صفِ اول تمام تھی

پانچ اس طرف پہنچ نہ چکے تھے کہ دس گئے
جب برقِ تیغ کوند گئی سر برس گئے
غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشتِ حیات پر

تیزی کو حرف حرف کی مد نظر کریں
مصرعے وہ جاں گزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں
بین السطور تیغِ حسینی کی ناب ہی

گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں
گردن سے سر گوں سے لہو اور بدن سے جاں
رن میں کہیں نشان قدر انداز کا نہ تھا

برچھی سے پھل تو زینِ فرس سے تبر لیا
اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا
اک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھل گئی

ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر
کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ ریتی پہ سربسر
ہر اک عقاب تیر کے ٹوٹے ہوئے تھے پر
طاقت نہ تھی کہ شاخِ کماں تک کریں گزر
اس جنگ میں دہن کو نہ سوفار کھولے تھے
طائر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے

سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف
ٹکڑے تڑپتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی

جی سنسنا گئے وہ جدھر سن سے آگئی
گویا سموم کوہ کے دامن سے آگئی
جلتے ہوئے کباب کی بو تن سے آگئی
چمکی تو الاماں کی صدا رن سے آگئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی
خوں میں زمیں بھی صورتِ بسمل تپیدہ تھی

ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ
اڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ
وہ معرکہ رہا اُسی گل پیرہن کے ہاتھ
پہنچا تھا ہاتھوں ہاتھ جو دستِ خدا کا زور
ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کشا کا زور

رن میں جمے تھے دلبرِ ضرغامِ دیں کے پاؤں
سچ ہے کہیں اکھڑتے ہیں رکنِ رکیں کے پاؤں
دہشت سے اُٹھ گئے تھے سپاہِ لعیں کے پاؤں
تھمتی نہ معرکہ میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں
جس دم وہ حرب و ضرب اسے یاد آتی ہے
یہ زلزلہ نہیں ہے زمیں کانپ جاتی ہے

دب کر سوار شام کے لشکر کے رہ گئے
خالی صفوں میں سرد نفس بھر کے رہ گئے
روحیں کہاں کی ڈھیر تن و سر کے رہ گئے
ہر چند سنگدل تھے پہ مر مر کے رہ گئے
تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی
اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا
شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا
گھٹنوں سے دونوں پائے ضلالت اثر جدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا

جس پر چلی وہ تیغ فنا ہو کے رہ گیا
بڑھ کر تھمی تو حشر بپا ہو کے رہ گیا

تھا ایک ہاتھ میں سرِ اسوار زین پر
سر سبز سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسول
گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمر حصول
زہرا کا باغ اجاڑ کے راحت سے سوئے تھے

لکھتا ہے ادہمِ قلم اب سرعتِ عقاب
پستی میں سیل ہے تو بلندی میں ہے سحاب
اڑنے میں اس فرس کو پرندوں پہ اوج ہے
افزوں ہے زلفِ حور سے خوشبو ایال کی
پریاں خرامِ ناز میں شاگرد چال کی
وہ حسن تن پہ ساز کا جوبن براق کا

نازک مزاج و نسترن اندام و تیزرو
اس کا نہ اک قدم نہ زغندیں ہرن کی ہو
رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
صرصر سے تندخو سے سبک رو ہوا سے تیز
طاؤس و کبک و نسر و عقاب و ہما سے تیز
ذی جاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا

سمٹا جما اڑا ادھر آیا ادھر گیا
تیروں سے اڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا

سر تن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا
گردن سے تا کمر کوئی لا ہو کے رہ گیا

رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر
تھے زرد مثلِ برگِ خزاں دیدہ سب جھول
برچھی سے پھل کمان سے شاخیں سپر سے پھول
آخر اگے نہ سب ہی کانٹے جو بوئے تھے

نعل اس کے ماہِ نو ہیں تو سم رشکِ آفتاب
سرعت میں برقِ گرم روانی میں جوئے آب
اک شور تھا قدم نہیں دریا کی موج ہے
دیکھیں تو لیں بلائیں صدا بال بال کی
غصہ میں جست شیر کی شوخی غزال کی
دلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

گردوں مسیر بادیہ پیما و برق دو
دو روز سے نہ کاہ ملی تھی اسے نہ جو
سرعت میں کچھ کمی تھی نہ چھل بل میں فرق تھا
چالاک فہم و فکر سے ذہنِ رسا سے تیز
جانے میں اڑ کے ہدہدِ شہرِ صبا سے تیز
رہوار کیا ہوا پہ سلیماں کا تخت تھا

چمکا پھرا جمال دکھایا ٹھہر گیا
برہم کیا صفوں کو پروں سے گزر گیا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

جب خوب لڑ چکا شہِ دیں کا سرورِ جاں
نکلا اُدھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
بدکار و بد سرشت و بدآئین و بدزباں
سرہنگ و جنگ جو و سلح شور و پہلواں
غرّا تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو
رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو

افزوں تھا دیو سے بھی تن و توشِ نابکار
قوت میں عمرو عنتر و مرحب کا یادگار
اسفندیارِ عصر و نمودار و نامدار
شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار
شورش مزاج میں تو ستم آب و گِل میں تھا
نہ آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اس کے دل میں تھا

بارِ گناہِ حاکمِ فاسق تھا خود سر
تھی روسیاہیِ پسرِ سعد کی سپر
ذی الجوشنِ شقی کا جو تھا ناخلف پسر
پہنے تھا اُس کے تن کی زرہ بر میں بدگہر
ظاہر کماں سے سرکشیِ بدنہاد تھی
قبضہ میں تیغِ بدعتِ ابنِ زیاد تھی

میداں میں یوں رجز پڑھا اُس نے بشد و مد
تھرا کے قلب ہل گئی سہراب کی لحد
گرما رہا تھا رخش کو وہ بانیِ حسد
یاں سے بڑھا سرورِ دلِ ضیغمِ صمد
پڑھتے دُعا ملک عقبِ باد پا چلے
مرحب کے قتل کرنے کو شیرِ خدا چلے

وہ کفر تھا یہ دیں تھے وہ ظلمت یہ نورِ ربّ
یہ رشکِ آفتابِ درخشاں وہ تیرہ شب
وہ ننگِ روزگار تو یہ عزتِ عرب
یہ خیر میں رسول وہ شر میں ابولہب
کاذب تھا وہ شقی یہ صداقت نشان تھے
وہ جسم کفر کا تھا یہ ایماں کی جان تھے

تازی کو تیز کرکے یہ غازی نے دی صدا
او خوں گرفتہ کچھ تجھے دعویٰ ہے گر تو آ
انساں کو اپنے آپ ستایش نہیں روا
قائل ہیں جس کے سب وہ ہمارا ہے مرتبا
ذی قدر ہیں سعید ہیں عالی جناب ہیں
ذرے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں

یوسف نہیں ہے وہ جو کرے دعوئے جمال
کب بدر نے کہا کہ میں ہوں صاحبِ کمال
پایا ہے آفتاب نے کیا اوج کا جلال
کی سرکشی ادھر تو اُدھر آگیا زوال
شیطاں کو وصل نار کا آدم کو نور کا
یہ عجز کا ثمر ہے وہ پھل ہے غرور کا

ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب
کس کا ہے جد شفیعِ اُمم سیدِ عرب
جو دوست ہے خدا کا پسر اُس علی کے ہیں

شامی بڑھا ادھر کو جو بھالا سنبھال کے
مہمیز کی فرس کو جو کانٹے پہ ڈال کے
سیماب ہو جو گرم تو پھر کیا قرار لے

پیچھے ہٹا جھجک کے جو خونخوار کا سمند
دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند
لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کھلے ہوئے

گہ ڈانڈ پر تھی ڈانڈ سناں پر کبھی سناں
ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر تکاں
یہ بھی عرق میں وہ بھی پسینے میں غرق تھا

کرار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب ادھر
ہشیار کر کے صید کو جھپٹا وہ شیرِ نر
سر پر بھلا ہوئے ہیں سخی سے دنی کہیں

گرزِ گراں اُٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں
چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں
تھا ان کا ہاتھ فضلِ خدا سے علی کا ہاتھ

ظالم نے گرز پھینک کے قبضہ میں لی کماں
چھوڑا شقی نے تیرِ سہ پہلو کہ الاماں
ضربت تھی یا کہ قہرِ خدائے قدیر تھا

روشن ہے آفتاب سے اپنا نسب حسب
ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیرِ ذاتِ رب
کافی ہے بس یہ فخر کہ پوتے علی کے ہیں

صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
رہوار شیر بن گیا آنکھیں نکال کے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اُتار لے

آگے بڑھا حسین کا فرزندِ ارجمند
عقدے ہنر کے کھل گئے بندھنے لگے جو بند
دو اژدہے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے

اینوں سے اُڑ رہے تھے شرارے کہ الاماں
طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحاں
ہر زورِ ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

زخمی کبھی گلا تھا کبھی ہاتھ گاہ سر
نیزے سے کارِ تیغ لیا واہ رے ہنر
پونڑی کہیں تھی ڈانڈ کہیں تھی انی کہیں

آنکھیں غضب سے سرخ ہوئیں مثلِ جامِ خوں
ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذو فنوں
بے زخم کھائے ہو گیا چھوٹا شقی کا ہاتھ

آیا مثالِ ہبلِ قوی ہیکل وہ واں
تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادہ جہاں
گوشہ تھا نہ کماں تھی نہ چلہ نہ تیر تھا

رُخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا
کیوں سہم گئی ہے کھینچ کے تلوار منہ پہ آ
او کج نہاد و سرکش و بدکیش و بے حیا
میداں سے بھاگتا ہے یہ ہے تیسری خطا
تیغیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے نہیں
ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں

لی زرد رو نے میان سے شمشیرِ برق دم
وہ بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بیک علم
لگے سیاہ ابر سپر کے اُٹھے بہم
چالاکیاں دکھانے لگے اسپِ خوش قدم
دونوں طرف ہوئی تگ و دو کارزار میں
یہ گرد اڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں

چوٹیں ستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار
کس کس ہنر سے رد کیے اُس بے ادب کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار
یاد آگئے ہر اک کو امیرِ عرب کے وار
رخ زرد تھا ہراس سے اُس ہرزہ گرد کا
یاں ٹھاٹھ تھا علیِ ولی کی نبرد کا

شوکت وہی شکوہ وہی اور وہی جلال
تیور وہی حواس وہی اور وہی کمال
تیغ و سپر میں شیرِ الٰہی کی چال ڈھال
دعویٰ نہ اس پہ کچھ نہ تکبر نہ قیل و قال
نقشہ دکھا دیا شہِ دُلدل سوار کا
جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا

ڈھالوں کے پرزے ہوگئے پیہم رکے جو وار
بھرتا تھا اژدہے کی طرح دم سیاہ کار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار
لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
جس طرح زخمی صید دبکتا ہے شیر سے

لایا کلامِ سخت جو لب پر وہ بد زباں
بس آگیا جلال میں شہزادۂ جہاں
دستِ اجل بڑھا کہ اٹھی تیغ جاں ستاں
اُڑ کر گیا فرس پہ سمندِ سبک عناں
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آگیا
عصفور شاہ باز کے پنجے میں آگیا

نہ وہ تہمتنی تھی نہ وہ زور گیو کا
منہ پھر گیا طمانچۂ ضیغم سے دیو کا
ظالم شکار بن گیا کیہاں خدیو کا
کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا اجنیو کا
نکلی بغل سے تیغ عجب کر و فر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر
سجدے سے سر اُٹھا کے پکارے بچشمِ تر
قابو میں دل نہیں ہے بہت بے قرار ہوں
بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے
گزری بہارِ زیست کی آیا زمانِ دے
حرمت سے اس پسر کو شہادت حصول ہو
مقبول جس طرح ہوئی قربانیِ خلیل
دنبہ وہاں بہشت سے لائے تھے جبرئیل
اُمت بھی بخشی جائے پسر بھی سعید ہو
مصروف تھا دُعا میں اودھر فاطمہ کا لال
بڑھ کر دغا کرے یہ کسی کی نہ تھی مجال
سوکھے تھے ہونٹ رنگ بھی فاقوں سے زرد تھا
یہ دیر سے لڑے ہوئے وہ فوج تازہ دم
ہاتھوں کا زور کم ہوا جاتا تھا دم بدم
آنکھیں تو سرخ غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
نکلا پرے سے ایک جفاکار و کینہ خواہ
چلایا دیکھ کر طرفِ بارگاہِ شاہ
اس نوجواں کے ہجر میں آخر نکل پڑی
تھا عشق سے پھوپھی کے تو واقف وہ لالہ فام
گردن پھرا کے جلد نظر کی سوئے خیام
برچھی کسی کی سینۂ انور پہ چل گئی

بس جھک گئے زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
یارب لڑا ہے تیسرے فاقے سے یہ پسر
ہاں تیرے رحم و لطف کا اُمیدوار ہوں
مایہ ہے تو یہ ہے جو بضاعت ہے تو یہ ہے
اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
یارب فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول ہو
اُس طرح سرفراز ہو یہ بندۂ ذلیل
میں اُس کا ملتجی نہیں اے خالقِ جلیل
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو
ڈوبا ہوا تھا فوجِ عدو میں وہ نونہال
لاکھوں سے معرکہ تھا ہزاروں سے تھی جدال
بازو تھکا ہوا تھا کلائی میں درد تھا
فاقوں کا ضعف پیاس کا صدمہ پدر کا غم
پر کھیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم
طاقت گھٹی ہوئی تھی پہ ہمت بڑھی ہوئی
تھا کید میں خلیفۂ شیطان وہ روسیاہ
آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
لو گھر سے بنتِ فاطمہ زہرا نکل پڑی
گھبرا گیا حسین کا فرزندِ نیک نام
منہ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا تھام کر جگر
سب ہو گئے وہ دستِ بلوریں لہو میں تر
جز بے کسی نہ تھا کوئی اس ماہرو کے ساتھ
لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ چودھویں کا ماہ
بیٹھا گلے پہ تیر کہ حالت ہوئی تباہ
بنتِ رسولِ رونے کو منہ ڈھانپنے لگی
سر کاٹ لو یہ غل جو لگے کرنے اشقیا
ای نورِ عینِ فاطمہ ای سبطِ مصطفا
جلد آئیے غلام پہ احسان کیجیے
جس دم سنی حسین نے یہ جاں گزا صدا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
مل کر غریب بیکس و تنہا سے جا بہو
ہی ہی مرے شفیق پسر مہرباں پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جان پسر
مقتل کدھر ہی کوئی بتاتا نہیں مجھے
مجھ کو غریب دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار
ای شبیر سیّد الشہدا کہہ کے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائے گی
کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بے حواس ہوں
غمگیں ہوں مردہ دل ہوں حزیں ہوں اداس ہوں
کیوں کر قرار آئے دلِ ناصبور کو

فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
رہوار سے لپٹ گئے ہرنے پہ رکھ کے سر
ٹکڑے کبد کے زخم سے نکلے لہو کے ساتھ
جو گرز فرقِ پاک پہ مارا کسی نے آہ
رہوار سے گرا پسرِ شاہِ دیں پناہ
تڑپا وہ نوجواں کہ زمیں کانپنے لگی
گردن سے تیر کھینچ کے بابا کو دی صدا
ای بحرِ فیض ای قمرِ برجِ ھل اتا
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجیے
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ الٹ گیا
نعرہ کیا کہ ای علی اکبر کروں میں کیا
آلے ضعیف باپ تو دنیا سے جا بہو
خوشرو پسر سعید پسر قدرداں پسر
کم گو پسر شہید پسر نوجواں پسر
ای نورِ عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے
اک بار یا شہِ دوسرا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہہ کے پھر پکار
مر جاؤں گا میں جو نہ آواز آئے گی
زخمی ہی قلبِ کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
دم توڑو تم تو ہی غضب ای میں نہ پاس ہوں
لاؤں کہاں سے ڈھونڈھ کے آنکھوں کے نور کو

ناگاہ آئی حضرتِ زہرا کی یہ صدا
دم توڑتا ہے گود میں میری یہ مہ لقا
دیکھے یہ تم کو تم اسے اک بار دیکھ لو

چلّائے سر کو پیٹ کے شبیرِ نامدار
جویا ہوں اُن کا میں اُنھیں میرا ہے انتظار
عاشق کا حال دیکھ لیں کچھ بات کر کے جائیں

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطانِ بحر و بر
اُٹھا یہ دل میں درد کہ خم ہو گئی کمر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کے ٹھہر گئے

ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب
آنسو بہا کے رکھ دیئے بیٹے کے لب پہ لب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو

بابا سے کوئی بات تو اے مہ لقا کرو
اینٹھی ہے گر زبان تو آنکھوں کو وا کرو
دادی کے پاس چشمۂ کوثر پہ جاتے ہو

اکبر نے آنکھیں کھول کے دیکھا رخِ پدر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سرِ پسر
یاں سے اُٹھا کے آلِ پیمبر میں لے چلیں

کی عرض مہلت اتنی کہاں اے شہِ اُمم
دولت ملی کہ دیکھ لیے آپ کے قدم
ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہیں

ہے ہے حسین تیرے تڑپنے کے میں فدا
جاں اس کی تجھ میں اٹکی ہے اے میرے دلربا
آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو

اماں خدا کے واسطے اکبر سے ہوشیار
کہہ دیجیے کہ آتا ہے بابا جگر فگار
دنیا سے کوچ ہے تو ملاقات کر کے جائیں

بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
دیکھا جو زخم منہ کے قریب آ گیا جگر
غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیر مر گئے

دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہِ رسولِ رب
چلّاتے تھے کہ چھوٹے چلے ہم کو ہے غضب
باہیں اُٹھا کے باپ کی گردن میں ڈال دو

غفلت کا وقت یہ نہیں ذکرِ خدا کرو
صدقے پدر اشارے میں مطلب ادا کرو
حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکراتے ہو

گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے اِدھر اُدھر
روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
غم ماں کا ہے تو آؤ تمھیں گھر میں لے چلیں

اب کیجے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھ نہیں ہے غم
روتا ہوں اس لیے کہ اکیلے حضور ہیں